Vol-12

تاریخِ احمدیّت

جلد سیزدہم

مشرقِ وسطیٰ میں اُردن مشن کے قیام سے لے کر سیّدنا حضرت امیر المومنین المُصلح الموعُود کی ربوہ میں بغرض رھائش تشریف آوری تک

مؤلّفہ

دوست محمدؐ شاہد

النّاشر:۔ ادارۃ المصنّفین، ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد دوازدہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر واشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-119-4

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-12 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-119-4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نور الحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۳ کو جلد نمبر ۱۲ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد دوازدہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر واشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

تاریخِ احمدیت کی تیرھویں جلد

الحمد للہ کہ تاریخ احمدیت کی تیرہویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اس جلد میں جماعت احمدیہ کے تین تبلیغی مشنوں کا ذکر ہوا گیا ہے ۱۔ اردن مشن ۲۔ جرمن مشن ۳۔ مسقط مشن۔ ہر مشن کے متعلق مفصل طور پر بتایا گیا ہے کہ کس طرح سے اس کی داغ بیل پڑی اور پھر کس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے مبلغین کی مساعی میں برکت دی۔ اور غیر معمولی طور پر ان کو کامیابی حاصل ہوئی۔ جرمن مشن کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہوئی کہ سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ وہاں تشریف فرما ہوئے پھر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث بھی وہاں رونق افروز ہوئے۔ اور اس قطعہ زمین کو اپنی دعاؤں اور برکتوں سے نوازا جس کے نتائج ناظرین اس جلد میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

علاوہ ازیں اس جلد میں ہجرت کے بعد لاہور میں جماعت احمدیہ لاہور کا جو جلسہ ہوا اور اس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جن ارشادات سے نوازا ان کا بھی ذکر ہے۔ پھر جو پہلا جلسہ ربوہ میں ہوا اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جو ایمان افروز تقاریر کیں اور جو دعائیں ربوہ کی ترقی اور اسلام کی سربلندی کے لئے کی گئیں ان سب کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضور رضی اللہ عنہ جن حالات میں ربوہ میں مستقل رہائش کے لئے تشریف لائے ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

آج کا ربوہ اُس وقت کے ربوہ سے بہت مختلف ہے جب حضور یہاں رہائش کے لئے تشریف لائے اس وقت ربوہ میں کچی اینٹوں کے بنے ہوئے چند دفاتر اور چند مکانات تھے اور گھٹنوں گھٹنوں تک اُڑتا ہوا تھا جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنس جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام کو برکت دی اور چند ہی سالوں میں صدر انجمن احمدیہ۔ تحریک جدید، لجنہ اماء اللہ اور وقف جدید کے دفاتر اور تعلیمی ادارہ جات کی شاندار عمارتیں معرض وجود میں آگئیں اسی طرح گولبازار اور رحمت بازار بن گیا اور رہائشی پکے مکانات بن گئے۔ حال ہی میں بنے ہوئے فضل عمر فاؤنڈیشن کے دفتر اور لائبریری کی خوبصورت عمارت نے ربوہ کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس سال حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ سے ربوہ کے ایک حصہ کی سڑکیں بھی پختہ بن گئی ہیں۔ اور بعض جگہوں میں گھاس اور پودے لگ گئے ہیں۔ اسی طرح گویا

اور رحمت بازار میں دونوں سڑکوں کے درمیان گھاس کے قطعات بنا دیئے گئے ہیں جن سے ربوہ کی خوبصورتی میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ بہرحال جو دعائیں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افتتاح ربوہ کے موقعہ پر کیں آج ہم انہیں پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں آج یہاں ضروریات زندگی کے سب شعبے موجود ہیں اور ہمیں باہر کی دنیا سے تعلقات رکھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

امسال کاغذ کی نایابی کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ تاریخ احمدیت کی تیرہویں جلد شائع نہ ہو سکے گی لیکن محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وسط دسمبر میں ہمیں کاغذ مہیا کر دیا اور نقوش پریس نے تاریخ احمدیت طبع کرنے کے لئے پوری جد و جہد کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ خاکسار کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ سارے کام کی نگرانی کرنے کی توفیق دی۔

ہر سال تاریخ احمدیت کی ایک جلد شائع کی جاتی ہے یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے اور اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو تصنیف و اشاعت کا کام کرتے ہوں۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس کے لئے دن رات ایک کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اپنے فضل سے نوازے اور ہمت عطا کرے کہ وہ تاریخ کے کام کو مکمل کر سکیں۔ آمین

جن دوستوں نے کتاب کی کتابت، پروف پڑھنے اور دیگر امور میں مدد فرمائی ہے میں ان سب کا بھی ممنون ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ناچیز کوشش کو قبول فرمائے اور انجام بخیر کرے آمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

خاکسار

ابوالمنیر نورالحق ابوالمنیر نورالحق

مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین

ربوہ

۲۱/۱۲/۶۷

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد سیزدہم

عنوان	صفحہ

پہلا باب

شرق اردن مشن کی بنیاد سے لے کر جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک

فصل اوّل

اردن مشن کی بنیاد	۱
اردنی پریس میں احمدی مبلغ اور جماعت احمدیہ کا ذکر	۴
اردن کی اہم شخصیتوں تک پیغام احمدیت	۸
حضرت مصلح موعود کا پیغام والی اردن شاہ عبداللہ بن الحسین کے نام	۱۰
شاہ اردن سے احمدی مبلغ کی ملاقات	۱۱
اردن کے سب سے پہلے احمدی — اردن مشن کی اسلامی خدمات زائرین کی نظر میں	۱۴
فصل دوم	۱۴
افتتاح ربوہ کے بعد نئی بستی کی آبادی اور تعمیر کے ابتدائی انتظامات	۱۹
خیموں کی از سر نو تنصیب	۲۰
ربوہ کے خیمہ نشینوں کے لیل و نہار اور ان کی مشکلات پر ایک نظر	۲۱
تعمیر مرکز کے لیے حضرت مصلح موعود کا والہانہ شوق	۲۲
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا مکتوب حضرت مصلح موعود کی خدمت میں	۲۴
حضرت مصلح موعود کی طرف سے راہنما اصولوں کی تعیین	۲۶
ہر کام کے لئے نگرانوں کا تقرر	۳۰
سرزمین ربوہ کا سروے اور نقشہ کی تیاری اور منظوری میں شدید مشکلات	۳۱
صدر انجمن احمدیہ کی گزارشات ایک نظر میں	۳۵
قانونی جدوجہد میں کامیابی	۴۰
پانی کی فراہمی کا مسئلہ	۴۱
ربوہ میں ظلی صدر انجمن احمدیہ و تحریک جدید کا قیام	۴۶

عنوان	صفحہ
عارضی تعمیرات کے لئے مزید سامان کی فراہمی	۴۷
ربوہ میں پہلی عارضی عمارت کی بنیاد	۴۹
حضرت مصلح موعود کی طرف سے نئے مرکز کی آبادی اور تعمیر میں شرکت کے خواہش مند اہل حرفہ کو تیار رہنے کا حکم	۴۹ ۵۰
فصل سوم	
ربوہ میں حضرت مصلح موعود کی پریس کانفرنس اور اخبارات میں چرچا	۵۱
اخبارات میں تفصیلی خبر اور جماعت احمدیہ کو خراج تحسین	۵۴
فصل چہارم	
کوائف قادیان	۶۲
درویشوں کا سوشل بائیکاٹ	۶۲
احمدیہ شفاخانہ کا قیام	۶۴
درویشان قادیان کے لیل و نہار	۶۷
صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی درویشانہ زندگی کا آغاز	۷۲
مساجد قادیان کی حفاظت کے لئے ناقابل فراموش مساعی	۷۲
قادیان کے پہلے درویش کا انتقال	۷۴
بہشتی مقبرہ سے ملحق باغ کا مقدمہ	۷۴
اغوا شدہ مسلم خواتین کی بازیابی کے لئے عظیم الشان جدوجہد	۷۶
۳۵ عشاق احمدیت کی دیار حبیب میں تشریف آوری	۷۹
درویشوں کی مشکلات	۸۲
دفتر زائرین کا قیام	۸۴
فصل پنجم	
سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء	۸۴
حضرت امیر المومنین مصلح موعود کا روح پرور پیغام	۸۵
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا پیغام	۹
حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا پیغام	۱۰۰

عنوان	صفحہ

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا پُرسوز اور درد انگیز کلام ۱۰۲
مقررین جلسہ ۱۰۳
لوائے احمدیت کا لہرایا جانا ۱۰۴
جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا عمدہ انتظام اور ریکارڈ شکن حاضری ۱۰۴

دوسرا باب

جلسہ سالانہ لاہور ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء سے لیکر جرمنی اور مسقط مشن کے قیام تک ۱۰۵

فصل اوّل

جلسہ سالانہ لاہور میں حضرت مصلح کی ایمان افروز تقریریں۔ ۱۰۷
افتتاحی تقریر۔ ۱۰۷
اختتامی خطاب ۱۰۹
جلسہ کے دوسرے مقررین ۱۱۴

فصل دوم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال ۱۱۵

فصل سوم

۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات ۱۱۹
خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں خوشی کی تقاریب ۱۱۹
امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد کا تار بھارتی حکومت کے نام ۱۱۹
مشرقی پنجاب کے احمدی قیدیوں کی رہائی۔ ۱۲۰
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ کی مسئلہ فلسطین سے متعلق خدمات کا ذکر پاکستان پریس میں۔ ۱۲۱
حضرت مصلح موعود کا اہم پیغام فلسطینی احمدیوں کے نام ۱۲۲
مجالس خدام الاحمدیہ پاکستان کی رتن باغ میں اہم شوریٰ ۱۲۴
مجاہد امریکہ مرزا منور احمد صاحب کا وصال۔ ۱۲۵
انڈونیشیا کے دو مخلص احمدیوں کا انتقال ۱۲۷

صفحہ	عنوان
۱۲۸	دمشق کے ایک مخلص احمدی کا انتقال
۱۲۸	احمد نگر میں سیدنا حضرت امیر المومنین کی تشریف آوری
۱۲۹	بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں
۱۲۹	فلسطین مشن
۱۳۳	مجاہد اردن کا دورہ شام و لبنان
۱۳۴	سیرالیون مشن ۔ نائیجیریا مشن
۱۳۵	مشرقی افریقہ مشن
۱۳۵	امریکن احمدیوں کی پہلی سالانہ کانفرنس
۱۳۶	مجاہدین احمدیت کی آمد اور روانگی
۱۳۶	نئی مطبوعات
	فصل چہارم
۱۳۷	جرمنی مشن کا احیاء
۱۳۷	خلافت ثانیہ کا چھتیسواں سال ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء
۱۳۷	ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں
۱۳۷	جرمن میں تحریک احمدیت کی داغ بیل
۱۳۸	نیورمبرگ میں جماعت کا قیام
۱۳۸	جرمن مستشرق ڈاکٹر ٹلٹاک کے بعض سوالات اور حضرت مصلح موعود کے ایمان افروز جوابات
۱۴۵	ہیمبرگ میں احمدیہ یورپین مشنز کی چوتھی کانفرنس
۱۴۶	حضرت مصلح موعود کا جرمن میں ورود، حضور کا ایمان افروز خطاب اور دوسری اہم دینی مصروفیات
۱۴۷	امیر المومنین ٹاؤن ہال میں ۔
۱۴۹	ہیمبرگ مسجد اور مسیحی پریس
۱۵۰	جرمن ترجمہ قرآن کی اشاعت
۱۵۰	جرمن مشن میں فریضہ تبلیغ بجالانے والے مجاہدین احمدیت
۱۵۱	مسجد فرانکفورٹ کی تعمیر و اختتام
۱۵۲	رسالہ الاسلام کا اجراء

عنوان	صفحہ
حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ جرمنی میں	۱۵۳
ہیمبرگ مشن کی عمارت میں توسیع	۱۵۴
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا مغربی جرمنی کی طرف پہلا سفر	۱۵۴
کتابوں کی عالمی نمائش میں مشن کی نمائندگی	۱۵۶
صدر جمہوریہ سینی گال کو اسلامی لٹریچر کی پیش کش	۱۵۶
ایک مشہور مسیحی مناد کو قبولیت دعا میں مقابلہ کرنے کی دعوت اور اس کا واضح انکار	۱۵۶
قیام مشن فرانکفورٹ کی دس سالہ تقریب	۱۵۹
اسپرنٹو زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی اشاعت و مقبولیت	۱۶۱
وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر کو جرمنی ترجمہ قرآن کی پیشکش	۱۶۳
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا دوسرا سفر مغربی جرمنی	۱۶۳
جرمن مشن کا مرکز فرانکفورٹ میں	۱۶۴
جرمن مشن کی اسلامی مطبوعات	۱۶۵
مشن کی سنہری خدمات دوسروں کی نظر میں	۱۶۶
فصل پنجم	
مسقط مشن کی بنیاد	۱۶۹

تیسرا باب

ربوہ کے پہلے سالانہ جلسہ سے لے کر سیدنا حضرت مصلح موعود کی دارالہجرت میں بغرض رہائش تشریف آوری تک۔	۱۷۲
فصل اول	
ربوہ کا پہلا سالانہ جلسہ	۱۷۲
انتظام جلسہ کے لئے حضرت امیر المومنین کی ہدایات	۱۷۷
حضرت مصلح موعود کا معائنہ انتظامات کی خاطر ربوہ کا خصوصی سفر	۱۷۹
ربوہ سٹیشن کی منظوری اور گاڑیوں کی باقاعدہ آمد و رفت	۱۸۲
صدر مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے تربیت یافتہ رضا کاروں کے لئے اپیل۔	۱۸۲
جلسہ ربوہ کا افتتاح اور حضرت المصلح الموعود کا ایمان افروز خطاب	
الفضل کی خصوصی اشاعت۔	۲۱۵
خطبہ جمعہ میں جماعت کو ہمیشہ مرکزیت سے وابستہ رہنے کی موثر تحریک	۲۱۵

عنوان	صفحہ
مجلس مشاورت کا انعقاد	۲۱۶
حضرت امیر المومنین مصلح موعود کا خواتین احمدیت سے خطاب	۲۱۶
حضرت امیر المومنین کی مردانہ جلسہ گاہ میں نہایت پر معارف تقریر	۲۱۷
اجلاس دوم میں حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز اختتامی تقریر	
ربوہ کے پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے کوائف پر ایک طائرانہ نظر	
جلسہ کی حیرت انگیز کامیابی پر حضرت مصلح موعود کا خطبہ جمعہ	
فصل دوم	
حضرت مصلح موعود کا سفر سندھ و کوئٹہ	۲۴۹
کنری سے محمود آباد اسٹیٹ	۲۵۰
ٹاہلی اسٹیشن پر ورود	۲۵۰
حلقہ نور نگر میں صادق آباد کی بنیاد اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کیلئے ہدایات	۲۵۰
تغیر عظیم پیدا کرنے کیلئے سندھی پڑھنے لکھنے اور بولنے کی ضرورت	۲۵۲
احمد آباد اسٹیٹ سے کنجیجی، کنجیجی سے کوئٹہ	۲۵۱
کوئٹہ میں خطبہ جمعہ جماعت کو نئی آزمائشوں کے لئے تیار ہو جانے کا حکم	۲۵۴
رمضان المبارک کی برکات سے متعلق بصیرت افروز خطاب اور اجتماعی دعا	۲۵۵
قرآن مجید کا اردو ترجمہ سیکھنے کی پرزور تحریک	۲۵۶
آیت قل ان صلوتی ... الخ کی لطیف اور پر معارف تفسیر پر مشتمل سلسلہ خطبات	۲۵۷
اسلام اور موجودہ مغربی نظریئے کے موضوع پر ایک جلسہ عام میں اثر انگیز خطاب	۲۵۸
فصل سوم	
حضرت نواب محمد الدین صاحب کا انتقال	۲۶۰
فصل چہارم	
ربوہ میں حضرت مصلح موعود کی بغرض رہائش آمد	۲۷۱
سفر ربوہ کے چند بقیہ واقعات	۲۷۶
ضمیمہ	
گروپ فوٹو مبلغین احمدیت	
جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۴۸ء میں شریک ہونے والے بھارتی احمدیوں کی فہرست	
درویشان قادیان کی بقیہ فہرست	۲۸۲
حضرت نواب محمد الدین صاحب کا ایک مکتوب	۲۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

ـــــ و علٰی عبدہ المسیح الموعود ـــــ

پہلا باب

شرقِ اُردن مشن کی بُنیاد سے لیکر جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک

(از امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تا فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء)

فصل اوّل

اُردن مِشن کی بُنیاد

خلیجِ فارس سے مراکش تک پھیلی ہوئی عرب دُنیا میں شرقِ اُردن (JORDON) ایک نہایت مشہور مملکت ہے۔ اُردن کا علاقہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی اور آپؐ کے خلیفۂ ثانی حضرت عُمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ کے نامور فوجی جرنیل حضرت شُرحبیل بن حسنہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالقعدہ/جنوری ۱۳ھ/۶۳۵ء میں فتح کیا[2] اور صدیوں تک دِمشق، حمص اور فلسطین کی طرح

---

[1] بالکل اوائل میں اسلام لائے، مہاجرینِ حبشہ کے پاک گروہ میں شامل تھے، کئی غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کی جنگی مہمات میں بھجوایا جہاں آپ نے ۱۸ھ میں عمواس مقام پر بعمر ۶۷ سال وفات پائی (طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۹۴ مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ)۔

[2] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۴۳۵ مطبوعہ دارالمعارف و فتوح البلدان صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ ۱۹۳۲ء۔

شام کی اسلامی عملداری میں شامل رہا۔ مگر پہلی جنگ عظیم (جولائی ۱۹۱۴ء ۔ نومبر ۱۹۱۸ء) کے بعد اسے برطانیہ کے زیرِ حمایت ایک مستقل ریاست تسلیم کر لیا گیا۔ یہ ریاست دوسری جنگ عظیم (ستمبر ۱۹۳۹ء ۔ اگست ۱۹۴۵ء) کے خاتمہ پر برطانوی استداب سے آزاد اور خود مختار ہو گئی اور عبداللہ بن الشریف حسین الہاشمی اس کے پہلے آئینی بادشاہ قرار پائے۔

شاہ عبداللہ والیٔ اُردن کی بادشاہت کے تیسرے سال مولوی رشید احمد صاحب چغتائی واقفِ زندگی ۳ ماہ امان / مارچ ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو حیفا سے شرق الاردن کے دارالسلطنت عمان پہنچے اور ایک نئے احمدیہ مشن کی بنیاد ڈالی۔ یہ مشن ۷ ماہ وفا / جولائی ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد آپ شام و لبنان میں تشریف لے گئے اور دینِ برحق کی منادی کرنے لگے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو قادیان سے رخصت کرتے وقت حسب ذیل ہدایات ان کی نوٹ بک میں تحریر فرمائی تھیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان باتوں سے
پرہیز کرو جن سے تعلق نہ ہو قرآن کریم فرماتا ہے لغو باتوں سے
پرہیز کرو۔ تبلیغی ہدایات بہت سی [illegible] ہیں انکو یاد کریں
اور ان پر عمل کریں — ہم نے کئی [illegible] دیکھا ہے اس
[illegible] آپ نے [illegible] ذریعہ
سے [illegible] فتح [illegible] یہ سبق [illegible] تبلیغ [illegible]

لہ ولادت ۱۸۹۲ء وفات ۱۹۵۱ء

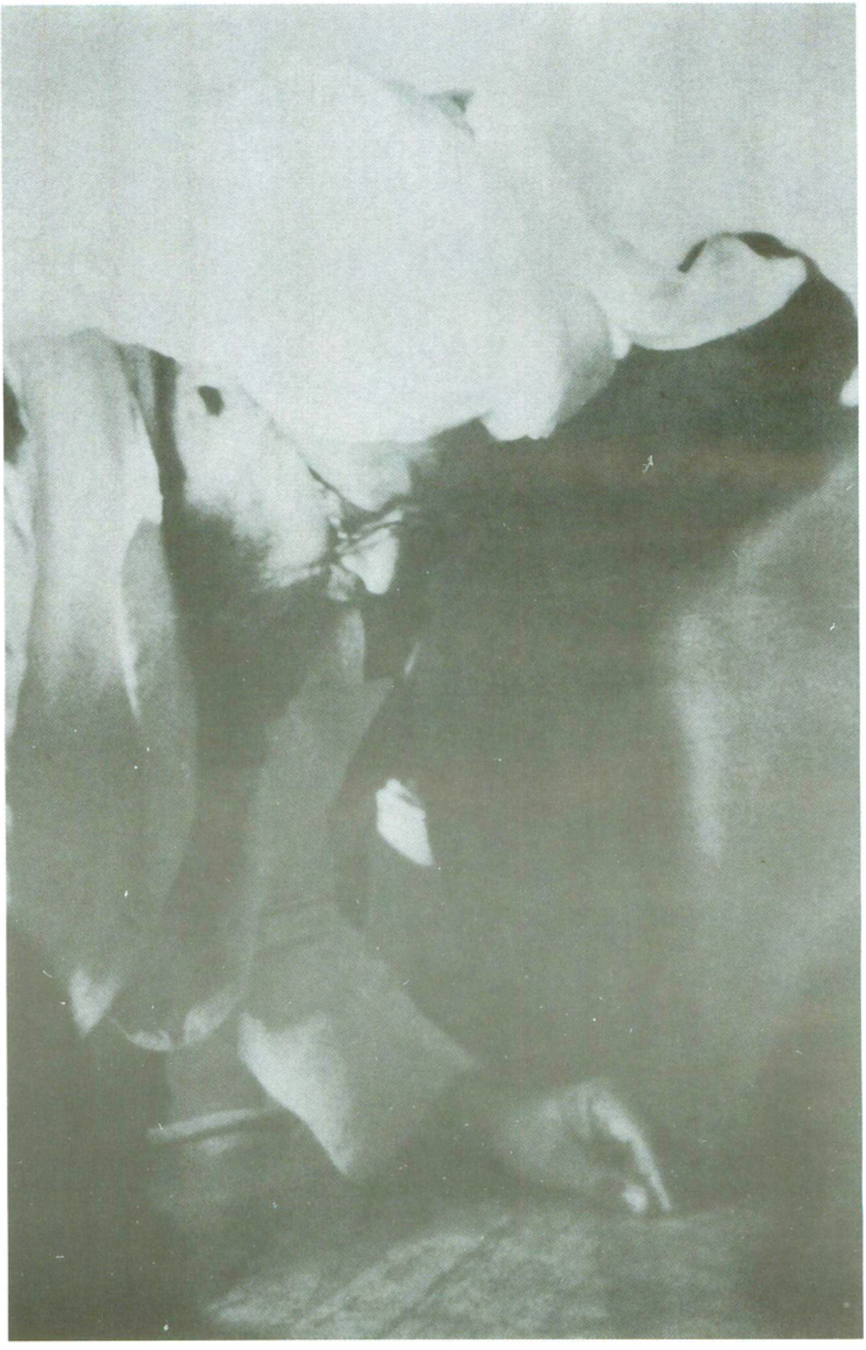

بانی ربوہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اسلام کے چوتھے نئے اور
مقدس مرکز ربوہ کا ابتدائی نقشہ ملاحظہ فرما رہے ہیں

باقی فتح دعاؤں اور نماز اور روزہ سے آئے گی۔ تبلیغ سے زیادہ عبادت اور دعا اور روزہ پر زور دو

خاکسار

مرزا محمود احمد

"رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان باتوں سے پرہیز کرو جن سے تعلق نہ ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے لغو باتوں سے پرہیز کرو۔ تبلیغی ہدایات بہت دی جا چکی ہیں ان کو یاد کریں اور ان پر عمل کریں۔ کسی نے کہا ہے "ایاز قدر خود بشناس" اس مقولہ کو یاد رکھو ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم نے اپنے ذرائع سے کام لے کر دُنیا فتح کرنی ہے یہ سبق بھولا تو تبلیغ یونہی بیکار ہو جائیگی۔ باقی فتح دُعاؤں اور نماز اور روزہ سے آئے گی۔ تبلیغ سے زیادہ عبادت اور دُعا اور روزہ پر زور دو۔

خاکسار مرزا محمود احمد (۲۳ $\frac{۱۰}{۱۹۴۶}$)"

پھر ۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو مولوی صاحب کا ایک خط ملاحظہ کر کے ارشاد فرمایا:۔

"اب وقت کام کا ہے۔ تبلیغ پر زور دے کر ایک موت وارد کریں تا احمدیت دوبارہ زندہ ہو اور مالی اور روحانی قربانی کی جماعت کو نصیحت کریں۔ اب ہر مُلک کو ایسا منظّم ہونا چاہیئے کہ ضرورت پڑنے پر وہیں تبلیغ اور سلسلہ کا بوجھ اُٹھا سکے۔ پہلے بہت سُستی ہو چکی۔ اب ایک معجزانہ تغیر ہمارے مبلّغوں اور جماعت میں پیدا ہونا چاہیئے"

اُردن مشن کی ابتداء نہایت پریشان کن ماحول اور حوصلہ شکن حالات میں ہوئی۔ قضیۂ فلسطین کے باعث ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی اور دوسرے کثیر التعداد مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی طرح حیفا کے متعدد احمدی گھرانوں کو بھی ہجرت کر کے شام و لبنان میں پناہ گزین ہونا پڑا تھا۔ خود مولوی رشید احمد صاحب چغتائی جو حیفا ہی سے اُردن میں تشریف لائے تھے محض اجنبی اور غریب الدیار تھے۔

مولوی صاحب موصوف نے اپنی تبلیغی، علمی اور اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز ایک ہوٹل سے کیا جہاں آپ صرف چند ہفتے مقیم رہے مگر پھر جلد ہی اخراجات میں تنگی کی وجہ سے، اپنے ایک عرب دوست السیّد عبد الکریم المُعَایطَۃ ابن الحاج محمد ھلال المُعَایطَۃ کے ساتھ ایک کمرہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ چند ماہ بعد جب فلسطین کے ایک مخلص عرب احمدی پناہ گزین السیّد طٰہ القَزَق عمان میں آ گئے تو مولوی صاحب ان کے پاس ایک مختصر کمرہ میں منتقل ہو گئے۔ یہ کمرہ کرایہ پر لیا گیا تھا اور شَارِعُ المَحَطَّۃ (ریلوے روڈ) پر واقع تھا۔

اُردنی پریس میں احمدی مبلّغ اور جماعت احمدیہ کا ذکر

مکرم مولوی صاحب نے عمان میں قیام پذیر ہونے کے چند روز بعد نہ صرف انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ پیغام حق پہنچانا شروع کر دیا بلکہ اُردن کے صحافیوں سے خصوصی رابطہ قائم کر کے پبلک کو احمدیت اور اس کی اسلامی خدمات سے رُوشناس کرانے کے بہترین مواقع پیدا کر لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت مختصر وقت کے اندر پورے اُردن پریس میں احمدی مبلّغ اور احمدیت کے تذکرے ہونے لگے چنانچہ "الاردن" "الجزیرہ"۔ "النسر"۔ "وکالۃ الانباء العربیۃ" اور "الدفاع" جیسے مقتدر اور باثر اخباروں نے تعارفی نوٹ شائع کئے۔ یہاں بطور نمونہ صرف دو اقتباس مع ترجمہ درج کئے جاتے ہیں:۔

۱- "الاردن" نے حسب ذیل نوٹ درج اشاعت کیا:۔

" زَارَنَا فِی إِدَارَةِ هٰذِهِ الْجَرِیْدَةِ الْمُبَشِّرُ الإِسْلَامِیُّ الْأُسْتَاذُ رَشِیْد اَحْمَد چُغْتَائِی الْاَحْمَدِیّ الْهِنْدِیُّ فانسنابه بعض الوقت و بِالنَّظَرِ لما یربط الدُّوَل الْعَرَبِیَّةُ بِدولةِ البَاکِسْتَانِ الجَدِیْدَةِ من رَّوَابِطِ دینیَّةٍ وَّاجتمَاعِیَّةٍ سَأَلنا حضرته اسئلة کثیرة تَتَعَلَّقُ بالهند و بمسلمیها وهندوکیها۔

والاستاذ ینتمی الی الجماعة الاحمدیة التی تبشّر بالدین الاسلامی والمنتشرة فی اقطار العالم وهو شاب فی نحو الثلاثین ربیعاً أوقف حیاته فی خدمة دین الاسلام ونشره۔

وعلمنا انه زار عدداً من الشخصیات الدینیة والحکومیة وسیتشرف بمقابلة جلالة الملك المعظم وحدثنا عن تعلق مسلم الهند بالعرب ومحبتهم لآل البیت۔

وقد قال ان مسلمی الهند یعتقدون انهم مدینون دَیناً عظیماً للعرب الذین نشروا بینهم لواء الاسلام فاهتدوا بهدیه و انهم لو فقدوا أعز ما لدیهم فی سبیل نصرة العرب لما وفوا جزءاً من فضلهم هذا علیهم ثم قال ردّاً علی سؤالنا ان مسلمی الهند متعلقون بآل البیت ومحبون لهم اعظم الحُبّ۔

وقد اطلعنا الأستاذ على النشرات الدينية التى تصدر فى جميع بلدان العالم لنشر الدين الاسلامى من قبل الجماعات الاحمدية ثم قال ان الجماعة فى انحاء العالم تنشر الدعاية القوية لفلسطين العربية و مقدساتها الدينية و يقاومون الدعاية الصهيونية

وكتب امام الجماعة (حضرة ميرزا بشيرالدين محمود احمد) مؤخراً رسالة فى موضوع فلسطين نشرت باللغة الاردية وترجمت الى جميع اللغات دفاعاً عن فلسطين العربية "[1]

مبلغ اسلام مولوی رشید احمد صاحب چغتائی الاحمدی الہندی ہمارے دفتر میں بغرض ملاقات تشریف لائے۔ ہم نے آپ سے اُن دینی اور اجتماعی روابط و تعلقات کی بناء پر جو پاکستان کی نئی مملکت کو عرب حکومتوں سے وابستہ کرتے ہیں۔ برصغیر[2] کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی نسبت متعدد سوالات کئے۔

جناب مولوی صاحب جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتی اور اکنافِ عالم تک پھیلی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب قریباً تیس سالہ جوان ہیں۔ آپ نے خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ مُلک کے بہت سے مذہبی راہنماؤں اور اعلےٰ سرکاری افسروں سے مل چکے ہیں اور عنقریب جلالۃ الملک شاہ معظم کی ملاقات سے بھی مشرف ہونے والے ہیں۔ آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کے عرب سے تعلق اور اہلِ بیت نبوی سے عقیدت و محبّت کا بھی تذکرہ کیا۔

انہوں نے فرمایا کہ مسلمانانِ برصغیر کا اعتقاد ہے کہ وہ عربوں کے بیحد مقروض ہیں جنہوں نے اُن کے یہاں پرچمِ اسلام لہرایا اور جن کی راہ نمائی سے وہ ہدایت یافتہ ہوئے سو اگر وہ عربوں کی اعانت و تائید میں اپنی عزیز ترین متاع بھی خرچ کر دیں تب بھی وہ اُن کی مہربانی

---

[1] جریدہ "الأردن" عمان نمبر ۱۲۰۲ جلد ۲۹۔ ۱۷ جمادی الاوّل ۱۳۶۷ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۴۸ء

[2] متن میں الهند کا لفظ ہے جو برصغیر پاک و ہند کے لئے استعمال ہوا ہے۔

کا صلہ نہیں دے سکتے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں مزید فرمایا۔ کہ برصغیر کے مسلمان اہلِ بیت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے گہری محبّت و الفت رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب نے وہ مذہبی لٹریچر بھی دکھایا جو احمدی جماعتوں کی طرف سے دُنیا بھر میں دینِ اسلام کی اشاعت کے لئے شائع ہوتا ہے۔ پھر بتایا کہ جماعت احمدیہ فلسطین عربیہ اور اس کے مقدّس مقامات کی حفاظت و تائید اور صہیونی پراپیگنڈا کے قلع قمع کے لئے سرگرم عمل ہے۔ چنانچہ حال ہی میں خود حضرت امام جماعت احمدیہ (حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد) نے مسئلہ فلسطین کے موضوع پر اردو میں ایک مضمون سپرد قلم فرمایا جو فلسطینی عربوں کے دفاع کی غرض سے دیگر زبانوں میں بھی شائع کیا جا چکا ہے۔

۲۔ ممتاز جریدہ "النّسر" نے لکھا :-

"قدم العاصمة المبشر الاسلامی الهندي ميرزا رشيد احمد چغتائی الاحمدی ليقوم بجولة فی ربوع الأردن وهو من الجماعة الأحمدية أحدى طوائف الاسلام ومركزها فی الهند۔ وامامها الحالی حضرة ميرزا بشير الدين محمود احمد وهذه الجماعة تعمل على الدعوة الى الاسلام والتبشير بالدين الحنيف۔ وينتشر اعضاءها ومبشروها فی جميع انحاء العالم وقد دخل فی الاسلام الوف من الناس بفضل جهود افراد هٰذه الجماعة۔ كما أسّست عدداً كبيراً من المساجد والجوامع والمراكز التبشيرية فی أكثر أرجاء العالم ومنها فی انجلترا وامريكا وافريقيا وجزر الهند والصين واليابان والبانيا وفرنسا وايطاليا وسويسرا۔ وقد ترجمت الجماعة القرآن الكريم الىٰ عشر لغات اجنبية۔

ويبلغ عدد الاحمديين فی العالم عدة ملايين وتعتقد جماعة الاحمديين بأن مؤسّسها الاوّل حضرة ميرزا احمد (عليه السلام) المولود سنة ۱۸۳۵ء والمتوفی سنة ۱۹۰۸ء - هو المهدی المنتظر والمسيح الموعود والمجدد للقرن الرابع عشر هجری۔ وقد

جاء ليقيم الشريعة المحمدية ويحيي الدين ويخدم الاسلام حتى تكون الغلبة له۔ وقد الف وكتب ۸۰ كتابا كلها في تائيد الاسلام و الدفاع عنه۔ وبعضها باللغة العربية الفصحیٰ۔ وقد اطلعنا المبشر الضيف على نشرات مختلفة تصدرها الجماعة الاحمدية في الهند وخارجها كما اخبرنا ان افراد هذه الجماعة قاموا بدعاية واسعة لقضية فلسطين في مختلف مراكزها وخاصة في الهند۔ حيث اصدر ميرزا بشير الدين رسالة باللغة الأردية يشرح فيها قضية فلسطين" لہ

(ترجمہ) ان دنوں برصغیر سے میرزا رشید احمد چغتائی الاحمدی مملکت شرق الاردن کے دورہ کی غرض سے دار السلطنت عمان میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔ .. .. جو اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا مرکز ہندوستان میں ہے اور جس کے موجودہ امام حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں۔ یہ جماعت اعلائے کلمۂ اسلام میں مصروف ہے اور اس کے افراد اور مبشرین اکناف عالم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس جماعت کی شاندار مساعی کے نتیجہ میں جہاں ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں وہاں دنیا کے اکثر حصّوں میں مسجدیں، مدرسے اور تبلیغی مشن قائم ہو چکے ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔ انگلستان، امریکہ، افریقہ جاوا۔ سماٹرا وغیرہ جزائر ہند، چین، جاپان، البانیہ، فرانس، اٹلی، سوئٹزرلینڈ وغیرہ۔ یہ جماعت دس غیر ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم بھی کر چکی ہے۔

دنیا بھر میں احمدیوں کی تعداد چند ملین ہے۔ جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے کہ بانی جماعت احمدیہ حضرت میرزا احمد (علیہ السلام) (جن کی ولادت ۱۸۳۵ء میں اور وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی) مہدی منتظر، مسیح موعود اور چودھویں صدی کے مجدد ہیں اور آپ کی آمد شریعت محمدیہ کے قیام، احیائے دین اور خدمتِ اسلام کے لئے ہوئی تھی تاکہ اسے غلبہ نصیب ہو۔ آپ نے اسّی کے قریب کتابیں تالیف فرمائیں جو سب اسلام کے دفاع اور

لہ جریدة "النّسر"۔ عمان ۴ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء نمبر ۴۷ جلد اوّل

تائید میں تھیں اور جن میں سے بعض فصیح عربی زبان میں ہیں ہمیں مولوی صاحب نے جماعت احمدیہ کی طرف سے برصغیر اور بیرونی ممالک میں شائع ہونے والا لٹریچر بھی دکھایا۔ نیز اُس جدوجہد سے بھی مطلع کیا جو مسئلہ فلسطین کے بارے میں جماعت احمدیہ کے مختلف مشنوں نے کی ہے۔ بالخصوص برصغیر میں خود حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ) نے قضیۂ فلسطین پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک خاص مضمون شائع فرمایا۔

اُردن کی اہم شخصیتوں تک پیغامِ احمدیت

قیامِ اُردن کے دوران مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مجاھد بلادِ عربیہ نے اردن کی بہت سی ممتاز شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور اُن تک احمدیت کی آواز پہنچائی۔ مثلاً

۱۔ السید عبدالرحمٰن الخلیفہ رئیس الدیوان الملکی۔ (پرائیویٹ سکرٹری شاہ اُردن)

۲۔ صاحب السعادہ سعید پاشا مفتی (وزیر داخلہ اُردن)

۳۔ السید محمد امین الشنقیطی (وزیر تعلیم و قاضی قضاۃ)

۴۔ فوزی پاشا ملقی (وزیر خارجہ اُردن)

۵۔ عبداللہ النجار (اُردن میں لبنانی وزیر مفوض)

۶۔ شیخ عبدالعزیز (اُردن میں سعودی وزیر مفوض)

۷۔ عبداللہ بک تل (لیفٹننٹ جنرل۔ فلسطینی محاذ کے نامور جرنیل و بیت المقدس کے فوجی گورنر)

۸۔ بہجت بک تلحونی رئیس محکمہ ہدایت اربد۔ (جو چار دفعہ اُردن کے وزیر اعظم بنائے گئے)

۹۔ هزاع المجالی رئیس بلدیۃ العاصمہ و مدیر التشریفات الملکیہ (آپ بھی بعد میں وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر پہنچے)

علاوہ ازیں مکرم مولوی صاحب موصوف کو اسمبلی کے ممبروں، مختلف مدارس کے ہیڈ ماسٹروں اور سماجی لیڈروں سے بھی ملنے کا موقعہ ملا۔

جناب بہجت تلحونی سے اُردن میں مبشرِ احمدیت کی پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی غلبۂ اسلام کے لئے بین الاقوامی کوششوں کو بہت سراہا اور اپنے قلم سے حسب ذیل نوٹ لکھا:-

"انه لَمِمَّا يثلج الصدر ويحيي القلب ان نرى بين ظهرانينا و في معظم

انحاء العالم مبشرين عالمين مسلمين امثال الأستاذ السيد رشيد احمد جغتائی الهندی الباکستانی یعلمون امور الشرع الاسلامي و یسعون لتحلیمها لرفع رایة الإسلام فبارك الله فیهم و اکثر من امثالهم و نفع البشر من علمهم والسلام علی من اتبع الهدیٰ۔

٤٨/٧/٥

بهجت

رئیس محکمه بدایة اربد

وزارة العدلیه المملکة الاردنیة الهاشمیه

(ترجمہ) یقیناً یہ امر سینہ میں ٹھنڈک پیدا کرتا اور دل کو شگفتگی، تازگی اور زندگی بخشتا ہے کہ ہم اپنے درمیان اور دنیا کے بیشتر علاقوں اور طرفوں میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی پاکستانی کی مانند تبلیغ کرنے والے مسلم علماء دیکھ رہے ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے مسائل سکھلانے اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو پیش کرنے میں کوشاں ہیں تا عَلَمِ اسلام کو دنیا میں سربلند کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈالے۔ ایسے مبلّغین بکثرت دُنیا میں پھیلا دے اور بنی نوعِ انسان کو اُن کے علم سے فائدہ پہنچائے اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر خدا کی سلامتی ہو۔

۵ جولائی ۱۹۴۸ء

بہجت

رئیس محکمہ بدایۃ اربد

وزارۃ العدلیہ المملکۃ الاردنیہ الہاشمیہ

عیسائیوں کے ایک خصوصی اجتماع میں تقریر

مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں کے گرجوں اور ان کی دیگر مجالس میں بھی راہ و رسم پیدا کر کے ہر ممکن طریق سے انہیں احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے متعارف کروایا

چنانچہ اسی ضمن میں ایک موقعہ پر دارالحکومت عمّان میں اعلیٰ درجہ کے مشہور کلب "نادی عمان"

(AMMAN CLUB) میں عیسائیوں کے ایک خصوصی اور اہم اجتماع میں محترم مولوی صاحب موصوف کو بھی خطاب کرنے کی دعوت دی گئی جسے آپ نے قبول کیا اور اس میں تقریر فرمائی۔ اس اجتماع میں بڑے بڑے عیسائی پادریوں کے علاوہ حکومت اُردن کے متعدد وزراء اور بلاد عربیہ و دیگر ممالک کے سفراء، پارلیمنٹ کے ایوان بالا اور زیریں کے کئی ایک ممبران و دیگر رؤسا، سکولوں و کالجوں کے اساتذہ اور وکلاء، مدیرانِ جرائد وغیرہ غرض ہر مذہب و طبقہ کی چیدہ شخصیات موجود تھیں۔

اس جلسہ کی مفصل روداد اخبار "الأردن" کے ایک خاص نمبر[1] میں شائع کی گئی جس میں کیتھولک فرقہ کے ٹلاڈلفیا اور سارے شرق اُردن کے بشپ اور پادریوں وغیرہ مسلم و غیر مسلم جملہ مقررین کے شائع شدہ اسماء میں محترم مولوی صاحب موصوف کا نام بھی درج تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام والیٔ اُردن شاہ عبداللہ ابن الحسین کے نام

اُردن مشن کا ایک نہایت اہم واقعہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا والیٔ اُردن شاہ عبداللہ ابن الحسین کے نام پیغام اور اُن سے ملاقات ہے۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو اُردن میں آنے سے پہلے قیام فلسطین کے دوران (مورخہ ۲۲ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء) شاہ اُردن سے مصافحہ کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ جس کی اطلاع مولوی صاحب موصوف نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھی بھجوائی۔ نیز لکھا کہ امید ہے کہ میرا یہ مصافحہ مجھے اردن میں پہنچنے اور ان سے دوبارہ ملاقات کا ذریعہ ثابت ہوگا۔[2]

حضرت مصلح موعودؓ کے حضور ۵ر ماہ نبوت/ نومبر ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء کو یہ رپورٹ پیش ہوئی تو حضور نے ارشاد فرمایا:-

"اگر ملک عبداللہ سے ملیں تو انہیں میرا اسلام کہیں اور کہیں کہ مَیں ان کے والد مرحوم سے[3] ۱۹۱۲ء میں مکہ مکرمہ میں حج کے موقعہ پر مل چکا ہوں لمبی گفتگو ایک گھنٹہ تک ہوئی تھی۔ اس وقت مَیں نوجوان تھا۔ کوئی تئیس سال کی عمر تھی۔ اسی طرح میرے برادر نسبتی[4] اُن کے بھائی

---

[1] اخبار "الأردن" (عمان شرق اردن) خاص نمبر مجریہ ۲۷ر شعبان ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۴ر جون ۱۹۴۹ء

[2] اصل تحریر کا یہ مفہوم ہے جو خود مولوی صاحب کے ذریعہ سے زبانی معلوم ہوا۔ (مؤلف)

[3] یعنی شریف مکہ۔ ان سے ملاقات کا ذکر تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۵۵ میں آچکا ہے۔

[4] حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مراد ہیں جو اُن دنوں جھوٹے الزام کے نیچے ہندوستانی حکومت کی قید میں تھے۔

امیر فیصل کے دوست تھے۔ شام میں اُن کے تعلقات قائم ہوئے تھے۔ بعد میں ان کی بادشاہی کے زمانہ میں عراق میں اُن سے ملے اور انہوں نے ان کی دعوت بھی کی۔

شاہِ اُردن سے احمدی مبلغ کی ملاقات

جناب مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام پہنچانے کے لئے ۱۱ ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کو شاہِ اُردن سے اُن کے شاہی محل (قصر رغدان) میں ملاقات کی۔

بادشاہ معظم آپ کے داخل ہونے پر کُرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُھلاً وّ سھلاً وّ مرحباً کے الفاظ سے خوش آمدید کیا اور مصافحہ کیا جس کے بعد آپ نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے گذشتہ عیدالاضحیہ سے ۲ دن یوم قبل (۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو) بادشاہ معظم سے بیت المقدس میں حرم شریف مسجد اقصیٰ میں مصافحہ کیا جس کے بعد مولوی صاحب کے دل میں ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی اور اس کا اظہار بھی اُنہوں نے بذریعہ خط حضرت امام جماعت احمدیہؓ کی خدمت میں کیا۔ جس پر حضورؓ نے بادشاہ معظم کو اردو میں اپنا ایک پیغام بھجوایا۔ مبلّغ احمدیت نے ان تعارفی الفاظ کے بعد شاہِ اُردن کی خدمت میں حضور کے پیغام کا عربی ترجمہ پیش کیا۔

شاہِ اُردن حضور کے پیغام سے بہت متأثر ہوئے اور آپ نے اس کے جواب میں حسب ذیل الفاظ لکھوائے اور اس پر سُرخ روشنائی سے دستخط ثبت فرما دیئے:۔

"لحضرة امام الجماعة الاحمدية ميرزا بشير الدين محمود احمد!
قد قرء عليّ صديقنا رشيد احمد الاحمدى رسالتكم و اقرأني سلامكم فى مطلع الجمل اللطيفة المتعلقة بى و بوالدى المرحوم و بأخى رحمه الله فشكرتكم على ثناء الذكرى و اثنيت عليكم ثناء المسلم للمسلم، جزيتم خيرا و بورك فيكم وانّا نامل ان نراكم يومًا ما إن شاء الله فى احسن حالة المسلمين أجمعين. و إنّنى هنا سأعمل على مساعدة كل أخ من الهند الباكستان اذا احتاج الى تلك المساعدة. والسلام عليكم و رحمة الله۔

(ترجمہ) بحضور حضرت امام جماعت احمدیہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب!

آپ کا پیغام ابھی ہمارے دوست رشید احمد صاحب احمدی نے مجھے پڑھ کر سُنایا ہے اور آپ کا سلام بھی مجھے پہنچایا ہے جو آپ کے خوبصورت اور پاکیزہ جملوں کے شروع میں ہے اور جو مجھ سے اور میرے والد مرحوم اور میرے بھائی سے متعلق ہیں۔ میں اس یاد فرمائی پر آپ کا شکر گذار ہوں اور آپ کی بہت تعریف کرتا ہوں جیسا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تعریف کرتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی سے آپ کو جزائے خیر عطا کی جائے اور آپ کو برکت حاصل ہو۔ ہمیں امید ہے کہ ہم آپ کو کسی وقت تمام مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان حالت میں پہنچا ہوا دیکھیں گے اور میں یہاں اپنے ہر پاکستانی بھائی کی جب بھی ضرورت پڑے مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

شاہِ معظم نے یہ عقیدتمندانہ جواب لکھوانے کے بعد مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کی ذاتی نوٹ بک پر اپنے قلم سے حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی :-

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله والصلاة على نبيه الكريم
وآله وصحبه اجمعين
انما اثبت بهذا الدفتر المبارك لصاحبه الاستاذ
السيد رشيد احمد جغتائي الاحمدي شهادة
ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وادعو له
ولجميع المسلمين بنجاة الاسلام والمسلمين
٢ رجب الفرد ١٣٦٧ عمان شرق الاردن

الهاشمي
الديوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمدہٗ و اُصلی علٰی نبیّہ الکریم و اٰلہٖ و صحبہ اجمعین

إنّنی اثبت بھذا الدفتر المبارک للمبشر الاسلامی السیّد رشید احمد جغتائی الاحمدی شھادۃ ان لآ الٰہ الّا اللّٰہ و أنّ محمّدا رسول اللّٰہ و احییہ وجمیع المسلمین بتحیۃ السلام

عبداللہ

۳ رجب الغراء ۱۳۶۷ھ عمان شرق الاردن

(مُہر) الدیوان الھاشمی

(ترجمہ) اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے مَیں اس عبارت کو شروع کرتا ہوں۔ مَیں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے نبی کریم اور آپؐ کے آل و اصحابؓ سب پر درود بھیجتا ہوں۔

مَیں احمدی مبلّغ اسلام مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کی اس بابرکت کاپی میں کلمۂ شہادت لا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ تحریر کرتا ہوں اور مَیں مولوی صاحب کو اور تمام مسلمانوں کو السلام علیکم کا تحفہ دیتا ہوں۔ والسلام

(شاہی دستخط) عبداللہ

۳ رجب ۱۳۶۷ ہجری۔ عمان شرق الاردن

(مُہر) الدیوان الہاشمی

مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے دورانِ ملاقات تحریک جدید کے ۱۹۳۹ء میں مطبوعہ البم (ALBUM) سے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی شبیہ مبارک آپ کے سامنے رکھی۔ فوٹو دیکھتے ہی شاہ اُردن کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے "مَا اَحْلٰی هٰذِهِ الصُّوْرَةِ!" کتنی ہی پیاری یہ تصویر ہے! مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو بھی دکھایا جسے آپ نے گہری نظر سے دیکھا۔

بعد ازاں مکرم مولوی صاحب نے شاہ معظم کی خدمت میں حضرت مصلح موعودؓ کے مضمون

"تقسیم فلسطین اور اقوامِ متحدہ"[1] کا عربی ٹریکٹ پیش کیا جسے شاہ نے بخوشی قبول فرمایا اور پورے ٹریکٹ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے جب اس میں جنرل سمطس کا نام دیکھا تو فرمایا "دشمن فلسطین"۔ پھر فرمایا کہ "میں اسے غور سے پڑھوں گا اور انشاء اللہ فائدہ اُٹھاؤں گا"

آخر میں بادشاہ نے مملکتِ اردن اور پاکستان کے اسلامی روابط و تعلقات اور اتحاد و اتفاق پر گفتگو فرمائی۔ شاہی محل قصر رغدان میں ملک معظم سے یہ ملاقات بیس منٹ تک جاری رہی۔[2]

اس ملاقات کی خبر عمان کے اخبار "الاردن" نے اپنی ۱۲ رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں دی۔[3]

اُردن کے سب سے پہلے احمدی

سلطنتِ اُردن کے قدیم اور تاریخی شہر الکرک کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُردن میں سب سے پہلے وہاں احمدیت کا بیج بویا گیا اور مشہور قبیلہ المعایطہ کے سردار کے بڑے لڑکے السیّد عبدُاللہ الحاج محمد المعایطہ اور اُن کے بعض افرادِ خاندان داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے

اُردن مشن کی اسلامی خدمات زائرین کی نظر میں

اُردن مشن اگرچہ صرف سوا سال تک قائم رہ سکا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس نہایت قلیل عرصہ میں اس کو خاصی اہمیت حاصل ہوگئی اور اس کی اسلامی خدمات ملک کے اونچے ادبی علمی طبقے میں بڑی قدر اور احترام کی نظر سے دیکھی جانے لگیں۔

اس حقیقت کا اندازہ ان تاثرات سے بخوبی ہو سکتا ہے جو اُردن مشن کی اسلامی خدمات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے اور مشن میں آنے والے زائرین نے خود قلمبند کئے اور جو ریکارڈ میں اب تک محفوظ ہیں۔ جن شخصیات کے تاثرات ہمیں اس ریکارڈ میں ملتے ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

---

[1] مطبوعہ الفضل ۸ فتح / دسمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء۔ یہ مضمون چودھری محمد شریف صاحب فاضل انچارج احمدیہ مشن بلاد عربیہ نے انہیں دنوں ترجمہ کرکے عربی ممالک میں بکثرت شائع کیا تھا۔

[2] ملخصاً از الفضل یکم تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔

[3] مولوی صاحب موصوف کو اس کے بعد بھی شاہ معظم سے اسی سال دو بار ملاقات کا موقعہ ملا۔ یہ ملاقاتیں حضرت مصلح موعودؓ کے مسئلہ فلسطین سے متعلق مطبوعہ عربی ٹریکٹ پیش کرنے کی غرض سے تھیں۔

السید محمد نزال العرموطی ورئیس دیوان قاضی القضاۃ ورئیس ندوہ عربیہ عمان) السید سلیمان عدیدی (مالک و مدیر مجلہ "الیقظہ") محمد تیسیر ظبیان (ہیڈ ماسٹر مدرسہ علوم اسلامیہ مالک و مدیر اخبار "الجزیرہ") انیس خلیل نصر (مدیر "الاردن") السید صبحی القطب (مالک و مدیر جریدہ "النسر") الشیخ عبداللہ الرباح (شرعی وکیل) الاستاذ خیری الحماد (اسسٹنٹ ڈائریکٹر وکالۃ الانباء العربیہ۔ عرب نیوز ایجنسی۔) السید جودت الخطیب (آفیسر محکمہ پاسپورٹ اردن) السید عمر خلیل المعانی (ایڈووکیٹ عمان) السید واصف فخرالدین (استاذ اسلامیہ کالج عمان)

بعض اہم تاثرات کا عربی متن مع اردو ترجمہ کے ذیل میں سپرد قلم کیا جاتا ہے:۔

۱۔ صاحب المعالی فوزی باشا ملقی وزیر خارجیۃ المملکۃ الاردنیۃ الھاشمیہ:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَرَّنِیْ وَاللہِ لِقَاءُ الْمُسْلِمِ الْغَیُوْرِ رَشِیْد اَحْمَد جُغْتَائی الاحمدی وَ اَکْبَرْتُ فِیْہِ رَغْبَۃً صَادِقَۃً فِیْ تَحْقِیْقِ مَبَادِیٔ رَفِیْعَۃٍ یَعْتَقِدُ اَنَّھَا خَیْر مَا یُقَدَّمُ لِلنَّاسِ فِیْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِھَا وَاِنَّ الْاِخْلَاصَ لِلْعَقِیْدَۃِ الَّتِیْ تَعْمُرُ فُؤَادَہٗ بَعَثَ بِہٖ اِلَی الْاَقْطَارِ الْمُخْتَلِفَۃِ بَعِیْدًا عَنْ اَھْلِہٖ وَ وَطَنِہٖ فِیْ سَبِیْلِ الدَّعْوَۃِ الَّتِیْ تَعْتَبِرُ الْعَالَمَ کُلَّہٗ وَطَنًا وَاحِدًا وَالْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا اَھْلًا لَہٗ وَ سُکَّانًا حَفِظَہُ اللہُ وَ اَبْقَاہُ

" ۳۱/۷/۱۹۴۸ فوزی ملقی

ہز ایکسی لنسی فوزی پاشا ملقی وزیر خارجہ مملکت اردنیہ ہاشمیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدا ایک غیور مسلمان عالم مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی سے ملاقات کرکے مجھے علیٰ درجہ مسرت حاصل ہوئی ہے۔ ان کی اس سچی تڑپ سے بھی بہت متاثر ہوا ہوں جو وہ اپنے دل میں اُن بہترین اور عظیم الشان اصولوں اور تعلیم کو لوگوں میں قائم اور راسخ کرنے کے واسطے موجود پاتے ہیں اور جس کے بارہ میں آپ کا اعتقاد ہے کہ یہی وہ بہترین چیز ہے جسے دُنیا کے

مشارق و مغارب میں ہر جگہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جانا چاہئیے۔ وہ عقیدہ کہ جس سے اُن کا دل معمور ہے اور وہ پیغام جو تمام دنیا جہاں کے جُملہ ممالک کو گویا ایک ہی وطن تصور کرتا ہے اس سے والہانہ اخلاص ہی نے آپ کو اپنے وطن اور اہل و عیال سے دُور مختلف ممالک میں پہنچا دیا ہے۔ آپ کے خیر مقدم اور بہتر قیام کی نیک خواہش کے ساتھ ہی میری دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کو لمبی عمر بخشے۔ آمین۔

۳۱ جولائی ۱۹۴۸ء — فوزی ملقی

وزیر خارجہ مملکۂ اُردنیہ ہاشمیہ

۲۔ صاحب المعالی سعید باشا المفتی

وزیر الداخلیۃ للمملکۃ الاردنیۃ الهاشمیۃ

" بَارَكَ اللّٰهُ بِالسَّيِّدِ رشيد احمد الجغتائي وَ بِأَمْثَالِهِ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ لِخَيْرِ الْإِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ. لَهُمْ بِذٰلِكَ اَجْرُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ۔

عمان — سعيد المفتي

١٤/٢/١٩٤٩ — وزير الداخلية للمملكة الاردنيه الهاشمية"

ہز ایکسی لنسی سعید پاشا المفتی

وزیر داخلہ شرق الاردن

" اللہ تعالیٰ اپنی برکات و افضال مخزم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی اور آپ جیسے مبلغین اسلام پر نازل فرمائے کہ جو دین حنیف اسلام کی بھلائی اور بہتری کے واسطے سرگرم عمل ہیں۔ یقیناً دُنیا و آخرت میں انہیں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔

عمان — سعید المفتی

۱۴ر فروری ۱۹۴۹ء — وزیر داخلہ مملکت اردنیہ ہاشمیہ "

٣- صاحب السعادة عبد الله النجار القائم بأعمال المفوضية اللبنانية بعمان

"النَّاسُ أَعْدَاءُ مَا جَهِلُوا - لِذَٰلِكَ نَرْجُوا أَنْ يَفْهَمَ الْعَالَمُ وَلَا سِيَّمَا الْغَرْبِيُّ مِنْهُ حَقِيقَةَ الْإِسْلَامِ. فَيَقْوَى التَّآخِي بَيْنَ الْأَقْوَامِ عَلَى يَدِ الْمُبَشِّرِينَ الْمُخْلِصِينَ أَمْثَالَ الْمُبَشِّرِ الْإِسْلَامِيِّ السَّيِّدِ رشيد احمد جغتائی الاحمدی الَّذِی تَفَضَّلَ بِزِيَارَتِی وَحَدَّثَنِی بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ."

عبد الله النجار

١٧/ ٧/ ١٩٤٨ القائم بأعمال المفوضية الجمهورية اللبنانية

بعمان

عمان میں جمہوریہ لبنانیہ کے سفیر ہز ایکسی لنسی عبد اللہ النجار

لوگ لاعلمی اور نا واقفیت کے باعث ایک دوسرے سے دشمنی رکھتے ہیں۔ سو ہماری تمنا ہے کہ مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی ـــــ جنہوں نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا اور فصیح و بلیغ عربی زبان میں مجھ سے گفتگو کی ـــــ نیز آپ جیسے مخلص مبلغین کرام کے ہاتھوں تمام جہاں بالخصوص مغربی دنیا حقیقتِ اسلام کو سمجھ لے جس کے نتیجہ میں قوموں کے درمیان محبت و اخوت کو تقویت حاصل ہو۔

عبد اللہ النجار

قائم باعمال المفوضیہ و سفارت خانہ لبنانیہ

١٧/ ٧/ ١٩٤٨ عمان

۴- مفتی الدیار الأردنیة

فضیلة الشیخ الأستاذ محمد فال البیضاوی الشنقیطی

"شَاءَ الْحَظُّ أَنْ يُصَادِفَ نِي بِلِقَاءِ الْأُسْتَاذِ السَّيِّدِ رشيد احمد جغتائي الأحمدي

المُبَشِّرُ بِالدِّيْنِ الإِسْلَامِيِّ فِي البُلْدَانِ الأَجْنَبِيَّةِ فَوَجَدْتُهُ مِثَالاً لِلْكَمَالِ وَاللُّطْفِ وَالأَدَبِ الإِسْلَامِيِّ وَأَبَى إِلَّا أَنْ أُثْبِتَ لِتَوَاضُعِهِ الرَّغْبَةَ فِي أَنْ أُدَوِّنَ فِي دَفْتَرِهِ هٰذَا المُبَارَكِ أَسْمِيْ فَهَا أَنَا أُسَجِّلُهُ شَاكِرًا لَهُ جُهْدَهُ فِي نَشْرِ الأِسْلَامِ سَائِلاً لَهُ التَّوْفِيْقَ مِنَ اللهِ تَعَالَى وَالعَوْنَ عَلَى مُهِمَّتِهِ.

عمّان

۷ رجب ۱۳٦۷ - ۱۵/ ۵/ ۱۹٤۸

مفتي الديار الأردنية

محمد فال البيضاوي الشنقيطي

مفتی اعظم مملکت اردنیہ ہاشمیہ حضرت فضیلت مآب شیخ محمد فال بیضاوی شنقیطی

میری خوش نصیبی نے مجھے غیر ممالک میں فریضۂ تبلیغ بجا لانے والے مبلّغ اسلام مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی احمدی سے ملاقات کی سعادت بخشی۔ مَیں نے آپ کو کمال، لطف اور ادب اسلامی میں مثالی شخصیت پایا ہے۔ آپ کی خواہش کے مطابق مَیں آپ کے اس رجسٹر میں اپنا نام درج کرتے ہوئے اشاعتِ اسلام کے لئے آپ کی مساعی کو قدر و شکریہ کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کی جد و جہد میں آپ کا معین و مددگار ہو اور بہتر طور پر اس خدمت کو سرانجام دیتے رہنے کی توفیق بخشتا رہے۔ آمین۔

مفتی اُردن

محمد فال بیضاوی شنقیطی

عمّان۔ ۷ رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء

فصل دوم

افتتاحِ ربوہ کے بعد نئی بستی کی آبادی

اور

تعمیر کے ابتدائی انتظامات

خلیفۃ الرسول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اگر عراق میں کوفہ، بصرہ، موصل اور مصر میں فسطاط جیسے بڑے بڑے شہر بسائے تو سیدنا حضرت فضل عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں سندھ میں مختلف گاؤں آباد کرنے کے علاوہ اپنے دستِ مبارک سے ۲۰ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو جماعتِ احمدیہ کے نئے عالمی مرکز ـــــ ربوہ ـــــ کی بنیاد رکھی اور حوادث کی آندھیوں اور مخالفت کے طوفانوں میں سے گذرتے ہوئے اپنی نیم شبی دعاؤں، حیرت انگیز ذہانت، بے مثال مدبرانہ قابلیت، صلاحیت اور انتہا درجہ کی مشقت و جانفشانی سے ایک لق و دق صحرا کو ایک بارونق شہر میں بدل ڈالا جس سے دنیا کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

مرکز ربوہ کا قیام حضرت مصلح موعودؓ کا ایک نہایت شاندار، عدیم النظیر اور زندہ و تابندہ کارنامہ ہے، جو رہتی دنیا تک مشہورِ عالم رہے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ واقعات میں اس کا سلسلہ وار تذکرہ کیا جائے تا اس کی تدریجی ترقی کے مختلف مراحل و ادوار پر مفصل روشنی پڑ سکے۔

اس فصل میں ان ابتدائی انتظامات کا بیان مقصود ہے جو بستی کی بنیاد سے لیکر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کے آخر تک اس کی آبادی اور عارضی اور کچے مکانات کی تعمیر کے لئے عمل میں لائے گئے۔

ربوہ میں مرکزی دفاتر کا اجراء

ربوہ کی افتتاحی تقریب کا ذکر پچھلی جلد میں آچکا ہے۔ افتتاحِ ربوہ کے بعد چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے منتظم اعلیٰ نے بابو فضل دین صاحب اوورسیر اور دیگر احباب کے مشورہ سے اس مقدس مقام کو جہاں حضرت امیر المومنین المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے پہلی نماز ادا فرمائی تھی مرکز قرار دے کر اس کے چاروں طرف خیمے اور چھولداریاں نصب کرا دیں[1] جن میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریک جدید دونوں اداروں کے دفاتر نئے مرکز میں کھُل

[1] حاشیہ صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ ہو۔

گئے اور بیرونی دُنیا سے اُس کا سلسلہ مراسلت بھی چنیوٹ کے پتہ پر جاری کر دیا گیا۔

۲۷ ماہ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے دفتر بیت المال کو بھی ربوہ بھجوانے کی ہدایت دے دی گئی نیز یہ کہ آئندہ خط وکتابت ربوہ کے پتہ پر ہو۔ دفتر بیت المال کی نقل مکانی کے جلد بعد دفتر محاسب بھی قائم ہو گیا بلکہ دفتر حفاظتِ مرکز کے سوا اکثر مرکزی دفاتر نے ربوہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔

خیموں کی از سرِ نو تنصیب

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ہدایت پر ۲۶ ماہ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو ربوہ کے خیمے دوبارہ نصب کئے گئے۔ اس نئی ترتیب کے مطابق خیموں کا نقشہ یہ تھا۔

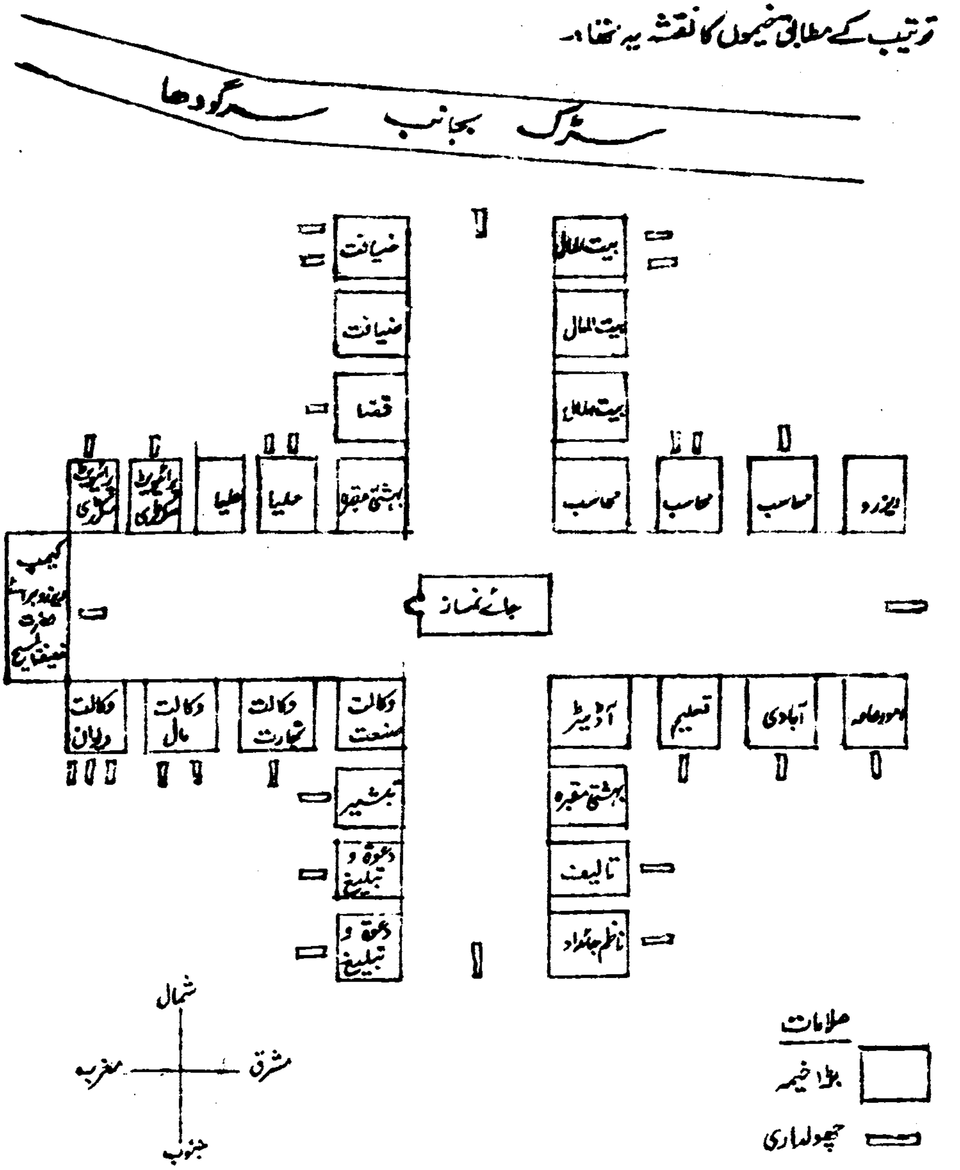

ربوہ کے خیمہ نشینوں کے لیل و نہار اور اُن کی مشکلات پر ایک نظر

سلسلہ کے وہ ایثار پیشہ اور مخلص خدام جو مرکزِ احمدیت کی ابتدائی داغ بیل اور آبادی کے لئے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں دُھونی رما کے بیٹھ گئے تھے کئی ماہ تک مشکلات کے ہجوم میں گھرے رہے۔

ذیل میں ہم اُس دَور کے دو خطوط کا ملخص درج کرتے ہیں جس سے ان کی مشکلات کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے:-

۱- چودھری عبدالسلام صاحب اختر نے ۲۱ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو جناب ناظر اعلیٰ صاحب کی خدمت میں لکھا اس وقت سب سے بڑی دقت پانی کی ہے۔ نلکہ یہاں سے تقریباً پون میل کے فاصلہ پر ہے اور پانی دھوپ میں لانے کے لئے سخت پریشانی ہوتی ہے۔ ربوہ کی ڈاک پوسٹ ماسٹر چنیوٹ کی معرفت آنی چاہیئے۔ الفضل چنیوٹ ایجنسی کے ذریعہ بھیجا جائے۔ طبی انتظام کے لئے یہاں ایک کمپاؤنڈر کی اور روشنی کے لئے کم از کم دس عدد لالٹینوں کی ضرورت ہے (ملخص)[1]

۲- چودھری عبدالباری صاحب نائب ناظر بیت المال نے ۲۵ تبوک/ستمبر کو ناظر اعلیٰ صاحب کے نام ایک چٹھی میں لکھا کہ یہاں حالت یہ ہے کہ ایک کے بعد دوسرا بیمار پڑ رہا ہے۔ کوئی طبی امداد نہیں۔ یہاں کل نفری ۲۵ سے زائد نہیں۔ لیکن اس میں سے بھی پانچ چھ بیمار ہیں۔ ہمارے اوورسیر بھی بیمار ہو گئے ہیں۔ ان کا علاج کرنے والا کوئی نہیں۔ سروے کا کام ہو تو رہا ہے لیکن ذرا سست ہی ہے۔ کل شام سے تیز ہوا چل رہی ہے۔ شاید ابھی دس دن اَور لگیں کہ کام ختم ہو۔ چودھری سلطان احمد صاحب بسرا نے چار صد بوری گندم خرید لی ہے۔ ربوہ میں جگہ نہیں اس لئے مجبوراً احمد نگر رکھی جائے گی۔ کل یہاں

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۹) ۲۸ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء تک صدر انجمن احمدیہ کے ۲۵ خیمے اور ۲۵ چھولداریاں نصب کی جا چکی تھیں جن میں سے چار قیمتاً خریدی گئی تھیں۔ بقیہ کی تفصیل یہ ہے:- ۵ خیمے کارخانہ اُلّہ دِتّہ محمد دین صاحب لاہور سے چالیس روپے ماہوار کرایہ پر، ۱۶ چھولداریاں ۱۲ روپے ماہوار کرایہ پر اور ۵ چھولداریاں ۱۰ روپے ماہوار کرایہ پر شیخ علی احمد اینڈ سنز لاہور سے دو ماہ کے لئے حاصل کی گئی تھیں۔ ان خیموں اور چھولداریوں کی میعاد ۱۸ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء تک ختم ہوتی تھی جس سے چار روز قبل حضور نے (۱۴ ماہ نبوت/نومبر کو) ارشاد فرمایا کہ سوائے دفتر کے خیموں کے باقی خیموں کا کرایہ لیا جائے۔ دو ماہ کے بعد جتنے دن زائد لگیں گے ان کا کرایہ خیمہ میں رہنے والوں سے لیا جائے گا۔ نیز فرمایا کہ انہیں پہلے اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ چھپر وغیرہ بنا لیں اور ان میں رہیں۔

[1] فائل انتظام آبادی و فراہمی سامان

پر شدید آندھی آئی جس نے نہ خیمے چھوڑے اور نہ باقی چیزیں (ملخصاً)[1]

تعمیر مرکز کیلئے حضرت مصلح موعودؓ کا والہانہ شوق

حضرت مصلح موعودؓ کی ابتداء ہی سے زبردست خواہش اور بے پناہ تڑپ تھی کہ نئے مرکز کی عارضی تعمیرات کا سلسلہ جلد شروع ہو اور آپ اس میں فی الفور منتقل ہو کر اس کی مستقل آبادی کا بندوبست اپنی نگرانی میں انجام دیں چونکہ احمدیت کی مخالف جماعتیں قیام مرکز کے منصوبہ کو ناکام بنانے پر تلی ہوئی تھیں اور درپردہ سازشوں کا گویا جال بچھا ہوا تھا اس لئے افتتاح ربوہ کے بعد حضور کا یہ والہانہ شوق فکرمندی، بیقراری اور تشویش میں بدل گیا اور آپ آٹھوں پہر اس کے لئے بے چین رہنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں حضور کی صدارت میں رتن باغ کے اندر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے افسروں کی مشاورتی مجلس میں جو معاملات زیر غور آتے تھے ان میں تعمیر ربوہ کے مسئلہ کو مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور حضرت امیرالمومنینؓ کی خصوصی توجہ اور انہماک کا تو یہ عالم تھا کہ حضور انور اس بارے میں اس طرح جزئیات و تفصیلات تک میں رہنمائی فرماتے کہ اہل مجلس دنگ رہ جاتے۔

مثلاً افتتاح ربوہ کے تیسرے روز ۲۲ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو حضور نے جو مفصل ہدایات دیں ان کا ملخص مشاورتی مجلس کے ریکارڈ میں حسب ذیل الفاظ میں درج ہے:۔

"اختر صاحب[2] سے مل کر ۱۴'، ۱۶'، ۱۸'، ۲۰'، ۲۲' اور ۲۴' کی جس قدر ریلیں[3] مل سکیں لینے کی کوشش کی جائے اور اختر صاحب کو کہا جائے کہ جلد کوشش کریں"

"فی الحال ایک کمرہ ۱۲' × ۱۴' × ۱۳' کے چھ صد (۶۰۰) مکانات بنوالئے جائیں جن میں سے دو صد (۲۰۰) ادنیٰ قسم کے (کچے) اور چار صد (۴۰۰) اعلیٰ (پکے) مکانات بنوالئے جائیں۔ ان کا موٹا اندازہ یہ ہوگا:۔

ادنیٰ مکانات:	لکڑی کے گولے	۲۵۰۰
	کھڑکیوں وغیرہ کے لئے	۸۰۰۰
اعلیٰ مکانات:	گیلی دو ہزار دیار یا کیل	۴۰۰۰

---

[1] اصل چٹھی "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ میں محفوظ ہے۔

[2] میاں غلام محمد صاحب اختر مراد ہیں جو اُن دنوں ریلوے کے اعلیٰ افسر تھے۔

[3] یعنی لوہے کے گارڈر۔

بالے اٹھارہ ہزار	۲۷۰۰۰
ریل آٹھ صد ۱۲ فٹ	۱۲۰۰۰
دروازوں وغیرہ کی بنوائی	۲۳۰۰۰
پیچ قبضے وغیرہ	۸۰۰۰
روغن	۳۲۰۰
چنائی چھ صد مکانات	۲۸۰۰۰
دیواریں وغیرہ	۲۵۰۰۰
متفرق	۹۰۰۰
	۱۸۵۷۰۰ روپے

ان سب کاموں کے لئے آدمی مقرر کر دیں جو اُن کا انتظام کریں اور اپنا اسٹیمیٹ بنائیں۔ ہر کمرہ میں ایک دروازہ، دو کھڑکیاں اور دو الماریاں اور تین روشندان ہوں گے۔ سب سے پہلے کچھ ماڈل مکانات بنائے جائیں۔ نیز انجمن، ناظروں اور نائب ناظروں کے لئے بھی مکانات بنوائے اور اُن کے نقشے تیار کئے جائیں۔ ان کا کرایہ اُن سے لیا جائے گا۔

سیمنٹ کی تین ہزار بوریاں خرید لی جائیں جو چنیوٹ میں رکھی جائیں۔ کچی اینٹوں کی تیاری فوراً شروع کی جائے اور پکی کے لئے پانچ لاکھ کا بھٹہ تیار کیا جائے۔

جامع مسجد کے لئے کم از کم ۷۰ کنال زمین رکھی جائے۔

قادیان خط لکھ کر مسجد مبارک و مسجد اقصیٰ کی پیمائش منگوائی جائے

زمین کے لئے روزانہ اخبار میں چوکھٹوں کی صورت میں اعلان ہو اور لوگوں کو LEASE کے متعلق دوسرے شہروں لندن۔ امریکہ۔ افریقہ وغیرہ کی مثالیں دے کر توجہ دلائی جائے کہ آجکل یہی دستور ہے اور یہی فائدہ مند صورت ہے۔

سروے جو ہو اس کے متعلق ہدایت ہو کہ ہر سو فٹ پر دیکھا جائے کہ ریلوے لائن اور سڑک کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔"

" مکان کا نقشہ فوراً تجویز ہونا چاہیئے۔ ہمیں ایسا نقشہ چاہیئے جس کا ایک پارٹ بنے اور

اُس کی آگے تکمیل ہو۔ پھر ہم نے اس میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ کس طرح خرچ کم کیا جائے۔
پرائمری سکول فوراً ہمارے جاتے ہی شروع ہو جائے جس دن جائیں اسی دن سکول شروع ہو جائے۔ گاڑی، ریل تو فوراً جمع ہونی چاہیئے۔ اگر یہ جمع ہو جائیں تو کام شروع ہو سکتا ہے فوراً نام وار فہرست بنا کر مجھے دیں کہ فلاں عملے کے لئے کتنے مکان چاہئیں"

" یہ بھی دیکھا جائے کہ کچے مکان وہاں رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر رہ سکتے ہوں تو کچے مکان بنا لئے جائیں کیونکہ پانچ سات مکانات کا بنا کر توڑنا مشکل نہیں اس حالت سے جو اَب ہے"

" وکیل المال کے دونوں افسروں میں سے ایک وہاں فوراً جائے تاکہ روپیہ وصول ہو سکے۔ وہاں ڈاک خانہ والوں کو لکھنا چاہیئے جس میں عزیز احمد کو اتھارٹی ہو۔

فوراً ایک افسر اور کلرک تحریک وکیل المال وہاں جائے جب تک ذمہ دار افسر نہیں جائیں گے، کام نہیں ہوگا۔ شہروں اور قوموں کی آبادی بغیر تکلیف کے نہیں ہوتی۔[1]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا مکتوب حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ربوہ کے انتظامات سے متعلق حسب ذیل مکتوب لکھا:-

" قیام مرکز ربوہ کے کام کو سرسری نظر سے دیکھنے پر مجھے احساس ہوا ہے کہ یہ کام کسی اچھی تنظیم کے ماتحت نہیں چل رہا اور تقسیم کار بھی درست نہیں ہے۔ کام کے ایک حصّہ کے متعلق جو کمیٹی بنائی گئی ہے اس کا کام صرف اتنا تجویز کیا گیا ہے کہ وہ ضروری اطلاعات مہیّا کرے۔ درخواست ہائے خرید اراضی کا کام بھی امور عامہ سے تو لے لیا گیا ہے مگر ابھی تک کسی اَور کے سپرد نہیں ہوا۔ میرے خیال میں بہتر ہوگا کہ قیام مرکز کے تعلق میں مختلف قسم کے کاموں کی تعیین کر کے پھر انہیں مختلف ذمہ دار افسروں کے سپرد کر دیا جائے اور بعض افسروں کے ساتھ مشورہ کے لئے کمیٹیاں بھی مقرر کر دی جائیں۔ موجودہ صورت میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے جس کے نتیجہ میں کام کا بھی نقصان ہو رہا ہے۔ جو کام میرے ذہن میں آئے ہیں اُن کا نقشہ ذیل میں درج کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ اگر حضور اسے منظور فرمائیں تو پھر ان

---

[1] رجسٹر مشاورتی مجلس (رتن باغ لاہور)

کاموں کے متعلق ہدایت فرماویں کہ کس کس کے سپرد ہوں۔

(۱) فروخت و تقسیم قطعات

(۲) مفت تقسیم ہونے والے قطعات کی تقسیم

(۳) نقشہ آبادی کی تیاری اور اس کے متعلق حکومت سے منظوری حاصل کرنا۔

(۴) آبادی میں مجموعی ڈرینیج کا انتظام

(۵) جماعتی عمارتوں (مساجد، مہمان خانہ، دفاتر وغیرہ) کا نقشہ تجویز کرنا اور ان عمارتوں کی تیاری

(۶) پرائیویٹ عمارتوں کے نقشہ کی منظوری

(۷) دکانوں اور کارخانوں کے لئے قطعات تجویز کرنا۔

(۸) عمارتی سامانوں کے متعلق ضروری اطلاعات مہیا کرنا اور بعد منظوری بعض چیزوں کا مشترکہ انتظام کرنا

(۹) ربوہ کے لئے اسٹیشن اور ڈاکخانہ اور تارگھر اور ٹیلیفون ایکسچینج وغیرہ کا حکومت کے ذریعہ انتظام کروانا۔

(۱۰) آبادی کے لئے بجلی و پانی کا مجموعی انتظام تجویز کرنا

(۱۱) جماعتی ضروریات کے لئے اجناس خور و نوش وایندھن وتیل وغیرہ کی فراہمی

(۱۲) صدرانجمن وتحریک جدید کے دفتروں و اداروں کے منتقل کرنے کا انتظام

(۱۳) قیمت قطعاتِ اراضی کی وصولی

(۱۴) نئی آبادی میں اجناس اور لیبر کے ریٹوں کو کنٹرول میں رکھنے کا انتظام

(۱۵) پہرے اور حفاظت کا انتظام

اگر حضور ان کے متعلق فیصلہ فرماویں تو انشاء اللہ کام میں سہولت رہے گی اور اس میں حرج نہیں کہ ایک ایک آدمی کے سپرد ایک سے زیادہ شعبے ہوں اور پھر ان سب افسروں کی ایک مشترکہ کمیٹی ہو جو حضور کی ہدایت کے ماتحت کام کرے۔

والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد

۴۸-۱۰-۳

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے راہنما اصولوں کی تعیین

اس مکتوب پر حضرت سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴ر اور ۶ر اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو شہر کی آبادی کے لئے نہایت اہم راہنما اصول تجویز فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:-

۱۔ فروخت کا سوال نہیں جو کمیٹی بنائی گئی ہے تقسیم قطعات کے متعلق اُن اصولوں کے مطابق فیصلہ کرے گی جو شائع ہو چکے ہیں یا آئندہ بنائے جائیں گے۔ اس کا انچارج اور وہ سیکرٹری ہو گا۔ اس کے متعلق اصول یہ ہونا چاہیئے

(ا) جس ترتیب سے روپیہ آتا ہے اسی کے مطابق قطعات دیئے جائیں۔ جو روپیہ پہلے دیتا ہے اُس کا پہلے حق ہے۔

(ب) دوسرا اگر قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے کہ جو شخص جنت میں اعلیٰ مقام قُرب کا حاصل کرتا ہے تو اُس کے قریبی رشتہ دار بھی انعام کے طور پر قریب رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی جو شخص پہلے روپیہ دے تو اُس کے قریبی رشتہ داروں کو اس کے قریب رکھنے کی رعایت دی جا سکے گی۔ بشرطیکہ اس کی وجہ سے کسی کا حق نہ مارا جائے اور سلسلہ کا نقصان نہ ہو۔

(ج) انجمن اور تحریک کی عمارتوں کو مقدم رکھا جاوے۔

(د) جس شخص کو زمین ملے اس کے کاروبار کے لئے بھی قریب کی زمین رکھی جاوے۔ مثلاً دکان کا قریب بنانا۔ اس بات کی اہمیت رکھی جائے گی۔ اس دلیل کو بہ نسبت دوسری بات کے زیادہ مانا جائے گا بشرطیکہ وہ دوکان اپنی ذات میں مضر نہ ہو۔ جس چیز میں ہماری پالیسی اس کے خلاف ہو گی اُس میں اُس کا یہ حق نہ ہو گا یا کیریکٹر کے لحاظ سے۔ اسی طرح کوئی دوسرا کام جو معیشت سے تعلق رکھتا ہو مثلاً دفتر، کارخانہ۔ اِس صورت میں بھی اس کی مرضی کا خیال رکھا جائے گا لیکن سلسلہ کی ضرورت مقدم ہو گی۔

۲۔ مُفت تقسیم کے لئے بھی کچھ اصول پہلے مقرر کئے جائیں۔ مثلاً

(ا) غرباء اور جن کے ذاتی مکان قادیان میں تھے۔

(ب) مختلف پیشہ وروں کو مدنظر رکھا جائے۔ زمین[1] میں سمجھی جائے گی لیکن مقدم رکھیں گے مکان والے کو کیونکہ زمین والا اس پلاٹ کے بغیر کہیں رہ رہا ہے۔

(ج) غریب جو قادیان میں رہتا تھا۔

---

[1] نقل مطابق اصل۔

(د) جس کا مکان یا پلاٹ قادیان میں تھا۔

(ہ) محلہ مسجد مبارک کے ہمارے قبضہ میں ہونے سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس حلقہ میں کسی کے مکان یا پلاٹ کا ہونا اس کے حق کو باطل کر دے گا۔

(و) پلاٹ اگر کم ہو جائیں تو مکان والے کو مقدم رکھا جائے گا بشرطیکہ پیشہ وروں کی تقسیم کے لحاظ سے خالی زمین والے کو اہمیت حاصل نہ ہو۔

(مثلاً پیشے یہ ہو سکتے ہیں۔ نائی ، دھوبی ، درزی ، لیبرر ، سقہ ، موچی ، ترکھان ، لوہار ، معمار ، قلعی گر ، سُنار ، رنگریز ، پینجا ، جولاہا ، تیلی

۳۔ نقشہ جات کی تیاری کا کام اوورسیئر کا ہے۔ حکومت سے متعلقہ سارے کام نواب محمد دین صاحب کریں گے۔ اس وقت نقشہ کا کام عبدالباری کے سپرد ہے ، اسی کو رکھئے۔

۴۔ اوورسیئر۔ اس کی منظوری گورنمنٹ نے دینی ہے۔

۵۔ جہاں تک نقشہ کی تیاری کا سوال ہے یہ اوورسیئر کا کام ہے۔ باقی اس کی منظوری کمیٹی دے گی۔

ا۔ ایک کمیٹی بنائی جائے جو تمام عمارتی اور تعمیری کاموں کی مد دے رپورٹ۔ اسٹیمیٹ اور بجٹ اوورسیئر سے لے کر فیصلہ کرے گی۔

ب۔ وہ کمیٹی اپنی ساری رپورٹ مکمل کر کے میرے پاس آخری منظوری کے لئے بھیجے گی کیونکہ روپیہ تو میرے ہاتھ میں ہے۔

۶۔ پرائیویٹ مکانوں کے نقشہ جات کی منظوری بھی وہی کمیٹی دے جو انجمن کے نقشے منظور کرے گی۔ ہر نقشہ اوورسیئر کے پاس جائے اور وہ کمیٹی میں بھجوائے۔

اس کے لئے بھی کچھ اصول ہوں۔ مثلاً گورنمنٹ میں یہ اصول ہے کہ اونچائی اتنی ہو۔ اور منفذ[1] کا ٹوٹل کمرے کے ٹوٹل سے کیا نسبت رکھتا ہو۔ مثلاً اس کی شرط یہ ہوتی ہے کہ منفذ کا ٹوٹل کمرے کے ٹوٹل کا $\frac{1}{4}$ ہو۔

دو منزلہ مکان کے متعلق کچھ اصول ہوں۔ اس کی کھڑکیوں کے متعلق (یہ) ہو کہ دوسرے کی طرف کھڑکی نہ ہو۔ مشترکہ دیواروں کے متعلق کہ اگر کوئی شخص کسی کو دیوار کے استعمال کی اجازت دیتا ہے تو پھر اس کی مرمت کا حق بھی اسے حاصل ہوگا۔

---

[1] روشندان (فرہنگ عامرہ)

صحن وغیرہ اور پانی کے نکاس کے متعلق حد بندی کر دی جائے۔

نالیاں نقشہ میں ضرور دکھائی جائیں۔ جو نالیاں اور پرنالے نقشہ میں نہ دکھائے جائیں وہ بند کرنے پڑیں گے۔

پرنالہ کی قسم ہونی چاہیئے اور اس کے متعلق اصول ہو کہ جس کے گھر کا پرنالہ ہو اسی کو اس کی آواز سُننی چاہیئے، دوسرے کو نہیں یا یہ کہ جس حد تک ہمسایہ اجازت دے دے۔

اس کمیٹی کا فرض یہ ہوگا کہ نگرانی کرے کہ اس قسم کی کوئی حرکت نہ ہو جس سے ہمسایہ کو نقصان پہنچے۔

ان قواعد کو چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کیا جائے بلکہ امتحان لیا جائے تاکہ اجازت لینے والا پھنس نہ جائے اصل غرض ان قواعد کی یہ ہوتی ہے کہ لوگ کسی کے محتاج نہ ہوں۔

۷۔ یہ کمیٹی بھی الگ ہونی چاہیئے۔ اس میں امور عامہ، ناظر تعلیم و تربیت، ہر محلہ کا پریذیڈنٹ اور وکیل الصنعت ہو۔

دوکانات کی تجویز بھی اہم سوال ہے۔ اس کے متعلق ایک باڈی بن جائے کہ کس قسم کی کتنی دوکانیں ہوں۔

بازار کی پوزیشن کے متعلق بھی غور ہو کہ کس جگہ بنایا جائے۔ ایک سیدھا بازار بنانا ہے یا کئی شاخوں میں۔ کس کس قسم کی دوکانیں ہوں۔

منڈیوں کے متعلق۔ غلہ منڈی، سبزی منڈی۔ ایندھن کی منڈی، گوشت کی منڈی۔

۸۔ میرے خیال میں ہر چیز ایک حد تک مشترکہ ہونی چاہیئے۔ اگر گاہک آئے تو اس کو دے دیں ورنہ اپنی ضرورت پر استعمال کریں۔ لیکن دروازے اور کھڑکی کا ماڈل بنوا لیا جائے تا اس کے مطابق سب چیزیں آجائیں۔

مثلاً دروازہ ۶'۳/۴ × ۴' کھڑکی ۴' × ۳'

اوورسیئر کے ساتھ ایک ڈرافسمین بھی رکھا جائے۔ اس کے متعلق اخبار میں اشتہار دیا جائے۔ تنخواہ کے متعلق کنجوسی نہ کی جائے۔ گورنمنٹ کا قانون ہے کہ جسے عارضی طور پر لیا جائے اس کو اصل ریٹ پر ۲۵ ٪ زیادہ دیتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو آپ اس سے بھی زیادہ دے سکتے ہیں۔

ربوہ میں ایک آدمی نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں کو یہاں بیٹھنا پسند ہے تو وہاں ایک شیڈو انجمن بنائی جائے بہرحال جب تک انجمن نہیں جاتی وہاں کوئی کام نہیں ہوگا۔

میرے خیال میں یہ بوجھ سلسلہ اُٹھائے کہ سامان لانے کے لئے لاری یا ابتداء میں ایک سائیکل والی گاڑی

رکھ لی جائے اور ایک آدمی مقرر کر لیا جائے جو ہر گھر سے روزانہ پوچھ کر سودا لایا کرے۔

ایک ٹریکٹر فوراً لیا جائے۔ اس کا ابھی آرڈر دیا جائے۔ 4-D MODEL لیا جائے۔ شیخ نور الحق کے ذریعہ منگوا لیا جائے۔ یہ ابھی وہاں چلا جائے اور کام شروع ہو جائے۔

دو چار کشتیوں کا بھی انتظام ہونا چاہیئے تا کہ اگر پُل پر ملٹری قبضہ کرے تو ہم انہیں استعمال کر سکیں۔

ارد گرد سے پٹھانوں کو جمع کرنے کے لئے ایک آدمی مقرر کیا جائے جو اُن سے کچّی دیواروں کے تیار کرنے کے لئے معاہدہ کرے۔

کسی مقامی آدمی کو مقرر کر کے سینگا منگوایا جائے جو پانی کی تلاش کرے۔

(مؤرخہ ۶/ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء)

۹۔ امورِ عامہ کے ساتھ اِس کا تعلق ہے۔[۱]

۱۰۔ پانی، بجلی کے لئے اعجاز نصر اللہ کو مقرر کیا جائے۔ یہ مجھ سے مشورہ لیں۔

۱۱۔ اجناس خورد و نوش کے مہیا کرنے کے لئے خواجہ محمد امین کو بلا لیا جائے اور ان کا افسر میاں عبد اللہ خاں صاحب کو مقرر کیا جائے۔

۱۲۔ دفاتر تحریک و صدر انجمن کے منتقل کرنے کا کام ناظر اعلیٰ کے سپرد کیا جائے۔

۱۳۔ روپیہ کی وصولی محاسب یا بیت المال کے سپرد ہو گی۔

۱۴۔ لیبر کا کنٹرول اُسی کا ہو گا جو انجنیئر مقرر ہو گا اور اجناس کا کنٹرول اسی کے پاس ہو گا جو اجناس کا افسر مقرر ہو گا۔

۱۵۔ پہرہ وغیرہ کے انتظام کے لئے وہاں ایک ٹاؤن پریذیڈنٹ کے طور پر مقرر کرو۔ وہی سب کام کرے گا۔ عبد السلام اختر کو مقرر کرو اور سب کو آرڈر کر دو کہ کام میں ان کی مدد کریں۔ ان کو بھی لکھا جائے کہ دوسرے کاموں میں ہرج نہ ہو۔

چھ پہریدار رکھ لئے جائیں۔ جو ریفیوجیز میں سے آسانی سے مل سکتے ہیں۔ پھیرو چیچی کے حشمت علی کا لڑکا آیا تھا اس کو رکھ لیا جائے۔

---

[۱] یعنی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تجویز ۹ کا جو گورنمنٹ سے اسٹیشن اور ڈاک خانہ وغیرہ کا انتظام کرانے کے بارہ میں تھی۔

ہرکام کے لئے نگرانوں کا تقرر

حضرت مصلح موعودؓ کی مندرجہ بالا اصولی ہدایات کی روشنی میں صدر انجمن احمدیہ نے کارکردگی کی رفتار تیز کرنے کے لئے حسب ذیل نگران مقرر کر دیئے۔

کام	نگران
۱۔ فروخت و تقسیم قطعات	حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب و حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب
۲۔ مُفت تقسیم ہونیوالے قطعات کی تقسیم	" " " "
۳۔ نقشہ آبادی کی تیاری اور اس کے متعلق حکومت سے منظوری حاصل کرنا	چودھری عبدالباری صاحب
۴۔ آبادی میں مجموعی ڈرینیج[1] کا انتظام	" " "
۵۔ جماعتی عمارتوں (مساجد، مہمانخانہ، دفاتر وغیرہ) کا نقشہ تجویز کرنا اور ان عمارتوں کی تیاری	حضرت مرزا بشیر احمد صاحب
۶۔ پرائیویٹ عمارتوں کے نقشہ کی منظوری	نظارت امور عامہ
۷۔ دُوکانوں اور کارخانوں کے لئے قطعات تجویز کرنا	حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب
۸۔ عمارتی سامان کے متعلق ضروری اطلاعات مہیا کرنا اور بعد منظوری بعض چیزوں کا مشترکہ انتظام کرنا	خواجہ عبدالکریم صاحب وکیل التجارت و حسن محمد خان صاحب عارف نائب
۹۔ ربوہ کے لئے اسٹیشن اور ڈاک خانہ اور تار گھر اور ٹیلیفون ایکسچینج وغیرہ کا حکومت کے ذریعہ انتظام کروانا	میاں غلام محمد صاحب اختر۔ و محمود احمد صاحب قائد (لاہور) نائب

[1] DRAINAGE (پانی کا نکاس)

۱۰۔ آبادی کے لئے بجلی و پانی کا مجموعی انتظام تجویز کرنا	ڈاکٹر عبدالاحد صاحب
۱۱۔ جماعتی ضروریات کے لئے اجناس خورونوش و ایندھن و تیل کی فراہمی	سید محمود اللہ شاہ صاحب و سید عبدالجلیل شاہ صاحب نائب
۱۲۔ صدر انجمن و تحریک جدید کے دفتروں اور اداروں کے منتقل کرنے کا انتظام	ناظر اعلیٰ ۔ وکیل الدیوان
۱۳۔ قیمت قطعاتِ اراضی کی وصولی	نائب وکیل المال ۔ قریشی عبدالرشید صاحب
۱۴۔ نئی آبادی میں اجناس اور لیبر کے ریٹوں کو کنٹرول میں رکھنے کا انتظام	ناظر صاحب امور عامہ
۱۵۔ پہرے اور حفاظت کا انتظام	امور عامہ[1]

سرزمین ربوہ کا سروے اور نقشہ کی تیاری اور منظوری میں شدید مشکلات

سرزمین ربوہ کا سروے ایک نہایت کٹھن مرحلہ تھا۔ جس کے شروع کرنے کی اولین سعادت حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی جمعدار فضل الدین صاحب کمبوہ کو حاصل ہوئی۔ لیکن افسوس ابھی وہ تھوڑا سا کام ہی کر پائے تھے کہ درد گردہ میں مبتلا ہو گئے۔ ازاں بعد ایک اور صاحب نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی مگر وہ حاضر نہ ہوئے جس پر چوہدری شریف احمد صاحب (وڑائچ)[2] اوورسیئر سے بات چیت کی گئی تو انہوں نے چوہدری محمد مختار صاحب اوورسیئر کو بھی اپنے ساتھ ربوہ جانے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن چوہدری شریف احمد صاحب رستہ میں ہی بیمار ہو کر لائل پور سے واپس لاہور چلے گئے اور محمد مختار صاحب ربوہ پہنچ کر شدید انفلوئنزا کا شکار ہو گئے۔ بایں ہمہ انہوں نے کمال مستقل مزاجی، تندہی اور جانفشانی سے سروے جاری رکھا اور دن رات ایک کر کے چند روز کے اندر اندر سروے کا ایک حصہ یعنی لیول[3] مکمل کر لیا جس کا ذکر ۲۹ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کی ایک رپورٹ میں بایں الفاظ ملتا ہے:۔

"محمد مختار صاحب جب سے آئے ہیں سخت زکام اور نزلہ میں گرفتار ہیں لیکن اس کے

---

[1] ریکارڈ دفتر پرائیویٹ سکرٹری۔ [2] چوہدری شاہ محمد صاحب کاتب کے چھوٹے بھائی۔ [3] سطح زمین کی ہمواری۔

باوجود صبح سورج نکلتے ہی کام شروع کرتے رہے ہیں اور شام اس وقت تک کام کرتے رہے ہیں جب تک نظر کام کر سکتی تھی۔ کھانا بھی وہاں ہی کھاتے جہاں کام کرتے تھے۔ خیموں میں دوپہر کو بالکل نہ آتے تھے۔ انہوں نے شدید محنت کر کے نصف کام کل تک کر لیا ہے۔ ان کے ساتھ مزدور بھی تھک کر چُور ہو جاتے ہیں"

جناب محمد مختار صاحب نہایت سرگرمی سے مصروف عمل تھے کہ قصور سے عبدالقادر صاحب اوورسیئر محکمہ کنٹور سروے[1] کے لئے ربوہ میں پہنچ گئے۔ ان کے پاس ان کا اپنا موٹر سائیکل بھی تھا اور ضروری آلات بھی۔ جناب محمد مختار صاحب کی طرح عبدالقادر صاحب نے ۹ روز تک نہایت عرقریزی سے اس قومی فرض کی بجاآوری کی اور آخر اپنے دوسرے رفقاء کار سیف اللہ صاحب اوورسیئر (لائلپور) اور سردار بشیر احمد صاحب موننگ رسُول کے تعاون سے ۹/۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کی درمیانی شب کو گیس کی روشنی میں ایک بجے کے قریب کنٹور سروے مکمل کر لیا۔ یہ کام ہو چکا تو تعمیر کمیٹی کے سکرٹری ملک محمد خورشید صاحب نے Lay out[2] شروع کر دیا جو ۳۰/ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ جس کے بعد جناب قاضی محمد رفیق صاحب کنسلٹنگ آرکیٹکٹ[3] نے Lay out کا خاکہ کھینچنے اور ربوہ کا مستقل نقشہ بنانے کا اہم اور نازک کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور سردار بشیر احمد صاحب (موننگ رسُول) اور چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر واقفِ زندگی اور ایک اَور دوست کے تعاون سے ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ تک آبادی ربوہ کا نقشہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کی کاپیاں چودھری عبدالرحیم صاحب ہیڈ ڈرافسمین لاہور نے کروائیں اور ان پر چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر نے رنگ بھرے۔ بعد ازاں جھنگ میں رجسٹری کئے گئے۔ یہ نقشہ جلد ہی صوبائی ٹاؤن پلینر کو بغرض منظوری بھجوا دیا گیا۔

اس عہدہ پر اُن دنوں پارسی حبیب جے۔ اے بسوم جی نامی متعین تھے۔ جنہوں نے محض روپوں کے لالچ میں بے شمار حیلوں بہانوں سے نقشہ کی منظوری کا معاملہ کئی ماہ تک کھٹائی میں ڈال دیا۔ اور

---

[1] کنٹور سروے فنِ انجنیئری میں زمین کے ایسے جائزہ کو کہتے ہیں جو سطح سمندر سے اونچائی کی لائنیں ظاہر کرے۔

[2] سڑکوں اور پلاٹوں کے لئے تجویز۔

[3] آپ امرتسر کی مشہور قاضی فیملی کے چشم و چراغ ہیں۔ ربوہ کی اکثر ابتدائی اور مرکزی عمارتوں کے نقشے آپ ہی نے تیار کئے ہیں۔

آخر مجرمانہ حد تک تغافل برتنے اور انتہائی پس و پیش کے بعد بڑی مشکل سے یکم فروری ۱۹۴۹ء کو دستخط تو کر دیئے[1] لیکن ساتھ ہی از راہِ شرارت ایک ایسی ٹاؤن پلیننگ سکیم رکھ دی جس میں جماعت کی دینی اور مرکزی ضروریات کو نہایت بے دردی سے پامال کر کے رکھ دیا اور اس کے مقابل اُن امُور کو جو سرے سے احمدیت کی بنیادی تعلیمات کے منافی تھے یا جن کو نسبتی طور پر ایک محدود رنگ کی اہمیت حاصل تھی ان کو بلاوجہ غیر معمولی وسعت و حیثیت دے دی گئی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ ربوہ کی زمین کا کثیر حصہ آبادی کے لئے استعمال نہ کیا جا سکے۔ چنانچہ ایسی طرز پر نقشہ تیار ہوا کہ ربوہ کے مجموعی رقبہ کا صرف ۲۷٫۰۳ فی صد رہائشی پلاٹوں کے لئے مخصوص کیا گیا[2]۔ جہاں شرقاً غرباً تین چار میل تک کے اس وسیع و عریض علاقہ میں صرف تین مسجدیں منظور کی گئیں وہاں سینما گھر کی تعمیر کے

---

[1] یہ صاحب بعد میں بغرض علاج امریکہ چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔

[2] ٹاؤن پلینر کے تیار شدہ نقشہ پہ ایک نظر ـــــــ

کل رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ = ۸۲۷۲ کنال

رہائشی پلاٹ	تعداد	رقبہ کنالوں میں
چار کنال	۴۳	۱۷۲
دو "	۳۱۲	۶۲۴
ایک "	۹۳۲	۹۳۲
دس مرلہ	۱۰۱۶	۵۰۸
	۲۳۰۳	۲۲۳۶ تناسب فیصد کل رقبہ ۲۷٫۰۳٪

کل رقبہ بڑے پلاٹ (جس میں زراعتی رقبہ، قبرستان، جلسہ گاہ شامل نہیں) ۲۲۰۰ کنال " " = ۲۶٫۲۶٪

تمام کھلی جگہیں یعنی OPEN SPACES

شہر میں پختہ سڑک اور ریلوے لائن کے ساتھ اور بیرونی حد کے ساتھ

زراعتی رقبہ، قبرستان و جلسہ گاہ ۲۶۵۹ کنال " " = ۳۲٫۱۴٪

شہر کی بقیہ سڑکوں کے لئے ۱۱۱۷ کنال " " ۱۴٫۲۳٪

(از عبد اللطیف صاحب اوورسیئر)

لئے فراخدلی سے وسیع قطعہ تجویز کیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی زمین کے بیجا مصرف اور کھلم کھلا ضیاع کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا مثلاً

۱۔ شفاخانہ حیوانات کے لئے ۶۰ کنال کا وسیع رقبہ تجویز کیا گیا جو ملک میں اُس وقت شاید ہی کسی بڑے سے بڑے زراعتی اور مرکزی مقام کے ویٹرنری ہسپتال کو میسّر ہو۔

۲۔ صیغہ تعلیم کے لئے بلا وجہ ۸۰ کنال کا احاطہ رکھ دیا گیا۔

۳۔ پولیس لائنز اور سرکٹ ہاؤس کے نام پہ ربوہ کے نقشہ میں بالترتیب ۷۷ اور ۲۱ کنال زمین مخصوص کر دی گئی۔ نیز پولیس اسٹیشن (تھانہ) کے لئے ۱۲ کنال کا مزید رقبہ دیا گیا۔

۴۔ ڈاک خانہ، تارگھر اور ٹاؤن کمیٹی کے دفاتر کے لئے ۶۸ کنال جگہ رکھی گئی جس کی کوئی تُک نہ تھی۔

۵۔ ربوہ کی مجوزہ آبادی کے مشرقی جانب ۳۲۵ کنال رقبہ زراعتی اغراض کی خاطر مخصوص کر دیا گیا۔ حالانکہ اوّل تو یہ سارا قطعہ ہی مسلّم طور پر ناقابل زراعت اور عام سطح سے بہت اُونچا تھا۔ دوم اسے زرعی تجربگاہ کے طور پر استعمال کرنا قطعی طور پر ناممکن تھا۔

۶۔ ۳۲۲ کنال بڑے بڑے کارخانوں کے لئے مختص کر دیئے گئے۔ حالانکہ غریب مہاجروں کی اس بستی میں جو خالص اسلامی ماحول کی ترویج و اشاعت کے لئے قائم کی جا رہی تھی کسی بھاری انڈسٹری کا قیام خارج از امکان تھا۔

۷۔ ربوہ کے تین پرائمری سکولوں کے لئے ۱۰۲ کنال کے احاطے تجویز کئے گئے جو ضرورت سے کہیں زیادہ تھے۔

اس پریشان کن ٹاؤن پلیننگ سکیم کے بعد گورنمنٹ انڈسٹریز اینڈ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو جو شیڈول بھجوایا گیا وہ بھی اپنے اندر متعدد نقائص اور خامیاں رکھتا تھا۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ہدایت پر نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی کے توسط سے جناب ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ کی خدمت میں پلیننگ سکیم میں ترمیم کے لئے اور گورنمنٹ پنجاب کے متعلقہ محکمہ کو شیڈول کی ترمیم کے لئے الگ الگ درخواستیں ارسال کیں جن میں نہایت تفصیل کے ساتھ پیدا شدہ جملہ خرابیوں کا نہایت معقول و مدلّل رنگ میں جائزہ لیا اور اُن کے ازالہ کے لئے ٹاؤن پلیننگ کے مستند لٹریچر کی روشنی میں اپنے مطالبات پیش کئے۔

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی گذارشات ایک نظر میں،

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے بعد ازاں اپنے موقف کی تائید میں جو گذارشات حکومت کے اعلیٰ اور ذمہ دار حکام کے سامنے رکھی گئیں ان کا ملخص درج ذیل کیا جاتا ہے تا آئندہ آنے والے لوگوں کو علم ہو کہ ربوہ بساتے وقت جماعت احمدیہ کو کیسی کیسی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔

"صدر انجمن احمدیہ درخواست کرتی ہے کہ

جو جگہ ربوہ کالونی میں مکانوں کے لئے ٹاؤن پلینر صاحب نے تجویز کی ہے وہ پچاس فیصدی کے قریب ہے حالانکہ عام قاعدہ یہ ہے کہ آبادی کے لئے ساٹھ فیصدی کے قریب زمین چھوڑی جاتی ہے۔ پھر جو پچاس فیصدی زمین آبادی کے لئے چھوڑی گئی ہے اس میں سے بھی نصف سے کچھ زیادہ رقبہ پبلک انسٹی ٹیوشنز کے لئے چھوڑا گیا ہے اور آبادی کے لئے کُل رقبہ ⅓ سے بھی کچھ کم رہ جاتا ہے۔ اس لئے ہمیں ایک ہزار کنال زمین اور دی جائے تا کہ گورنمنٹ کے تجویز کردہ اصول کے مطابق ساٹھ فیصدی رقبہ ہمیں عمارت کے لئے اور مل جائے۔ علاوہ اس قانون کے ہمیں عملاً بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ قادیان کی آبادی بیس[۲۰] ہزار کے قریب تھی کم سے کم دس ہزار آدمی بسانے کے لئے تو یہاں جگہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مقررہ جگہ ختم ہو چکی ہے اور درخواستیں اور آ رہی ہیں۔ اس لئے اب اس کا علاج یہی ہے کہ اوپن سپیسز (OPEN SPACES) کھلی جگہیں) جو قاعدہ مقررہ سے بہت زیادہ ہیں ان میں سے کچھ اور علاقہ ہمیں آبادی کے لئے دیا جائے اور اس نئے علاقہ کے لئے انہوں نے کچھ تجاویز پیش کی ہیں جن کو میونسپل کمیٹی نے جس میں ڈی سی اور تحصیل دار ممبر ہیں منظور کیا ہے۔ اس کے بعد مسٹر . . . نے اپنے ڈی۔سی ہونے کی حیثیت میں اس کی تائید میں نوٹ لکھا ہے کہ مَیں نے خود ربوہ کو دیکھا ہے۔ میرے نزدیک یہ درخواست انجمن کی معقول ہے۔ اور اسے منظور کرنا چاہیئے۔

ٹاؤن پلینر صاحب کو جب یہ درخواست برائے رپورٹ گئی تو انہوں نے اس پر یہ نوٹ لکھا کہ

۱۔ انجمن سب تجویز کو پہلے خود منظور کر چکی ہے۔

۲۔ انجمن احمدیہ زمین بڑی قیمت پر فروخت کر رہی ہے۔

۳۔ انجمن نے کوئی فہرست نہیں دی کہ کس قدر درخواستیں آ چکی ہیں اور کتنی زمین کی ضرورت ہے۔

۴۔ پلینر کی سکیم میں ۲۳۲۳ مکانوں کی گنجائش ہے اور اس میں پانچ کس فی مکان کے

حساب سے دس ہزار سے زائد آدمی بس سکتے ہیں۔

۵۔ ئیں نے سکیم میں اوپن سپیس کے طور پر ۶ بڑ جگہ چھوڑی ہے۔ حالانکہ میونسپل لاز کے رُو سے ۱۰ بڑ چھوڑنی چاہیئے۔ اس لئے اس زمین کو چھوٹا نہیں کرنا چاہیئے۔

۶۔ وہ رقبہ جو انجمن مانگتی ہے اس میں سے ایک حصہ جو گرین پیچڑ ہے، نشیب ہے۔ اس پر آبادی مناسب نہیں۔

۷۔ شمال مشرقی رقبہ بھی ویسا ہی ہے۔

۸۔ پبلک بلڈنگ کے لئے جو رقبہ چھوڑا گیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور اسے اور کم نہیں کیا جا سکتا۔

ان دعاوی اور ان کے خلاف دعاوی کی تفصیل میں پڑنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ موجودہ تسلیم شدہ طریق ٹاؤن پلین میں آبادی کے رقبہ کے متعلق کیا ہے۔ کیونکہ سب مسئلہ کا محور یہی سوال ہے۔ انجمن کہتی ہے کہ اس میں قانون کے مطابق رقبہ آبادی کے لئے نہیں چھوڑا گیا۔ اور ٹاؤن پلینر صاحب کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

ٹاؤن پلیننگ کے متعلق رائج الوقت کوڈ (CODE) وہ میمورنڈم ہے جسے مسٹر یو۔ المر کوٹس (U. AYLMER COATES) پراونشل ٹاؤن پلینر گورنمنٹ پنجاب نے تیار کیا ہے۔ اور گورنمنٹ پنجاب نے اسے ۱۹۴۵ء میں گورنمنٹ پریس سے شائع کیا ہے۔ اس اشاعت کے صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے:۔

" Since 1938 town planning schemes have begun to operate in Lahore and the same area would now be developed somewhat as follows :

(a) Roads would use up about 30 percent and open spaces about 10 percent.
(b) The remaining 6 acres would be divided into about 170 plots or 17 houses per acre overall."

یعنی لاہور میں ۱۹۳۸ء سے ٹاؤن پلاننگ کے منصوبوں کی ابتداء ہو چکی ہے اور اب ان علاقوں کی آبادکاری یوں شروع ہوگی:-

(اے) شاہراہوں کے لئے ۳۰ فیصد اور سیرگاہوں کے لئے ۱۰ فیصد علاقہ استعمال ہوگا۔

(ب) بقیہ ۶ ایکڑ علاقہ قریباً ۱۷۰ پلاٹوں کے لئے یا ۱۷ مکانات فی ایکڑ تعمیر کئے جائیں گے

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ٹاؤن پلیننگ کے رائج الوقت قانون کے مطابق کسی ٹکڑہ زمین سے چالیس فیصدی سڑکوں اور اوپن سپیسز کے لئے لیا جا سکتا ہے اور باقی ساٹھ فیصدی زمین آبادی کے لئے چھوڑنی چاہیئے۔

انجمن کا دعویٰ ہے کہ اسے ⅓ حصہ آبادی کے لئے ملا ہے اور اگر پبلک بلڈنگز کو شامل کیا جائے تو وہ ½ کے قریب ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ٹاؤن پلینر صاحب کے بیان کے رُو سے اوپن سپیسز کے لئے صرف ۶ بز زمین چھوڑی گئی ہے تو پھر باقی زمین کہاں گئی؟ ٹاؤن پلینر صاحب اس سے انکار نہیں کرتے کہ جو رقبہ انجمن پرائیویٹ یا پبلک بلڈنگز کے لئے تجویز کیا گیا بتاتی ہے وہ غلط ہے بلکہ تسلیم کرتے ہیں کہ ۲۳۰۰ مکان ایک ہزار چونتیس ایکڑ میں تجویز کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مسٹر کورٹس کی ٹاؤن پلیننگ سکیم سے اوپر نقل کیا گیا ہے۔ ٹاؤن پلیننگ سکیم میں چھ ایکڑ ہر دس ایکڑ سے آبادی کے لئے لئے جاتے ہیں۔ پس دو ہزار تین سو کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ کیوں اُن کو ساٹھ فیصدی زمین نہیں دی گئی جبکہ موجودہ رُول ٹاؤن پلیننگ کے متعلق یہی ہے

اس جگہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ٹاؤن پلیننگ میمورنڈم مرتبہ کورٹس اور منظور کردہ گورنمنٹ میں اوپن سپیسز کے بارہ میں لکھا ہے:-

Page 9, Para 17 (iii) Open Spaces :

"Taking Lahore as an example there are about 1650 acres of open space of which about 1,000 acres are set aside for private use such as the University grounds, the Race Course, the Chiefs College ground, Government House and two golf courses.

The proportion of open space in Lahore is about 2.4 acres per thousand population but most of this is set aside either for passive recreation such as Lawrence gardens, Gol Bagh and Hazuri Bagh or is used privately."

یعنی لاہور کی مثال لی جائے تو یہاں پر ساڑھے سولہ سو ایکڑ سیر گاہوں کے لئے رکھے گئے ہیں جن میں ایک ہزار ایکڑ تو پرائیویٹ استعمال کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں جن میں یونیورسٹی گراؤنڈ، ریس کورس، ایچیسن کالج گراؤنڈ، گورنمنٹ ہاؤس اور دو گالف کورس شامل ہیں سیر گاہوں کا تناسب ۲۰۴ ایکڑ فی ہزار کی آبادی میں رکھا گیا ہے۔ لیکن ان کا اکثر حصہ خاموش تفریح گاہوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے مثلاً لارنس گارڈن۔ گول باغ اور حضوری باغ یا ایسی جگہیں جو پرائیویٹ طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ ایسے علاقے جن میں مکانیت کم ہو اور کھلی جگہ زیادہ ہو، وہ بھی اوپن سپیسز میں شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح تمام ریلوے لائنز اور عیدگاہ کے لئے جو سینکڑوں کنال رقبہ چھوڑا گیا ہے اور جسے انجمن نے اوپن سپیسز میں شامل نہیں کیا اوپن سپیس بن جائے گا۔ اور اس سے بھی زیادہ علاقہ اوپن سپیسز میں چھٹا ہوا سمجھا جائے گا جتنا کہ انجمن نے درخواست میں لکھا ہے۔

اُوپر کے حوالہ جات کو دیکھتے ہوئے یہ سوال انجمن کا معقول ہے کہ ان کو اتنی جگہ آبادی کے لئے نہیں دی گئی جتنی کہ قانون کی رُو سے دی جانی چاہیئے۔ اس کے مقابل پر ٹاؤن پلینر صاحب کا یہ جواب ہے کہ مَیں نے نقشہ اُن کو دکھا دیا تھا اور انہوں نے اسے منظور کر لیا تھا۔ اس جواب کے متعلق دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ۱۔ کیا کسی شخص کا کسی امر کو منظور کر لینا اسے اس کے قانونی حق سے محروم کر دیتا ہے؟ ۲۔ ٹاؤن پلینر صاحب کے اپنے بیان کے مطابق انجمن نے لے آؤٹ کے بعد نقشہ منظور نہیں کیا بلکہ نقشہ لاہور میں ٹاؤن پلینر صاحب نے انجمن کے نمائندوں کو دکھایا اور انہوں نے منظور کیا۔ نقشہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر کوئی ایسی عبارت نہیں لکھی ہوئی کہ کتنے

فیصدی زمین آبادی کے لئے چھوڑی گئی ہے۔ ان حالات میں انجمن کہہ سکتی ہے کہ اُن کو لے آؤٹ سے پہلے اصل حقیقت معلوم نہ ہو سکی تھی۔ جب لے آؤٹ ہوئی تو انہیں معلوم ہوا کہ جو حق از روئے قانون انہیں ملنا تھا وہ ان کو نہیں ملا۔ اس لئے ان کی رضامندی قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ امر بھی مدنظر رکھنے کے قابل ہے کہ ضلع کے افسر صاحب نے جگہ کو دیکھ کر اور سرکاری ضروریات کو دیکھ کر انجمن کے دعویٰ کی تصدیق کی ہے اور کمشنر صاحب ڈویژن نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

اور یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ ہسپتال، پولیس لائنز، سرکٹ ہاؤس، میونسپل آفس ایسی عمارتیں ہیں کہ ان کے بنانے کے لئے انجمن کو تو مجبور نہیں کیا جا سکتا، حکومت کو ہی بنانی ہوں گی۔ کیا اتنے بڑے بڑے رقبوں پر ایسے چھوٹے سے قصبہ میں حکومت اتنا روپیہ خرچ کرے گی؟ خصوصاً جبکہ اُسے زمین کی قیمت بھی خود دینی ہوگی کیونکہ پنجاب میونسپل ایکٹ ۱۹۱۱ء کی دفعہ ۱۹۲ کے رُو سے دس فیصدی زمین کے رقبہ سے زائد زمین حکومت مُفت نہیں لے سکتی بلکہ اس کی اسے قیمت دینی پڑتی ہے۔ یہ خرچ عمارتوں کے علاوہ ہوگا اور جبکہ ضلع کا افسر نہ اتنی زمین کی ضرورت بتاتا ہے نہ ان میں سے بعض اداروں کی ضرورت بتاتا ہے تو پھر ان ٹکڑوں کو آباد کون کریگا؟ انجمن کو تو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سرکٹ ہاؤس اور پولیس لائن بنوا کر دے۔ ہسپتال کے بنانے کا گو انجمن نے ارادہ ظاہر کیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہم انہیں مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے ذرائع سے زیادہ خرچ کر کے اس سے زیادہ زمین میں ہسپتال بنائیں جتنی جگہ میں وہ خود ہسپتال بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں یا توفیق رکھتے ہیں۔ ان حالات میں اگر یہ علاقے آباد نہ ہوئے تو گرد وغبار کے پھیلانے اور غلاظت کے جمع ہونے کا موجب ہوں گے یا ایک چھوٹی سی میونسپل کمیٹی پر ناقابل برداشت بار ثابت ہوں گے اور پھر حکومت ہی کو مدد کرنی پڑے گی۔

ٹاؤن پلینر صاحب نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ انجمن بڑی قیمت پر زمین فروخت کر رہی ہے۔ جہانتک حکومت کا سوال ہے وہ اس زمین کو فروخت کر چکی ہے۔ اور اگر وہاں بسنے والے پبلک اداروں کی تعمیر کے لئے (جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے یہاں تین کالج، تین سکول، ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ہسپتال اور انجمن کے دفاتر بننے کی تجویز ہے) زمین کی قیمت کے نام سے مالی بوجھ اُٹھانا چاہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انجمن ایک خیراتی ادارہ ہے شخصی تجارتی

ادارہ نہیں ہے۔

ٹاؤن پلینر نے لکھا ہے کہ جنوب مشرق کا جو حصہ انجمن نے مانگا ہے اور جسے نقشہ پر گرین ظاہر کیا گیا ہے وہ نشیب میں ہے اس لئے وہاں عمارتیں نہیں بننی چاہئیں۔ نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمین کے فروخت ہونے سے پہلے صرف دو مکان فروخت شدہ زمین میں تھے۔ اور وہ اس ٹکڑہ میں تھے جسے گرین ظاہر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا نشیب نہیں جس میں پانی کھڑا ہوتا ہو ورنہ یہ نہ ہوتا کہ سارے رقبہ کو چھوڑ کر مکان بنانے والے صرف نشیب کا انتخاب کرتے۔ دوسرے نقشہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ جسے ٹاؤن پلینر صاحب نے ہیوی انڈسٹری کے لئے منتخب کیا ہے جس کے لئے بہت اونچی زمین کی ضرورت ہوتی ہے اس رقبہ کی نسبت بہت نیچی ہے۔ چنانچہ نقشہ میں دیئے ہوئے کنٹور کے مطابق ساؤتھ ایسٹ کی مطلوبہ زمین کا لیول ۵۹۳ سے ۵۹۷ ہے اور ساؤتھ ویسٹ کا جو علاقہ ٹاؤن پلینر صاحب نے ہیوی انڈسٹری کے لئے رکھا ہے اس کا کنٹور ۵۸۹ سے ۵۹۳ تک ہے۔ گویا رقبہ مطلوبہ کا لیول اس رقبہ سے جسے آباد کرنے کا ٹاؤن پلینر نے خود نقشہ بنایا ہے چار فٹ اونچا ہے۔

لیکن یہ سوال مقامی نہیں بلکہ آئندہ جو قصبے نقل پراجیکٹ یا دوسری جگہوں میں بنیں گے، سب پر اس کا اثر پڑے گا اور یہ مثال بن جائے گی۔

(ملخص ختم)

قانونی جدوجہد میں کامیابی

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی رقبہ آبادی میں اضافہ کی یہ قانونی چارہ جوئی اور جدوجہد بہت حد تک کامیاب ہوئی جو محض خدا کے فضل و کرم اور حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا ورنہ باہمی خط و کتابت اور افہام و تفہیم کے درمیان ٹاؤن پلینر کی تجویز کے ماتحت یہ سوال بھی اٹھا دیا گیا کہ حکومت پاکستان زمین ہی ضبط کرلے۔

پانی کی فراہمی کا مسئلہ

ربوہ کی آبادی کے اعتبار سے پانی کی دستیابی کا مسئلہ نقشہ کی تیاری سے بھی زیادہ اہم تھا۔ اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو ابتدا ہی سے اس طرف خاص توجہ تھی۔ حضور کا منشاء مبارک یہ تھا کہ پانی کے انتظام کا جائزہ لے کر ربوہ کے بالائی طرف

ٹیوب ویل نصب کیا جائے اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کراچی سے ایک جنریٹر[1] بھی منگوایا گیا مگر بعض وجوہ سے یہ سکیم برسوں تک معرض التواء میں پڑی رہی۔

ربوہ میں بورنگ کا پہلا تجربہ پہاڑی کے دامن میں کیا گیا جہاں خیمے نصب تھے۔ یہ تجربہ قادیان کے ماہر قریشی فضل حق صاحب اور ان کے ساتھیوں (غلام نبی صاحب و قریشی محمد اکمل صاحب) نے کیا۔ جو اس وادی غیر ذی زرع میں نلکے لگانے کا عزم کر کے شروع ہی سے یہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہ اصحاب کئی دنوں تک کھدائی کرتے رہے مگر ۵۰ فٹ کی گہرائی میں بھی پانی کا کوئی نام و نشان نہ مل سکا۔ مجبوراً انہوں نے ایک دوسرے مقام پر کھدائی شروع کر دی کہ اسی دوران ۴۰ فٹ کی گہرائی پر پہنچ کر بورنگ ٹیوب ہی پھنس گئی جس کو باہر نکالنے کے لئے ایک اور گڑھا کھودا جانے لگا۔ خدا کی قدرت! عین اس وقت حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود[2] کا ربوہ میں ورود مسعود ہوا۔ جونہی حضور کے قدم مبارک اس مقدس زمین پر پڑے پھنسی ہوئی نالیوں میں یکایک جنبش ہوئی اور آن کی آن میں ایک غیبی طاقت نے ان کا سرا پانی کی سطح تک پہنچا دیا۔ یہ ۲۰؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے۔

جناب چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔ اے نے انہی دنوں الفضل میں اس ایمان افروز واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:۔

"نماز کے بعد حضور مسجد میں ہی بیٹھ گئے اور مکرم قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی سے مکانات کی تعمیر کے بارہ میں گفتگو فرماتے رہے۔ ابھی حضور قاضی صاحب سے گفتگو فرما ہی رہے تھے کہ مستری فضل حق صاحب جو گذشتہ بارہ دنوں سے نلکہ لگانے پر مقرر تھے اور شب و روز مٹی کی کھدائی میں مصروف تھے بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ حضور کے یہاں تشریف لانے پر زمین سے پانی آگیا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمیں گذشتہ کئی روز سے پانی کی شدید تکلیف تھی۔ ایک جگہ ۵۰ فٹ تک مٹی کی کھدائی کی گئی مگر پانی نہیں آیا تھا۔ مستری

---

[1] یہ جنریٹر تقسیم ہند سے قبل ایک بیرونی ملک سے درآمد کیا گیا تھا اور پاکستان بننے کے بعد کراچی ہی میں تھا

[2] حضور کے ہمراہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے بھی تھے۔

صاحبان نے تنگ آکر دوسری جگہ کھدائی شروع کر دی تھی۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ دوسری جگہ بھی تقریباً ۴۰ فٹ جا کر نلکہ کی ٹیوب بُری طرح مٹی میں پھنس گئی اور حالت یہ ہو گئی کہ نہ تو وہ ٹیوب مٹی کے اندر جاتی تھی اور نہ ہی بآسانی باہر آسکتی تھی۔ چنانچہ مستری صاحبان نے صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ ٹیوب کو کیا ہو گیا ہے ایک تیسرا گڑھا کھودنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن جس وقت حضور کے قدم اس زمین پر داخل ہوئے۔ مستری فضل حق صاحب کا بیان ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے نلکہ کی نال کو کوئی قوت خود بخود پانی کے قریب لے جا رہی ہے۔ چنانچہ حاضرین نے مستری صاحب کے یہ کلمات سُنے کہ حضور پانی آگیا۔ تو بے اختیار الحمد للہ زبان پر جاری ہو گیا۔ حضور اس کے بعد دیر تک مستری صاحب سے گفتگو فرماتے رہے اور ہر رنگ میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے"[1]

اس موقعہ پر جو پانی حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ سخت بدبودار اور کڑوا تھا جس کی رنگت زردی مائل اور کسٹرائیل سے ملتی جلتی تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے پانی کی تلاش میں مزید ہدایات دیں جن کی تعمیل میں قریشی صاحب اور ان کے جواں ہمت ساتھیوں نے اپنی جدّ وجہد تیز سے تیز تر کر دی۔ اسی دوڑ دھوپ میں ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء کا دوسرا مہینہ آپہنچا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر بڑی محنت و مشقت کے بعد موجودہ جامعہ نصرت کے پلاٹ میں پہلا ٹیسٹ بور کیا گیا۔ ۲۰۰ فٹ تک کھدائی کی گئی اور ۸۰ فٹ اور ۱۱۷ فٹ کی گہرائی سے برآمد شدہ پانی کی دو بوتلیں ۱۲ / ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء کو کیمیائی تجزیہ کے لئے لائلپور بھجوا دی گئیں۔ بورنگ سپیشلسٹ نے ۲۱ / ماہ تبلیغ / فروری کو یہ رائے دی :-

" THE WATER IS UNFIT FOR IRRIGATION AND DOMESTIC PURPOSES."

یہ پانی زراعت اور گھریلو استعمال کے قابل نہیں ہے۔

چنانچہ رحمت علی صاحب (WELL SUPERVISOR BORING OPERATOR LYALLPUR) نے ۲۶ / فروری ۱۹۴۹ء کو تجزیہ کے نتیجہ کی نقل بھجواتے ہوئے لکھا۔

---

[1] الفضل ۱۵ / اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۴ کالم ۱ و ۲۔

مکرمی صدر صاحب انجمن احمدیہ ربوہ ۔ تسلیم

ربوہ ٹرائل بور کے پانی کے ہر دو نمونہ جات کے نتیجے ارسال ہیں ۔ ہر دو نمونہ جات کا پانی قابلِ استعمال زراعت اور پینے کے نہیں ہے۔ چونکہ اتنی لمبی تہوں کے باعث جو کہ مٹی کی گئی ہیں آگے ۷" پائپ سے مزید بورنگ کرنا مفید نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ اس بور کو بند کر کے پائپ نکلوا دیویں اور موضع کھچیاںؒ کی سرحد کے قریب ایک دوسرا ٹرائل بور کرا کے دیکھ لیں "

اس نتیجہ کے موصول ہونے پر جناب چودھری عبدالسلام صاحب اختر نے یکم امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بذریعہ تار اطلاع دی جس پر حضور نے اپنے قلم مبارک سے لکھا:۔

" START BORING NEAR RIVER IN RABWAH LAND SOUTHERN PART. "

" آدمی یہ ہدایت لے کر جائے۔ عبداللطیف صاحب سمجھ کر جائیں اور وہاں یہ کام خود شروع کروائیں "

حضور اقدس کے اس ارشاد کی تعمیل میں چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر نے دریائے چناب کے قریب بورنگ کرایا۔ یہ بورنگ محمد ابراہیم صاحب ویل سپروائزر کے ذریعہ ہوا۔ ۱۲/امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو چنیوٹ خزانہ میں ایک سو اٹھائیس روپے چودہ آنہ چھ پائی بورنگ فیس جمع ہوئی۔ ۱۷/امان/مارچ تک ۹۰ فٹ گہرائی تک بورنگ ہوا۔ ۹۵ فٹ پر مٹی آئی۔ ۹۹ سے ۱۰۰ فٹ تک معمولی ریت اور ۱۰۰ سے ۱۸۰ فٹ تک ریت جس میں کنکر پتھر کی آمیزش تھی۔ اس بورنگ سے جو پانی حاصل ہوا لائلپور زرعی کالج میں برائے ٹیسٹ بھیجا گیا تو رپورٹ ملی کہ یہ پانی زرعی استعمال کے لئے مفید ہے لہذا بعد میں جب پلاٹ بندی ہوئی تو اس جگہ کو ٹیوب ویل کے لئے محفوظ کر لیا گیا۔ اگرچہ ایک لمبے عرصہ کے بعد اسی جگہ واٹر سپلائی سکیم کے تحت ٹیوب ویل کی تنصیب عمل میں آئی مگر جہانتک اندرون شہر کو عمدہ پانی ملنے کا معاملہ تھا وہ جوں کا توں ہی رہا۔

محکمہ کی ہدایت پر جامعہ نصرت کے احاطہ والا بورنگ بند کر کے محلہ دارالبرکات کے جنوب،

ؒ ربوہ سے متصل اس کے جنوب مشرق میں ایک گاؤں

مشرقی کونہ کے قریب کھدائی کا آغاز کیا گیا لیکن اس جگہ بورنگ کے پائپ پھنس گئے جو اکھیڑ لئے گئے اور اس کی بجائے اسٹیشن کے قریب لائن کے دونوں طرف کھدائی کی جانے لگی۔ چند دنوں کی کوشش سے ربوہ اسٹیشن کی جنوبی سمت میں ایک جگہ نسبتاً میٹھا پانی نکل آیا اور ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کے پہلے سالانہ جلسہ کی تقریب پر ٹونٹیاں لگا دیئے گئے۔ چھ سات ماہ کی لگاتار اور تھکا دینے والی محنت و مشقت کا نتیجہ بس یہ چند نلکے ہی تھے جن میں سے اکثر کھاری یا نیم کھاری پانی کے تھے اور جو ہزاروں روپے خرچ کرنے کے بعد نصب کئے جا سکے تھے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی خاص عنایت ہوئی کہ اس جلسہ پر حکومت کے محکمہ حفظانِ صحت نے پانی بہم پہنچانے کے لئے ٹینکروں کا انتظام کر دیا ورنہ پانی کی کمیابی مصیبتِ عظمیٰ بن جاتی۔

ان سراسر مخالف اور بے حد مایوس کن حالات میں جبکہ ظاہری اور مادی سامان بالکل ناکام ثابت ہو گئے حضرت رب العزت کی طرف سے اپنے مقدس خلیفہ سیدنا محمود المصلح الموعودؓ کو یہ بشارت دی گئی کہ اللہ تعالےٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا کہ ربوہ میں پانی کی کثرت ہو جائے۔ یہ عظیم الشان آسمانی خوشخبری ۲۱؍شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو ایک الہامی شعر کے ذریعہ دی گئی جس کی تفصیل پر حضور نے روشنی ڈالتے ہوئے اگلے ہی روز خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ

"جلسہ کے اختتام کے بعد جس دن ہم ربوہ سے واپس چلے (یعنی ۲۱؍اپریل ۱۹۴۹ء بروز جمعرات) مجھے ایک الہام ہوا . . . . مجھ پر ایک غنودگی سی طاری ہو گئی اس نیم غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں خدا تعالےٰ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھ رہا ہوں ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

میں نے اسی حالت میں سوچنا شروع کیا کہ اس الہام میں "جاتے ہوئے" سے کیا مراد ہے۔ اس پر میں نے سمجھا کہ مراد یہ ہے کہ اس وقت تو پانی دستیاب نہیں ہو سکا لیکن جس طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے زمزم پھوٹ پڑا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کوئی ایسی صورت پیدا کر دے گا کہ جس سے ہمیں پانی بافراط میسّر

آنے لگے گا۔ اگر پانی پہلے ہی مل جاتا تو لوگ کہہ دیتے کہ یہ وادی بے آب و گیاہ نہیں یہاں تو پانی موجود ہے۔ پھر اس وادی کو بے آب و گیاہ کہنے کے کیا معنی؟ اب ایک وقت تو پانی کے بغیر گذر گیا اور باوجود کوشش کے ہمیں پانی نہ مل سکا۔ آئندہ خدا تعالےٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا کہ جس سے ہمیں پانی مل جائے۔ اس لئے فرمایا کہ ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

"پاؤں کے نیچے" سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اسمٰعیل قرار دیا ہے جس طرح وہاں اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے پانی بہہ نکلا تھا۔ اسی طرح یہاں خدا تعالےٰ میری دُعاؤں کی وجہ سے پانی بہا دے گا۔ یہ ایک محاورہ ہے جو محنت کرنے اور دُعا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا پورا زور لگا دیا تا ہمیں پانی مل سکے لیکن ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اب خدا تعالیٰ نے میرے مُنہ سے یہ کہلوا دیا۔ کہ پانی صرف تیری دُعاؤں کی وجہ سے نکلے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ پانی کب نکلے گا اور کس طرح نکلے گا۔ لیکن بہرحال یہ الہامی شعر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہاں پانی کی کثرت ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس شعر میں "حضور" اور "جناب" دو لفظ اکٹھے کئے گئے ہیں جو عام طور پر اکٹھے استعمال نہیں ہوتے۔ لیکن چونکہ یہاں ادب کا پہلو مراد ہے اس لئے "آپ" کے لفظ کی بجائے یہاں حضور اور جناب کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ بہانے سے مطلب یہ ہے کہ پانی وافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ الہام کس رنگ میں پورا ہوگا۔ ممکن ہے ہمیں نہر سے پانی مل جائے یا دریا سے پانی لے لیا جائے[1] یا ہمیں کوئی اور اگر مل جائے جہاں پانی ہو اور اس وقت تک ہمیں اس کا علم نہ ہو۔ بہرحال یہ نہایت ہی خوشکن الہام ہے اور یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے کہ

[1] نقل مطابق اصل۔

يُخْرِجُ هَمُّهٗ وَغَمُّهٗ دَوْحَةَ اِسْمٰعِيْلَ (تذکرہ صفحہ ۵۳۹) یعنی خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غم اور فکر اور دعاؤں کی وجہ سے ایک اسمٰعیلی درخت پیدا کرے گا۔ وہ دوحۃ اسمٰعیل میں ہی ہوں اور اس سے بھی ہجرت کی خبر نکلتی ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ تیری اولاد میں سے ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو ایک بے آب وگیاہ وادی میں آبادی کے سامان پیدا کریگا۔ پہلے تو ہم اس کی قیاسی تشریح کرتے تھے لیکن اب خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ عملی طور پر اس کی تشریح کر دی اور مجھے اسمٰعیل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

ع جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

یعنی جہاں میرا پاؤں پڑا خدا تعالیٰ نے وہاں پانی بہا دیا۔" [۱]

اس حیرت انگیز پیشگوئی کے بعد ربوہ کی بے آب وگیاہ زمین میں ایک نمایاں تغیر محسوس کیا جانے لگا۔ چنانچہ جہاں کھاری پانی کے مزہ اور رنگت میں تبدیلی ہونے لگی وہاں ریلوے لائن کے دونوں طرف میٹھا پانی دستیاب ہو گیا۔ حتیٰ کہ الہام خداوندی کے ظاہری الفاظ کے عین مطابق حضرت مصلح موعود کے اپنے قطعہ زمین سے گویا میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا جس پر ربوہ کا پہلا ٹیوب ویل نصب ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ پانی کی وہ بہتات ہوئی کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کے طفیل ہر طرف سچ مچ پانی بہہ نکلا۔

ربوہ میں ظلّی صدر انجمن احمدیہ و تحریک جدید کا قیام

حضرت مصلح موعود نے ۱۱ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء کو ربوہ میں مشترکہ طور پر کام چلانے کے لئے عارضی طور پر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے ممبروں پر مشتمل ایک ظلّی انجمن قائم فرمائی جس کا صدر چودھری عبدالسلام صاحب اختر کو اور سکرٹری مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کو مقرر فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ روزانہ اجلاس ہوا کرے اور روزانہ اس کے فیصلہ جات کی تعمیل ہوا کرے نیز سب کام مشورہ سے ہوں اور ان کی روزانہ رپورٹ حضور کی خدمت میں بھجوائی جائے۔

---

[۱] الفضل ۱۸ ظہور/ اگست ۱۳۲۸ہش/ ۱۹۴۹ء صفحہ ۵

یہ انجمن ربوہ سے متعلق حضرت مصلح موعود کی جاری فرمودہ ہدایات و ارشادات کی تعمیل کے لئے معرض وجود میں لائی گئی تھی اور اس نے حتی المقدور اپنا یہ فرض نہایت عمدگی سے نباھنے کی کوشش کی۔

عارضی تعمیرات کے لئے ضروری سامان کی فراہمی

حضرت مصلح موعودؓ اپنے نورِ فراست اور دُور بین نگاہ سے ابتداء ہی میں اس نتیجہ تک پہنچ چکے تھے کہ ربوہ کی مستقل آبادی سے پیشتر اس جگہ عارضی رہائش گاہوں یا جھونپڑوں کا بندوبست بہت ضروری ہے ظاہر ہے کہ یہ مقصد سرکنڈا، عمارتی سامان اور کچی اینٹوں کی تیاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

ربوہ سے تیرہ چودہ میل کے فاصلہ پر باہیوال کے علاقہ میں سرکنڈوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا جو خرید لیا گیا۔ جس کی عمومی نگرانی چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیر واقفِ زندگی کے سپرد ہوئی اور باہیوال سے ربوہ تک کی ڈھلائی کے منتظم بدر سلطان صاحب اختر واقفِ زندگی بنائے گئے۔

عمارتی سامان سے متعلق حضور کا فرمانِ مبارک یہ تھا کہ سامان ارزاں اور اتنی کثیر تعداد میں خرید کیا جائے کہ نہ صرف مرکزی ضروریات پوری ہو جائیں بلکہ ربوہ کے دوسرے احمدی بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایک عمومی ہدایت یہ بھی تھی کہ دروازوں اور کھڑکیوں کا ایک ایسا معین ماڈل بنا لیا جائے جو ہر رہائش گاہ کے لئے سودمند ثابت ہو سکے۔ حضور نے عمارتوں کی تعمیر کے لئے لکڑی کے چھوٹے ٹکڑوں کی خرید کا بھی حکم دیا۔

حضرت امیر المومنینؓ کی ان اصولی ہدایات کی روشنی میں وزیر آباد، نوشہرہ، جہلم اور پشاور وغیرہ میں عمارتی سامان کی جستجو کی جا رہی تھی کہ ڈی۔ بی ہائی سکول بھاگٹانوالہ (ضلع سرگودھا) کے ایک مخلص احمدی ماسٹر جناب ممتاز صحرائی صاحب کا ۱۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کا ایک خط حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پہنچا کہ یہاں ایک ہوائی اڈے کا سامان قابلِ فروخت بہت بڑی مقدار میں پڑا ہے اور خان میاں خاں رئیسِ سرگودہا کی تحویل میں ہے۔ اس اطلاع پر چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیر کو بھجوایا گیا جنہوں نے آکر یہ خوشکن رپورٹ دی کہ سامان واقعی کافی مقدار میں ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا "یہ سامان تو نعمت غیر مترقبہ ہے۔ فوراً آدمی جا کر سب سامان خرید لے۔ یہ مل جائے تو عمارت کا خرچ ½ کم ہو جائے گا۔ فوراً آدمی جائے

تاخیر نہ ہو"

قدیم اور مستند ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ اندازاً ساڑھے چار ہزار بلّی اور ساڑھے چار سو کے قریب دروازے اور کھڑکیاں بھاگٹانوالہ سے خریدی گئیں جن پر صرف بیس ہزار روپے صرف ہوئے اس عمارتی سامان نے نہ صرف عارضی تعمیرات کا مشکل مسئلہ حل کرنے میں بھاری مدد دی بلکہ بعد کو جب وقتی رہائش گاہیں گرادی گئیں تو سامان اچھے داموں پر فروخت ہوگیا یا صدر انجمن اور تحریک جدید میں تقسیم ہو کر بہترین جماعتی مصرف میں آیا۔ چنانچہ حضور کے حکم سے غرباء کے لئے جو مکانات بنائے گئے ان میں بھی یہ سامان استعمال کیا گیا۔ جب عارضی کوارٹروں کے گرانے کا مرحلہ آیا تو حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے قلم مبارک سے یہ ہدایت تحریر فرمائی کہ

"یہ کام سکرٹری صاحب تعمیر کی نگرانی میں ہو کسی اور کا دخل نہ ہو کیونکہ جو مال لگا ہے وہ ان کا ہے۔ ان کو موقعہ ملنا چاہیئے کہ سب کام سنبھال لیا ہے۔ مَیں ان کا سرٹیفکیٹ لوں گا۔ دو دفعہ۔ پہلی دفعہ کہ میرے سپرد یہ کام ہوا اور سب چیز موجود ہے۔ دوسری دفعہ کہ مَیں نے یہ کام کیا ہے اور سب مال لیا ہے کچی اینٹ بھی بچائیں۔ کوشش کی جائے" [۱]

اس کے بعد جب سیکرٹری صاحب تعمیر (عطا محمد صاحب) نے حضور کی خدمت میں مطلوبہ تصدیقات پیش کرکے سامان کی فروخت کے لئے اجازت چاہی تو حضور نے انہیں حکم دیا کہ

"فروخت کے قواعد پہلے منظور کرائیں"

چنانچہ ان احکام کی تعمیل کی گئی اور اس طرح خلیفۂ وقت کے بروقت اقدام اور رہنمائی کی بدولت قومی سرمایہ محفوظ ہو گیا۔

جہانتک خام اینٹوں کا تعلق تھا حضرت مصلح موعود نے ۲۹ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو اپنے دستخط سے یہ ہدایت جاری فرمائی کہ

---

[۱] حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے مکتوب (مورخہ ۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء) پر رقم فرمائی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ تحریک جدید کے سینئر کوارٹر بنائے گئے ہیں جن کی وجہ سے عارضی تعمیرات کا ایک حصہ گرانا پڑے گا۔ صاحبزادہ صاحب ان دنوں تعمیرات تحریک جدید کے انچارج کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

"ظلی صدر انجمن و تحریک جدید کا فرض قرار دیا جاتا ہے کہ وہ یہ انتظام کرے کہ روزانہ پچیس ہزار کچی اینٹیں تیار ہوں اور جو سرکنڈا خریدا گیا ہے اسے کٹوا کر منگوایا جائے اور جو اخراجات ان کاموں کے لئے مطلوب ہوں ان کا اسٹیمیٹ پیش کر کے منظوری حاصل کی جائے"

اس ارشاد پر اگرچہ خشت خام تیار کی جانے لگی مگر پانی کی کمی اور مزدوروں کی قلت کے باعث رفتار بے حد سست رہی۔ پیش آمدہ مشکلات کی بناء پر حضور سے درخواست کی گئی کہ چنیوٹ کے ایک ٹھیکیدار سے تیار شدہ کچی اینٹیں خرید لی جائیں۔ مگر حضور نے نہایت سختی سے یہ تجویز رد کر دی اور فرمایا کہ ہرگز نہیں جس نے ایسا کیا اسے جماعت سے فارغ کر دیا جائے گا۔ میں کوئی عذر نہیں سنوں گا۔ . . . جس طرح بھی ہو روزانہ پچیس ہزار اینٹ تیار ہونی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے برگزیدہ بندوں کے دل میں کوئی تحریک القاء فرماتا ہے تو خارج میں اس کے مطابق تغیرات اور مادی سامان بھی پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ راجہ محمد نواز صاحب سابق نگران تعمیر کا بیان ہے کہ ایک موقع پر جب حضور نے انہیں حکم دیا کہ روزانہ پچاس ہزار کچی اینٹیں تیار ہونی چاہئیں تو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی تعداد تیار ہونے لگی۔

ربوہ میں پہلی عارضی عمارت کی بنیاد

المختصر جب کچی اینٹوں کی ایک معقول تعداد تیار ہو گئی تو ۷ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو خیموں کی مشرقی جانب وسطی پہاڑی کے دامن میں پہلی عارضی عمارت کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ چنیوٹ سے تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے اس کی بنیاد رکھی۔ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ربوہ میں موجود صحابہ نے بھی ایک ایک اینٹ نصب کی۔ یہ پہلی عمارت سات کمروں پر مشتمل تھی۔ یہ عمارت شروع میں چند ماہ تک دفتری گودام کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ چنانچہ ایک کمرہ بابو نور احمد صاحب چغتائی[1] کی زیر نگرانی سیمنٹ کے لئے مخصوص تھا۔ ایک میں دفتر جائداد کا لاہور سے خرید شدہ فرنیچر رکھا گیا۔ اور ایک میں انچارج صاحب لنگر خانہ نے گندم کا سٹاک رکھوایا۔ ایک کمرہ میں لائبریری کی کتب تھیں جن کا انتظام اُن دنوں مولوی عبدالرحمٰن

---

[1] والد ماجد مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مجاہد بلاد عربیہ (وفات ۱۴ ظہور/اگست ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء)

صاحب، اور وکیل الدیوان تحریک جدید کے سپرد تھا۔

یہ چاروں کمرے ۲۰ × ۳۰ فُٹ کے تھے۔ بقیہ تین میں سے دو کمرے دس دس فٹ مربع میں تھے اور ایک کمرہ ۲۰ × ۱۰ کا تھا۔

ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء کے پہلے جلسہ ربوہ پر اس پہلی عارضی عمارت میں لنگرخانہ قائم کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جب دوسرے عارضی لنگرخانے تیار ہو گئے تو یہ عمارت پرائیویٹ ہائش گاہ کے طور پر استعمال ہونے لگی جو اب تک موجود ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے نئے مرکز کی آبادی اور تعمیر میں شرکت کے خواہشمند اہلِ حرفہ کو تیار رہنے کا حکم

افتتاحِ ربوہ سے قبل اور بعد جماعت احمدیہ کے مرکزی آرگن "الفضل" میں پے در پے اعلانات[1] کئے گئے کہ جو معمار، بڑھئی، مستری، حلوائی، دودھ فروش، نانبائی، حجام، دھوبی، مزدور یا دوسرے اہلِ حرفہ جو شہری ضروریات کے کسی کام کا تجربہ رکھتے ہوں اور نئے مرکز میں کام کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ اپنی درخواستیں بھجوا دیں۔

ان اعلانات پر سینکڑوں دوستوں نے مخلصانہ لبیک کہا جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ لاہور ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کے موقعہ پر اظہارِ خوشنودی کیا اور انہیں ربوہ کے لئے تیار رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:-

"ہماری تحریک پر بڑھئی، معماروں اور دیگر کاریگروں نے کئی سَو کی تعداد میں مرکز میں کام کرنے کی درخواستیں دی ہیں۔ مَیں اُن سب کو اطلاع دیتا ہوں کہ اب وہ پابہ رکاب رہیں۔ جس وقت بھی انہیں اطلاع دی جائے انہیں فوراً ربوہ پہنچ کر کام شروع کر دینا چاہیئے۔ یاد رکھو ہمارا ایک ایک دن بہت قیمتی ہے اور مرکز کے قیام میں ایک ایک گھڑی کی تعویق بھی ہمارے لئے مضر ہے"[2]

---

[1] ملاحظہ ہو الفضل ۱۰-۱۱-۲۱ / تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء۔

[2] الفضل ۲۸ / فتح / دسمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

فصل سوم

ربوہ میں حضرت مصلح موعود کی پریس کانفرنس اور اخبارات میں چرچا

ربوہ کی بے آب و گیاہ زمین جسے جماعت احمدیہ کے اولوالعزم امام اور قائد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ایک شاندار اسلامی شہر میں بدلنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے، اگرچہ ابھی تک خیموں کے ایک مختصر سے کیمپ کا منظر پیش کر رہی تھی مگر خالص الٰہی تصرف کے باعث عام لوگوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنتی جارہی تھی اور ضرورت تھی کہ پبلک کو اس بستی کے وسیع جماعتی منصوبہ سے متعارف کرایا جائے تا حکومت اور پاکستان کے عوام کو بھی باہمی تعاون سے نئی بستیاں آباد کرنے کا شوق و ولولہ پیدا ہو اور ملک ایک نئی رُوح، نئے عزم اور نئے جوش کے ساتھ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے لگے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس عظیم دینی، قومی اور ملّی مقصد کے پیش نظر، ۸ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو ربوہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ اس کانفرنس میں لاہور کے تمام مشہور و ممتاز اور کثیر الاشاعت اردو و انگریزی اخبارات کے مدیر اور نامہ نگار شامل ہوئے اور نہایت گہرا اثر لے کر گئے۔

"الفضل" کے وقائع نگار خصوصی جناب ثاقب زیروی کی مطبوعہ رپورٹ کے مطابق حضرت امیرالمومنینؓ، سلسلہ احمدیہ کے بعض ممتاز اصحاب اور لاہور کے مدیروں اور چیف رپورٹروں کی معیت میں، ۸ ماہ نبوت / نومبر کو رتن باغ لاہور سے پونے نو بجے صبح موٹر کار میں روانہ ہوئے اور قریباً بارہ بجے ربوہ میں رونق افروز ہوئے۔

حضور کے ہمراہ مندرجہ ذیل بزرگ اور احباب سلسلہ تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور، نواب محمد الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ ایم۔ اے، ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب اور چوہدری اعجاز نصراللہ خاں صاحب۔

جریدہ نگاروں کا قافلہ مندرجہ ذیل شخصیتوں پر مشتمل تھا :-

کرنل فیض احمد صاحب فیض (چیف ایڈیٹر پاکستان ٹائمز) میاں محمد شفیع (چیف رپورٹر پاکستان ٹائمز) مسٹر جمیل الزمان (چیف رپورٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ) مولانا عبدالمجید سالک (مدیر اعلیٰ روزنامہ انقلاب) سردار فضلی (چیف رپورٹر روزنامہ احسان) میاں صالح محمد صدیق (چیف نیوز ایڈیٹر روزنامہ مغربی پاکستان) مولانا باری علیگ (برٹش انفارمیشن سروس) چودھری بشیر احمد (نائب مدیر روزنامہ سفینہ) مسٹر عبداللہ بٹ (برٹش انفارمیشن سروس) مسٹر عثمان صدیقی (مینجر اینڈ چیف رپورٹر سٹار نیوز ایجنسی) پروفیسر محمد سرور (مدیر ہفتہ وار آفاق) جناب محمد صدیق ثاقب زیروی (نامہ نگار خصوصی الفضل)

معزز مہمانوں کے لئے نصب شدہ خیموں میں سے ایک خیمہ کے اندر کھانے کا انتظام تھا جو تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کے سپرد تھا اور جنہوں نے اس فریضہ کو اس احسن طریق سے سرانجام دیا کہ جریدہ نگاروں نے ربوہ سے رخصت ہوتے وقت ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

کھانے کے بعد حضور نے پریس کے نمائندوں کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ اس زمین کو حکومت بالکل ناقابلِ کاشت قرار دے چکی ہے۔ گرمی کے متعلق ریسرچ والوں کا کہنا یہی ہے کہ یہاں گرمی بہت زیادہ پڑے گی۔ لیکن ہم اس جنگل کو منگل بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ ایک عرصے کی کوشش کے بعد پانی نکلا ہے لیکن وہ نمکین زیادہ ہے لہذا ابھی مزید کوشش کی جائے گی۔ حضور نے "ربوہ" پر آباد کئے جانے والے شہر کا نقشہ سامنے رکھ کر بتایا کہ اس کی تعمیر امریکی طرز پر ہوگی جس میں ہسپتال، کالج، سکول، ویٹرنری ہسپتال، ریلوے سٹیشن، ڈاک خانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر کے علاوہ صنعتی اداروں کے لئے بھی ایک طرف جگہ چھوڑی گئی ہے۔

حضور نے بتایا کہ ہم فی الحال پختہ بنیادوں پر کچی دیواریں ہی کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور اس پر کم از کم خرچ کا اندازہ ۱۳ لاکھ روپیہ ہے۔ اس کے بعد جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے پختہ مکانات تعمیر کرنے کا موقعہ دیگا تو مزید ۱۷-۱۸ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ گویا تیس لاکھ کے قریب رقم تو اس پر سلسلہ ہی کو خرچ کرنی پڑیگی۔ دوسرے لوگ جو اپنے مکانوں پر خرچ کریں گے وہ اس کے علاوہ ہوگا۔ اس سے آپ لوگ اندازہ کرسکتے ہیں

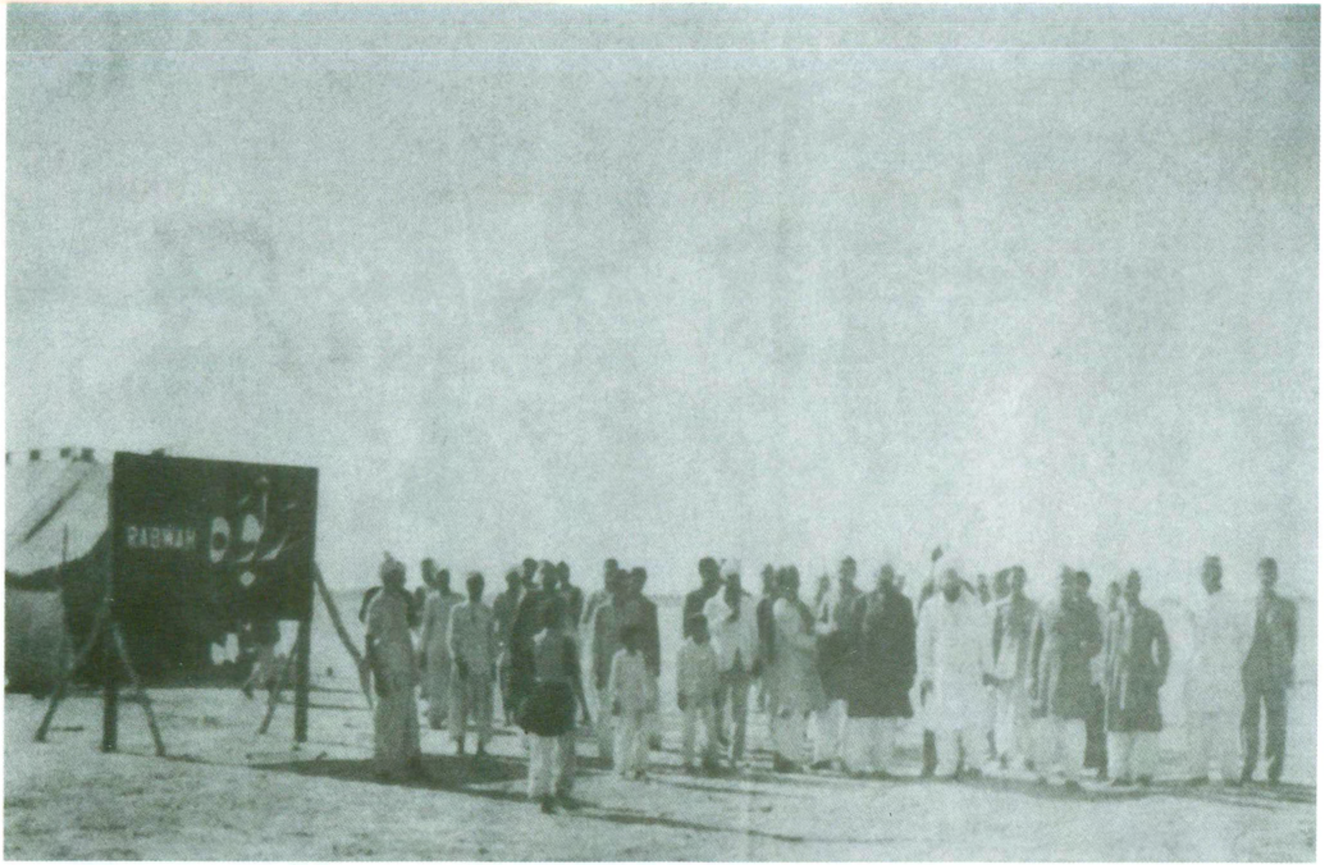

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ربوہ میں لاہور کے ممتاز اور نامور صحافیوں کے ساتھ

(ان تصاویر میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب

مکرم محمد صدیق ثاقب صاحب زیروی اور چوہدری اسد اللہ خان صاحب بھی نظر آرہے ہیں)

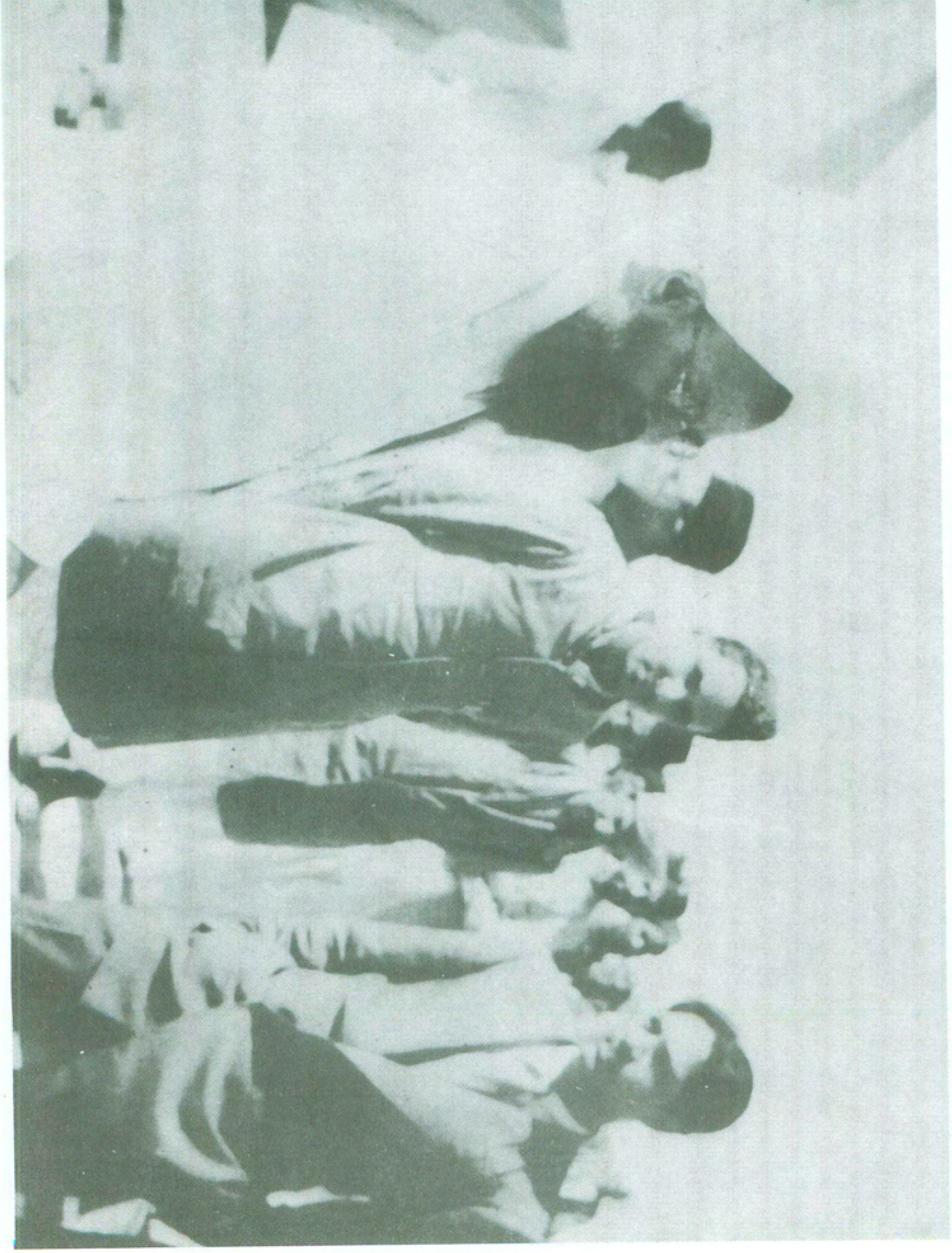

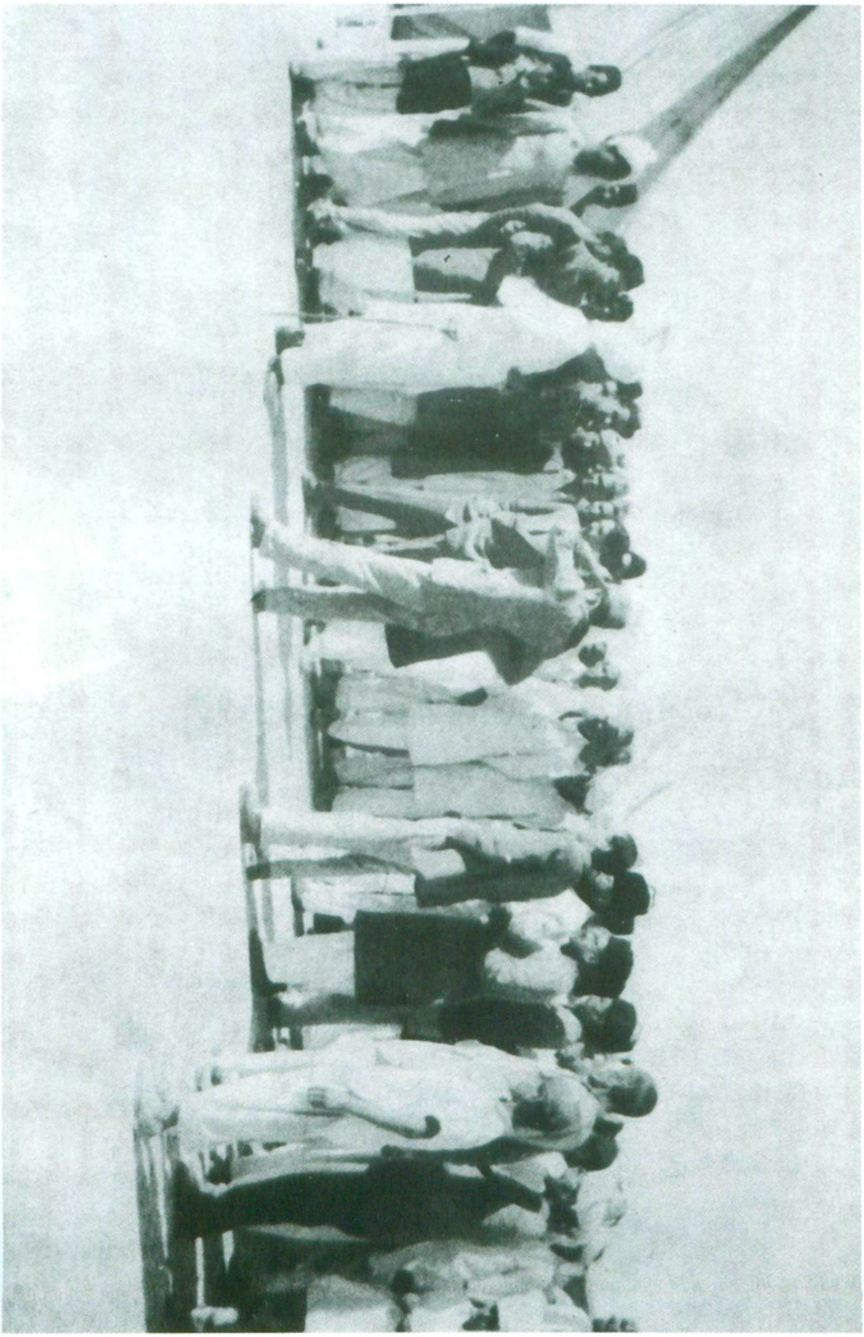

کہ ہمیں یہ زمین کتنی مہنگی پڑے گی اور اس پر سلسلے کو کس قدر محنت اور مشقت کرنی پڑے گی۔

حضور نے اس کے علاوہ حدود اربعہ اور مغربی پنجاب کی ہندوستان سے لگنے والی سرحدوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ یہ جگہ صوبے کے عین وسط میں پڑتی ہے اور اگر اسی کے محل وقوع میں خالی قطعات ارض پر حکومت جدید نمونے کے صنعتی شہر آباد کرائے تو یہ شہر پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کا کام دے سکیں گے۔

حضور کے خطاب کے بعد چند ضروری کاموں کی وجہ سے پاکستان ٹائمز کے مدیر اعلیٰ کرنل فیض احمد صاحب، مسٹر عثمان صدیقی، شیخ بشیر احمد صاحب اور عبدالرحیم صاحب پراچہ واپس تشریف لے آئے۔ حضور ان مہمانوں کو سڑک تک چھوڑنے کے لئے پیدل تشریف لے گئے۔

جناب فیض صاحب کے روانہ ہونے کے بعد اخبار نویسوں کا یہ مجمع بیٹھنے کے لئے مخصوص خیمے میں آ گیا جہاں مدیر اعلیٰ روزنامہ انقلاب جناب سالک نے اپنے کلام بلاغت نظام سے محظوظ فرمایا۔

یہ شعر و شاعری کا دور ابھی شروع تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد حضور کا پیغامبر یہ پیغام لئے ہوئے پہنچا کہ آؤ ذرا دبوہ سے آگے پندرہ سولہ میل چل پھر آئیں۔ چنانچہ یہ سارے کا سارا قافلہ کاروں پر سوار ہو کر کئی ہزار ایکڑ بنجر زمین کے ایک میدان میں آ گیا جس کے شمال میں بہت اونچی پہاڑیوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا۔ ٹکڑے کی اہمیت کی وضاحت کے بعد پہاڑیوں کی بلندی پر بنے ہوئے چند مکانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس پر ہندو یوگیوں کی ایک بستی تھی اور یہ بستی پورے ہندوستان کے سارے یوگیوں کا مرکز تصور ہوتی تھی۔ اسے پنجابی میں بھگت بالناتھ کا ٹلہ یا ٹیلہ بھی کہا جاتا ہے۔

واپسی پر حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب اور اُن کے رفقاء کار (مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور اور چودھری عبدالسلام صاحب اختر) نے مہمانوں کو چائے پلائی اور چائے کے بعد قریباً پانچ بجے انتہائی خوشگوار ماحول میں جریدہ نگاروں کا یہ قافلہ حضور کے ہمراہ واپس لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں اگر سست روی کی وجہ سے کوئی کار قافلے سے دور رہ جاتی تو حضور انور اپنی کار روک لیتے جب تک ساتھ نہ آ ملتی۔ المختصر یہ قافلہ حضرت مصلح موعود کی قیادت میں ٹھیک سوا آٹھ بجے شب واپس رتن باغ لاہور پہنچ گیا۔[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۹ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء

اخبارات میں تفصیلی خبر اور جماعت احمدیہ کو خراج تحسین

حضرت امیرالمومنین سیدنا و امامنا و مرشدنا المصلح الموعود رضی کا خطاب اتنا اثر انگیز اور پُر جذب تھا کہ صحافیوں نے جلی اور شہ سرخیوں سے اس کی مفصل خبر شائع کی اور جماعت احمدیہ اور اس کے امام ہمام کو اس عزم و ہمت پر خراج تحسین ادا کیا

۱- اخبار "احسان" نے لکھا :-

"مغربی پنجاب میں امریکی طرز پر ایک نئے شہر کا کام شروع ہوگیا
یہ شہر پچیس لاکھ کے مصرف سے ایک سال میں مکمل ہو جائیگا

لاہور۔ ۸ر نومبر۔ جماعت احمدیہ کے امیر مرزا بشیرالدین محمود احمد کی دعوت پر مقامی اخبار نویسوں کی ایک پارٹی جماعت احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز ربوہ کو دیکھنے گئی جو لاہور سے کوئی ایک سَو میل اور چنیوٹ سے پانچ میل کے فاصلہ پر دریائے چناب کے غربی کنارے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں ایک بے آب و گیاہ غیر مزروعہ اور ناقابل آبادی قطعہ زمین پر آباد کیا جا رہا ہے۔ زمین کا یہ ٹکڑا جو ایک ہزار چونتیس ایکڑ پر مشتمل ہے اور جسے حکومت سے خرید لیا گیا ہے ان دنوں جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کا مرکز بن رہا ہے۔ یہاں ربوہ نام سے امریکی طرز پر ایک جدید ترین شہر زیر تعمیر ہے جس کی لاگت کا ابتدائی اندازہ کوئی پچیس لاکھ روپے کے قریب لگایا گیا ہے جائے وقوع کے لحاظ سے ربوہ لائل پور اور سرگودھا کے عین وسط میں واقع ہے۔ اس کے تین طرف تو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں قدرتی ڈیفنس کے طور پر کھڑی ہیں لیکن جنوب مغربی سمت سے یہ کھلا پڑا ہے اور اس کا سلسلہ دُور تک مزروعہ زمین سے ملتا چلا گیا ہے ریلوے لائن اور پختہ سڑک اس قطعہ زمین کے پاس سے گذرتی ہیں۔ لیکن زمین میں مادہ شور ہونے کی وجہ سے کئی کئی میل تک آبادی کا کہیں نام و نشان نہیں۔

صبح نو بجے روانہ ہو کر اخبار نویسوں کا قافلہ کوئی تین گھنٹے میں ربوہ پہنچ گیا جہاں سینکڑوں رضاکار خیمے وغیرہ نصب کرنے میں مصروف تھے۔ اخبار نویسوں کے علاوہ اس قافلہ میں مرزا بشیرالدین محمود احمد، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ، مرزا بشیر احمد ، نواب محمد الدین، چودھری اسداللہ خاں، شیخ بشیر احمد، مسٹر عبدالرحیم درد اور چودھری نصراللہ خاں شامل تھے۔

ربوہ پہنچنے پر مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ انہوں نے نئے شہر کی تعمیر کا نقشہ امریکی طرز پر بنوایا ہے اور یہ شہر پاکستان بھر میں اپنی نوعیت کا پہلا شہر ہوگا اس میں سکول، کالج، ہسپتال، واٹر ورکس اور بجلی گھر، غرضکہ ایک جدید طرز کے شہر کے تمام لوازمات مہیا کئے جائیں گے۔ ریلوے سٹیشن اور ڈاکخانہ، تار گھر کھولنے کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی گئی ہے اور بہت جلد ان کی تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔

مرزا صاحب نے بتایا کہ وہ خشک اور بنجر پہاڑیوں کو سیرگاہوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان پہاڑیوں پر مختلف قسم کے پھول اور سبزی وغیرہ اُگانے سے ایک تو موسم گرما میں اس نئے شہر کے لوگ گرمی کی شدت سے محفوظ رہ سکیں اور دوسرے ان پہاڑیوں پر سیر و تفریح کا لطف بھی اُٹھایا جا سکے۔ آپ نے اخباری نمائندوں کے سامنے ربوہ نام کی تاریخی اہمیت مذہبی حیثیت کو اپنے الہامات اور رویاء کی روشنی میں واضح کیا اور امید ظاہر کی کہ وہ ایک سال کے اندر اندر نئے شہر کی تعمیر کے کام کو مکمل کر لیں گے۔

مرزا صاحب نے بتایا کہ نہ صرف مغربی پنجاب بلکہ مغربی پاکستان میں اس قسم کے کئی بنجر اور اور غیر آباد علاقے بے مصرف پڑے ہیں۔ اگر مشرقی پنجاب کے بڑے بڑے شہروں مثلاً جالندھر امرتسر اور لدھیانہ کے مسلمان اپنی سابقہ جماعت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی صنعتوں کو کوآپریٹو رکھنا چاہتے ہیں تو اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ ربوہ کی قسم کے نئے قصبوں کو بسائیں ویسے بھی کئی دفاعی ضرورتیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہمارے صنعتی علاقے سرحد سے کافی دُور ہوں اور اُن کی ڈیفنس کا کوئی قدرتی انتظام ہو۔ صرف اسی صورت میں ہم اطمینان سے بیٹھ کر اپنی صنعتوں کو ترقی یافتہ ممالک کے معیار پر لا سکتے ہیں۔

آپ نے بتایا کہ یہاں ربوہ سے سرگودھا جانے والی سڑک پر کوئی سترہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں کے دامن میں تین چار (ہزار) ایکڑ پر مشتمل ایک سرکاری قطعہ زمین پڑا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا۔ اگر لدھیانہ یا امرت سر کے کاریگر اس قطعہ زمین کو حاصل کر کے یہاں ایک صنعتی شہر آباد کرنا چاہیں تو حکومت سے بھی مدد کی امید کی جا سکتی ہے۔

اخبار نویسوں کے اشتیاق پر مرزا صاحب نے اس قطعہ زمین کے دورہ کا بھی پروگرام بنایا

چنانچہ تیسرے پہر پورے قافلے نے اس سرکاری اراضی کو بھی دیکھا۔ یہ اراضی ایک ایسی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جسے بعض روایتوں کی بناء پر گورو بالناتھ کا ٹیلہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رانجھا نے اس ٹیلہ پر گورو بالناتھ سے یوگ لیا تھا اور کان چھدوا کر مندریں ڈالی تھیں۔ کوئی سات سو برس سے یہ ٹلہ ہندو جوگیوں کے قبضہ میں تھا۔ لیکن گذشتہ فسادات کے موقعہ پر یہ جوگی ہندوستان چلے گئے تھے۔ آج کل یہ ٹلہ جس پر تقسیم سے پہلے اچھی خاصی آبادی تھی ویران پڑا ہے۔ اس قطعہ زمین میں کبھی کبھی پولیس والے چاند ماری کے لئے آجاتے ہیں۔ ورنہ یہ زمین بالکل بیکار پڑی رہتی ہے۔

مرزا صاحب نے کہا کہ اگر حکومت اس رقبہ میں ایک صنعتی شہر تعمیر کرانے کا پروگرام بنالے تو اس قسم کے دوسرے مقامات پر بھی نئے نئے شہر بننے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ٹلہ بالناتھ سے واپسی پر اخبار نویسوں کی طرف سے مولانا عبدالمجید صاحب سالک نے ربوہ کے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا اور یہ قافلہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے ہمراہ رات کے وقت واپس لاہور پہنچ گیا"

۲۔ روزنامہ "مغربی پاکستان" نے حسب ذیل الفاظ میں خبر شائع کی:۔

"چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر احمدیوں نے ایک شہر بنانے کا کام شروع کر دیا

شہر جدید طرز اور امریکی نوعیت کا ہوگا

ابتدائی سکیم کی تیاریاں

لاہور۔ ۷ر نومبر۔ آج مرزا بشیرالدین محمود احمد امیر جماعت احمدیہ کی دعوت پر لاہور کے تمام اخبارات کی ایک پارٹی نے ربوہ کا دورہ کیا جو چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے جب پریس پارٹی ربوہ پہنچی تو وہاں برسرکردہ اصحاب نے اخبارات کے نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ ربوہ کا وہ علاقہ دکھایا جہاں جدید طرز کا ایک چھوٹا سا شہر آباد کیا جائے گا۔ یہ جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے دامن میں ایک خوشنما قطعہ اراضی ہے۔

مرزا بشیرالدین محمود احمد نے اخبارات کے نمائندوں کو بتایا کہ جماعت احمدیہ نے حکومت مغربی

پنجاب سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ ایکڑ زمین خریدی ہے جہاں امریکی طرز پر ایک چھوٹا سا شہر تعمیر کیا جائے گا۔ ہسپتال، کالج، سکول، وٹرنری ہسپتال، ریلوے اسٹیشن، ڈاکخانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر لگانے کا بندوبست کیا جا چکا ہے۔ ماہرین تعمیرات نے شہر کی تعمیر کا ابتدائی نقشہ امریکی طرز پر تیار کر لیا ہے جو عنقریب ٹاؤن پلینر کی منظوری کے لئے اُن کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس شہر کی ضروری عمارتوں کی تعمیر پر تقریباً تیرہ لاکھ روپیہ صرف ہوگا جو جماعت برداشت کرے گی۔

مرزا صاحب نے مزید بتایا کہ وہ شہر کو اس قدر دلفریب اور جدید نوعیت کا بنانا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک نمونہ ہو اور حکومت بھی اس قسم کے شہر ان علاقوں میں تعمیر کرے جو فضول پڑے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو ایک بہترین خطۂ ارضی بنایا جائے اور یہ اسی طرح ہی ممکن ہے۔ اگر حکومت ان علاقوں میں جدید طرز کے گاؤں اور شہر بنانے کا کام شروع کر دے تو تھوڑے ہی عرصے میں تمام پاکستان جنت نظیر بن سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ربوہ میں کارخانے بھی لگائے جائیں گے جو ضروریاتِ زندگی تیار کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ایک حصہ وقف کر دیا گیا ہے۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ جونہی حکومت نے شہر کی تعمیر کی اجازت دے دی تو بیک وقت کام شروع کر دیا جائے گا۔ اور ایک سال کے اندر اندر شہر کو مکمل کر دیا جائے گا۔ ربوہ کا دورہ کرنے کے بعد اخبار نویسوں کو ٹیلہ بالناتھ کا دورہ کرایا گیا جہاں سات ہزار ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے۔ آپ نے یہ بھی توقع ظاہر کی کہ اگر حکومت اس زمین پر ایک شہر تعمیر کرنے کا پروگرام بنائے تو ایک بہترین شہر اس علاقہ میں تعمیر ہو سکتا ہے۔

۳۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نامہ نگار خصوصی نے لکھا:۔

احمدیوں کا نیا مرکز۔ ربوہ

لاہور کے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی نے گذشتہ اتوار کو ربوہ کے مقام پر ایک نہایت خوشگوار ٹرپ کی۔ ربوہ شیخوپورہ اور سرگودھا کے درمیان کی سڑک پر چنیوٹ سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس جگہ جماعت احمدیہ نے اپنے مرکزی دفاتر قائم کرنے کے لئے ایک ہزار

چونتیس ایکڑ زمین خریدی ہے۔ جماعت احمدیہ کے امام مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ سردست نئی بستی کے قیام پر تیرہ لاکھ روپیہ کے خرچہ کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ ہم یہاں پر ایک ایسا معیاری قصبہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں ہسپتال، تعلیمی ادارے اور ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے علاوہ مقامی باشندوں کے لئے ہر ممکن سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

دریائے چناب سے واٹرپمپ کے ذریعہ سے قصبہ کے لئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ اخبار نویسوں کی پارٹی نے ربوہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک اور موزوں قطعہ زمین بھی دیکھا جہاں ایک صنعتی بستی قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ قطعہ سرگودھا کی نہری نوآبادی سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔"

۴۔ "سٹار" کے چیف رپورٹر نے لکھا:۔

"
امام جماعت احمدیہ ربوہ کو پاکستان میں نمونہ کا شہر بنانا چاہتے ہیں
لاہور سے سَو میل دُور ــــــــ احمدیوں کا نیا مرکز

لاہور۔ ۸ر نومبر۔ لاہور سے سَو میل دُور احمدی ایک شہر بنام ربوہ تعمیر کر رہے ہیں جو جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کا مرکز ہوگا۔ شہر کے نام ربوہ کو جس کے معنے ایک پہاڑی ٹیلے کے ہیں۔ مذہبی اہمیت بھی حاصل ہے۔ احمدیوں کے معروف عقیدے کے مطابق حضرت عیسٰی علیہ السلام نے صلیب پر جان نہیں دی بلکہ ابھی ان پر غشی اور بے ہوشی کی سی حالت طاری تھی کہ ان کے حواری انہیں صلیب سے اُتار کر کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے ایک پہاڑی ٹیلے پر پناہ لی۔ احمدی قادیان سے اپنی حالیہ ہجرت کو بھی اسی ہجرت کے مشابہ جان کر کہتے ہیں کہ انہوں نے قادیان سے نکالے جانے کے بعد اس بے آب وگیاہ غیر مزرعہ کوہستانی علاقہ میں پناہ لی ہے جس کا نام ربوہ تجویز کیا گیا ہے۔

یہ شہر جس کی تعمیر کے متعلق جماعت احمدیہ نہایت بلند اور حوصلہ افزاء عزائم رکھتی ہے بارہ سَو ایکڑ اراضی پر پھیلا ہوا ہوگا اور اس کی تعمیر پر اوسط اندازے کے مطابق کم از کم پچاس لاکھ روپیہ

خرچ آئے گا۔ ربوہ میں دو کالج ہوں گے۔ ایک لڑکیوں کا اور ایک لڑکوں کا۔ اس کے علاوہ کئی اور سکول، ایک بڑا ہسپتال، شفاخانہ حیوانات، ڈاک خانہ اور تار گھر اور ریلوے سٹیشن ہوگا۔ بجلی مہیا کرنے کے انتظامات بھی کئے جا رہے ہیں بلکہ ایک جنریٹر تو پہنچ بھی چکا ہے اور ابھی دو اور جنریٹر بہت جلد لائے جائیں گے

جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی کو (جو ربوہ دیکھنے کے لئے گئی تھی) بتایا کہ وہ اسے پاکستان میں ایک نمونے کا شہر بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں جو امریکی طرز پر تعمیر کیا جائے گا۔ اس شہر میں صنعتی اداروں کے لئے بھی جگہ رکھی جائے گی جو شہری آبادی سے ذرا ہٹ کر ہوگی۔ توقع ہے کہ شہر کی تعمیر ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی اور جماعت احمدیہ کا آئندہ سالانہ جلسہ جو اگلے دسمبر میں ہونے والا ہے بھی ربوہ ہی میں منعقد کیا جائے گا۔"

۵۔ "پاکستان ٹائمز" کے نامہ نگار خصوصی نے حسب ذیل خبر دی:۔

پاکستانی احمدیوں کا نیا مرکز

"دریائے چناب کے دائیں کنارے چنیوٹ کے قرب میں ایک نئے مثالی شہر کی بنا رکھنے میں نہایت دور اندیشی اور صحیح تخیل کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس شہر کی آبادکاری کے لئے بارہ سو (۱۰۳۴۔ ایکڑ مترجم) ایکڑ اراضی کا ایک قطعہ منتخب کیا گیا ہے اور اس کا نام ربوہ تجویز ہوا ہے۔ پکی شاہراہ سے چند قدموں کے فاصلہ پر اتفاقاً گذرنے والوں کے لئے یہ ایک خوبصورت مقام ہوگا۔ یہاں مہاجر احمدیہ خلافت کا مرکز بنایا جائے گا۔ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے جو اخبار نویسوں کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے، بیان کیا کہ ایک رؤیا جو انہوں نے کچھ دن ہوئے دیکھی تھی اور قرآن کریم کی ایک آیت نے ان کو اس اراضی کے انتخاب میں جسے حکومت نے ناقابلِ زراعت اور بنجر قرار دے دیا تھا مدد دی ہے۔

انجمن کے دفاتر، ہسپتال، سکول، کالج اور سڑکیں تیار کرنے میں ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ کے ابتدائی خرچ کا تخمینہ کیا گیا ہے جونہی صوبائی مجوزہ تعمیرات تعمیری نقشہ جات کو منظور کرے گا،

تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ اخبار نویسوں کو اس مقام سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک اور سات ہزار ایکڑ کا قطعہ اراضی بھی دکھایا گیا جو ایک صنعتی شہر کی آبادی کے لئے نہایت موزوں ہے۔ "[1]

۶۔ "امروز" نے "قادیان کی بجائے ربوہ" کے عنوان سے یہ شذرہ لکھا:۔

"قادیانی جماعت نے چنیوٹ کے قریب ایک بستی بسائی ہے جس کا نام ربوہ رکھا گیا ہے۔ سِول اینڈ ملٹری گزٹ نے اس بستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ربوہ کے معنی مقام خداوندی کے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ ربوہ عربی میں ٹیلے کو کہتے ہیں۔ قادیانیوں کے بانی مرزا غلام احمد تھے جو قادیان کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا۔ ان کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین تھے جنہوں نے ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔ قادیانی جماعت کے موجودہ امام مرزا بشیرالدین محمود احمد جو مرزا غلام احمد صاحب کے بیٹے ہیں دوسرے خلیفہ ہیں۔ حکیم صاحب کے انتقال پر قادیانی جماعت دو گروہوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک جماعت نے مرزا بشیرالدین محمود احمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دوسری جس کے سرگروہ مولوی محمد علی تھے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور لاہور کو اپنا مرکز بنایا۔ اس جماعت کے امیر مولوی محمد علی ہیں۔ دونوں جماعتوں میں عقائد کے لحاظ سے بھی اختلافات ہیں۔ مثلاً اوّل الذکر جماعت مرزا صاحب کو نبی کہتی ہے۔ ثانی الذکر کا خیال ہے کہ وہ مسیح موعود اور مجدد تو تھے لیکن نبی نہیں تھے۔ ان کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔
قادیانی جماعت کے نزدیک قادیان کو بڑا تقدس حاصل ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ربوہ کو بھی وہ تقدس حاصل ہوگا یا نہیں؟ "

۷۔ "ڈان" نے لکھا:۔

دریائے چناب کے کنارے احمدیہ جماعت کی نئی بستی

"لاہور۔ ۹ نومبر۔ دریائے چناب کے دائیں کنارے پر متصل چنیوٹ ایک نیا شہر جس کا نام ربوہ رکھا گیا ہے۔ احمدیہ جماعت کے مہاجرین کی آبادی کے لئے جماعت احمدیہ تعمیر کر رہی ہے۔ اس شہر کے آغاز میں دو ہزار مکانات بنائے جائیں گے"

---

[1] پاکستان ٹائمز ۹ نومبر ۱۹۴۸ء بحوالہ الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۴۸ء

صدر انجمن احمدیہ کو انجمن کے دفاتر، سکول، ہسپتال، کالج، سڑکیں وغیرہ بنانے کے لئے فی الحال ساڑھے تیرہ لاکھ روپے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔

جونہی محکمہ مجوزہ تعمیرات سے تعمیری نقشہ منظور ہو کر وصول ہو جائے گا تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا نقشہ منظوری کے لئے پیش کر دیا گیا ہے۔"

۸۔ مولانا وقار انبالوی نے "سفینہ" (۱۳؍ نومبر ۱۹۴۸ء) میں لکھا:۔

ربوہ حکومت اور عوام کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال ہے

گذشتہ اتوار کو امیر جماعت احمدیہ نے لاہور کے اخبار نویسوں کو اپنی نئی بستی ربوہ کا مقام دیکھنے کی دعوت دی اور انہیں ساتھ لے کر وہاں کا دورہ کیا۔ اس دورے کی تفصیلات اخباروں میں آچکی ہیں۔ ایک مہاجر کی حیثیت سے ہمارے لئے ربوہ ایک سبق ہے۔ ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں سے بھی اُجڑے اور یہاں بھی کس مپرسی نے انہیں منتشر رکھا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ رب العالمین کے پرستار اور رحمۃ للعالمین کے نام لیوا، مساوات و اخوت کے علمبردار۔ لیکن اتنی بڑی مصیبت بھی انہیں یکجانہ کر سکی۔ اس کے برعکس ہم اعتقادی حیثیت سے احمدیوں پر ہمیشہ طعنہ زن رہے ہیں لیکن ان کی تنظیم، ان کی اخوت اور دُکھ سُکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کر دی ہے۔ مہاجرین میں وہ لوگ بھی آئے جن میں خدا کے فضل سے ایک ایک آدمی ایسی بستیاں بسا سکتا ہے لیکن ان کا روپیہ اُن کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آسکا۔ ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی ہمارے لئے محلِ نظر ہے۔ وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونہ پر بسا سکتی ہے۔ اس طرح ربوہ عوام اور حکومت کے لئے ایک مثال ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعوے کئے بغیر کچھ کر دکھاتے ہیں" [1]

---

[1] بحوالہ الفضل ۹ تا ۱۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء۔

فصل چہارم

کوائفِ قادیان

درویشوں کا سوشل بائیکاٹ

۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کا آغاز درویشانِ قادیان کے لئے صبر و رضاء کے ایک نہایت کٹھن امتحان سے ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آخری بڑے کنوائے کے بعد ایک دن اچانک بعض ٹرک درویشوں کے پاس آن پہنچے۔ یہ ٹرک جو پاکستان سے گورداسپور میں پناہ گزین پہنچانے کے لئے آئے تھے اور بلاوجہ واپسی پر قادیان کی مسلم آبادی کے انخلاء کے لئے بھجوا دیئے گئے، درویشوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ یہ ہمارے ٹرک نہیں۔ ہم ان پر نہیں جائیں گے اور نہ ہم میں سے اب کوئی پاکستان جانے والا ہے۔

اس واقعہ سے مقامی افسروں اور باشندوں دونوں کو یقین ہوگیا کہ احمدی فی الحقیقت مستقل طور پر قادیان میں بود و باش رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر ان مقامی باشندوں کو بہت شاق گذری جو ۱۹۴۷ء کی غارت گری میں نمایاں طور پر شامل اور احمدیوں کی کوٹھیوں اور جائدادوں پر قابض ہو چکے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ درویشوں کو کسی نہ کسی طرح تنگ کر کے قادیان سے نکال دیا جائے۔

قادیان کے ایک متعصب ہندو دکاندار (امرناتھ) کے ساتھ جماعت کے تعلقات عرصہ سے کشیدہ تھے اور بیوپار کے سلسلہ میں اس پر بعض جماعتی پابندیاں عائد تھیں۔ اس ہندو دکاندار نے احمدیوں سے انتقام اور ان کے خلاف محاذ آرائی کا یہ موقعہ غنیمت جانا اور اس پرانی کشمکش کو بائیکاٹ کا نام دے کر پہلے سردار حکم سنگھ ایڈووکیٹ مجسٹریٹ قادیان کو اشتعال دلایا۔ پھر یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو قادیان کے سب دکانداروں سے دستخط کرائے کہ وہ درویشوں کا مکمل سماجی بائیکاٹ کریں گے۔ اگلے

روز یہ مشہور کر دیا گیا کہ ننکانہ صاحب میں مقیم سارے سکھ موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے ہیں۔ اس جھوٹی اور بالکل بے بنیاد افواہ نے شہر بھر میں ایک آگ سی لگا دی اور غیظ و غضب کا ایک طوفانِ عظیم اُمڈ آیا۔ درویشوں کو قادیان سے نکال باہر کرنے کی در پردہ سازشیں زور پکڑ گئیں۔

قبل ازیں فتنہ پرداز عناصر نے قادیان کے مجسٹریٹ اور ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کو میموریل بھی بھیجے کہ درویشوں کے گھروں سے ناجائز اسلحہ برآمد ہو رہا ہے لہٰذا ہمیں ان سے شدید خطرہ ہے۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ اس من گھڑت بات[1] کے ذریعہ سے پبلک میں نفرت و حقارت کی چنگاری ڈالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو انہوں نے سوشل بائیکاٹ کا بھی اعلان کر دیا۔

اس بائیکاٹ کو موثر اور کامیاب بنانے کے لئے ۷ر جنوری ۱۹۴۸ء کو گوردوارہ میں جلسہ ہوا۔ جس کے بعد بائیکاٹ شدت اختیار کر گیا۔ دودھ بند کرنے کے لئے احمدیہ بازار اور بیرونی راستوں میں پکٹنگ لگا دی گئی۔ احمدی شفاخانہ سے غیر مسلم مریض اُٹھا لئے گئے۔ جن شریف اور معزز ہندو یا سکھ دوستوں نے ذاتی تعلقات کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے احمدیوں کو سودا دیا ان کو بے عزت کیا گیا۔ بعض کا منہ کالا کیا گیا اور بعض کو جوتے بھی لگائے گئے۔

اس سختی کا ردِّ عمل یہ ہوا کہ لوگوں میں آخر بائیکاٹ کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ۲۳ر جنوری ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے سیٹھ پیارے لال صاحب کے لڑکے کشن لال صاحب نے کسی احمدی کو شلغم لا کر دیئے جس پر دو سکھوں نے اس کو تھپیڑ مارے جس کی وجہ سے قریب کے دوسرے ہندو دکاندار برہم ہو گئے چنانچہ بعض ہندو دکانداروں نے علانیہ کہا کہ ہم سودا دیں گے اور ہم اس فیصلہ کی پابندی نہیں کرتے۔ اور یہ کہ جماعت احمدیہ قادیان میں ۱۵ ہزار کے قریب تھی اور ہر طرح کی طاقت اور عزت کی مالک تھی لیکن ان کی طرف سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں دی گئی لیکن یہ لوگ ابھی قادیان میں

---

[1] اس مفروضہ خبر کی بازگشت ۸ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو پھر سُنی گئی جبکہ دہلی کے اخبار "پرتاپ" نے امرتسر کے نامہ نگار کے حوالہ سے یہ خبر وضع کی کہ قادیان میں مقبرے کے پاس ایک اسلحہ ساز فیکٹری پکڑی گئی ہے جس میں سے بہت سا ناجائز سامان برآمد ہوا ہے اور اس کے نتیجہ میں بارہ[12] مسلمان گرفتار کئے گئے ہیں اس کے بعد اخبار "جے ہند" جالندھر نے اپنی ۱۲ر ستمبر کی اشاعت میں مزید لکھا کہ قادیان کے بہشتی مقبرہ کے پاس جو اسلحہ ساز فیکٹری پکڑی گئی ہے اس میں مزید آٹھ مسلمان پکڑ لئے گئے ہیں۔ حالانکہ یہ خبریں بالکل غلط تھیں جن کا مقصد ملکی فضا اور مقامی حالات کو مسموم کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

پوری طرح آباد بھی نہیں ہوئے اور سر پر سوار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ ازاں بعد اسی دن سکونت رائے، ہرنبس لال (ولد کشن داس)، ساد ھو رام اور سائیں دکاندار مولوی برکات احمد صاحب کے پاس آئے اور کشن لال کے واقعہ کا ذکر کیا۔ نیز کہا کہ وہ اس مقاطعہ کی خلاف ورزی کریں گے اور جماعت کو سودا دیں گے اور اس بارہ میں باقاعدہ فیصلہ کر کے اس کو منسوخ کرانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ ۲۵ جنوری کی شام کو پنڈت دولت رام صاحب کی صدارت میں ایک میٹنگ کی گئی جس میں مقامی اور بیرونی لوگ شامل ہوئے۔ اس میٹنگ میں مقاطعہ کو ختم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء سے اس پر عملدرآمد بھی شروع ہو گیا۔

احمدیہ شفاخانہ کا قیام

۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء میں نور ہسپتال قادیان جماعت کے قبضہ سے نکل گیا۔ مکان اور فرسٹ ایڈ تک کا سامان بھی نہ رہا تھا۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں میجر ڈاکٹر محمود احمد صاحب[1] کچھ سامان اور ادویات فراہم کر کے درویشوں کی طبی خدمات بجا لاتے رہے۔

شروع ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء میں میجر صاحب پاکستان تشریف لے آئے اور یہ اہم فریضہ کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کے سپرد ہوا جسے آپ خدمت خلق کی بہترین رُوح کے ساتھ قریباً ساڑھے سات برس تک نبھاتے رہے۔[2]

ابتداء میں درویشوں کا طبی مرکز ڈاکٹر احسان علی صاحب والی دکان میں قائم کیا گیا۔ ان دنوں درویشوں کی نقل و حرکت صرف احمدیہ محلہ تک محدود تھی اور غیر مسلم بھی خال خال ہی احمدی علاقہ میں قدم رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو احمدیہ شفاخانہ کا چارج سنبھالے ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ بائیکاٹ کا المناک سانحہ پیش آ گیا۔ بائیکاٹ کے ایام میں آپ ایک مرتبہ چند دوستوں کے ہمراہ بہشتی مقبرہ دُعا کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں موضع ننگل کی ایک بُڑھیا آئی اور کہا کہ تم لوگ نیک ہو۔ اس مقدس مزار پر کھڑے ہو۔ میرا داماد سخت بیمار ہے اس کی شفا کے لئے دُعا کرو۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے کہا۔ مائی! ہم دُعا بھی کریں گے لیکن تم اپنے داماد کو ہمارے ڈاکٹر کو دکھا کر دوا وغیرہ بھی دو۔ پکٹنگ کی

---

[1] شہید احمدیت کوئٹہ۔

[2] آپ ۷ وفا / جولائی ۱۳۳۴ہش / ۱۹۵۵ء کو پاکستان منتقل ہوئے جیسا کہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "مکتوبات اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۱۱۴ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "قادیان اور اس کے ماحول میں غیر مسلموں کے اندر رواداری کی فضا قائم کرنے میں آپ کا بھاری عمل دخل تھا۔ آپ کی شفقت و مروت کا یہ اثر ہے کہ دُور و نزدیک کے ہندو سکھ آج تک اُن کو یاد کرتے اور ان کا نام عزت و احترام سے لیتے ہیں"

مشکلات کے پیش نظر دوسرے دن اپنے داماد کو چارپائی پر اُٹھا کر بہشتی مقبرہ کے گیٹ تک لے آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے وہاں جا کر مریض کو دیکھا اور ایک درویش کے ذریعہ دوا بھجوادی۔ دو تین روز بعد مریض کو افاقہ ہو گیا اور بڑھیا پکٹنگ والوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی دکان پر آگئی اور دو تین روز بعد اس کا داماد دو تین اور مریضوں کو ساتھ لے کر آگیا اور چند ہی روز بعد آس پاس کے مہاجر بھی آنا شروع ہو گئے۔ پندرہ روز کے اندر اندر مریضوں کی تعداد ۳۰، ۴۰ روزانہ تک پہنچ گئی۔ اس طرح پکٹنگ اور بائیکاٹ عملاً بالکل بیکار ہو کر رہ گیا۔ اور مریضوں کی آمد کے ساتھ ساتھ بعض غیر مسلم دودھ، سبزی، و دیگر ضروریات زندگی بیچنے کے لئے آنا بھی شروع ہو گئے۔

ڈاکٹر احسان علی صاحب کی دکان فسادات کے بعد بالکل خالی تھی۔ اس میں صرف ایک میز اور دو خالی الماریاں اور چند شیشیاں پڑی تھیں جن میں بعض میں بچی ہوئی ادویات تھیں۔ دو پرانے اور زنگ آلود چاقو اور دو ایک قینچی کے علاوہ کوئی دوسرا سامان نہ تھا۔ فرنیچر وغیرہ کا انتظام تو سٹور سے کر لیا گیا۔ ادویات اور دیگر سامان مہیا کرنا ناممکن نظر آرہا تھا۔ دارالمسیح اور قرب وجوار کے مکانات میں سے جہاں سے بھی کوئی بوتل شیشی وغیرہ مہیا ہو سکی شفاخانہ میں جمع کر لی گئی۔ ان میں سے بعض میں کارآمد ادویات بھی مہیا ہو گئیں۔ اس اثناء میں گورنمنٹ کی طرف سے قریباً مبلغ یکصد روپیہ کی مالیت کی چند ادویات ریفیوجی فنڈ سے درویشوں کو دی گئیں۔ اس عطیہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔

غیر مسلم مریضوں کی حاضری روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور تمام دوائیں ختم ہو گئیں۔ اس موقعہ پر ایک معزز سکھ دوست کے ذریعہ مبلغ ۸۰ روپیہ کی ادویات امرتسر سے منگوائی گئیں۔ شہادت/اپریل، ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش (۱۹۴۸ء) تک مریضوں کی تعداد ۹۰ سے ۱۰۰ تک روزانہ پہنچ گئی۔ شفاخانہ کے ذرائع آمد مسدود اور فنڈ محدود تھا۔ اس لئے فکر پیدا ہوئی کہ اتنے مریضوں کے اخراجات کیسے پورے ہو سکیں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے انجمن سے اس بات کی اجازت لی کہ غیر مسلم ذی استطاعت مریضوں سے علاج کے معاوضہ میں آنہ دو آنہ وصول کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سو ڈیڑھ سو روپیہ جمع ہو گیا جس سے مزید ادویہ اور سامان خریدا گیا اور اس طرح عوام کے علاج میں سہولت پیدا ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب اور دوسرے درویش اپنے علاقہ سے باہر نہ جا سکتے تھے۔ جوں جوں مریض زیادہ آتے گئے۔ ان میں سے بعض کو دیکھنے کے لئے ان کے گھروں میں جانا پڑتا اور اس کے لئے خاص اہتمام کرنا پڑتا

پہلے تو آپ چند درویشوں کی معیت میں جایا کرتے تھے لیکن آہستہ آہستہ خطرہ دُور ہوتا گیا اور پھر ڈاکٹر صاحب نے اکیلے ہی جانا شروع کر دیا۔ اس طرح قریبی گاؤں میں جانے کے لئے بغیر ٹانگہ اور تین چار ہمراہیوں کے جانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ یہ خطرہ بھی پھر رفتہ رفتہ دُور ہو گیا اور آپ تنہا ہی سب طرف مریض دیکھنے نکل کھڑے ہوتے۔ اور کچھ عرصہ بعد تو خدا کے فضل سے ہر جگہ دن ہو یا رات جانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہ گئی۔

ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے بعد شفاخانہ کی ساتھ والی دکان شامل کر کے اس کی توسیع عمل میں آئی۔ لیکن چند روز بعد جب یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ والا مکان خالی کروا لیا گیا۔ اس کی نچلی منزل میں دفتر کنسلٹیشن، ڈریسنگ، ڈسپنسنگ، اوپریشن روم کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے بنائے گئے۔ بالائی منزل میں دو کمروں کو درویشوں کے لئے بطور بنا لیا گیا اور باقی حصہ میں دو ڈسپنسر اور ایک مددگار کارکن کی رہائش کا انتظام کر دیا گیا

شفاخانہ میں جو آمد متمول مریضوں سے ہوتی اس سے شفاخانہ کے لئے سامان و ادویات خرید کر لی جاتیں اور خدا کے فضل سے ایک سال کے عرصہ میں عام استعمال کی ادویات و سامان شفاخانہ میں فراہم ہو گیا اور سوائے ابتدائی ۸۰ روپیہ کے شفاخانہ کو نہ مزید کسی سے امداد کی ضرورت پڑی نہ صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ پر کوئی بوجھ ڈالا گیا۔ جوں جوں ارد گرد کے علاقہ میں شفاخانہ کی شہرت پھیلتی گئی مریض بھی بکثرت آنے لگے۔ بعض غیر مسلم دُور دُور سے محض اس غرض سے آتے تھے کہ قادیان میں مسلمانوں کو دیکھ آئیں گے اور دوا وغیرہ بھی لیتے آئیں گے۔ اور پھر تو خدا کے فضل سے آہستہ آہستہ ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ تمام ضلع گورداسپور کی مختلف جگہوں بلکہ ضلع امرتسر ہی سے نہیں شہر امرتسر سے بھی مریض آنے لگے۔

پہلے سال شفاخانہ نے کوئی غیر مسلم اِنڈور میں نہیں رکھا کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ لیکن دوسرے سال شفاخانہ کے سامنے والا مکان (جس میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے) خالی کرا لیا گیا۔

سال ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں آؤٹ ڈور مریضوں کی کل تعداد ۳۱۲۴۶ تھی جو سال ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں ۴۵۳۴۹ تک پہنچ گئی۔ اس سال اِنڈور میں ۲۳۱ مریض تھے جن میں کثیر تعداد غیر مسلموں کی تھی۔ سال ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء میں ۴۱۷۹۰ مریضوں کا علاج آؤٹ ڈور اور ۲۰۰ مریضوں کا علاج انڈور کیا گیا۔ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے اخاء/اکتوبر تک کل تعداد آؤٹ ڈور کے مریضوں کی ۲۸۶۰۱ اور انڈور کی ۲۰۰ تھی۔

احمدیہ شفاخانہ کے قیام کے وقت ڈاکٹر صاحب کے پاس دو صاحب بطور ڈسپنسر کام کرتے تھے۔ دو تین ماہ بعد ایک صاحب پاکستان چلے گئے۔ چونکہ کام زیادہ تھا اس لئے دو درویش احباب کو ڈسپنسنگ کی ٹریننگ کے لئے شفاخانہ میں رکھ لیا گیا۔ ان میں سے ایک محمد احمد صاحب مالاباری اور دوسرے مبارک علی صاحب واقفِ زندگی تھے۔ مبارک علی صاحب تھوڑے ہی عرصہ میں پوری ٹریننگ حاصل کرکے تسلی بخش کام کرنے لگے اور قریباً دس ماہ کام کرنے کے بعد مولوی فاضل کلاس میں داخل ہوکر یہ کام چھوڑ دیا۔ ان کی جگہ ایک اور درویش مکرم ملک بشیر احمد صاحب ناصر کو کام پر لگایا جو بہت جلد کام سیکھ کر شفاخانہ کے لئے مفید وجود ثابت ہوئے۔ مکرم غلام ربانی صاحب، مکرم ملک بشیر احمد صاحب اور مکرم محمد احمد صاحب مالاباری کو بطور ڈسپنسر کام کرنے کا موقعہ ملا۔ کیونکہ قادیان میں کوئی لیبارٹری نہ تھی اور پیشاب، پاخانہ، خون بلغم وغیرہ ٹسٹ کروانے کے لئے مریض کو امرتسر بھجوانا پڑتا تھا اس لئے سن ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے شروع میں ایک مائیکروسکوپ اور لیبارٹری کا ضروری سامان خرید کر چھوٹے پیمانہ پر لیبارٹری کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ اس کے بعد سن ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں مستورات کی مخصوص امراض کے علاج کے لئے ایک نرس کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں۔[1]

الحمدللہ یہ شفاخانہ جس کی بنیاد میجر ڈاکٹر محمود مرحوم کے ہاتھوں پڑی اور جس کو ترقی دینے میں کیپٹن بشیر احمد صاحب نے ساڑھے سات سال محنت شاقہ سے کام لیا تھا اب تک نہایت کامیابی سے چل رہا ہے اور خدمتِ خلق میں مصروفِ عمل ہے۔

درویشانِ قادیان کے لیل و نہار

اُن دنوں دیارِ حبیب میں رہنے والے درویشوں کے شب و روز کس طرح ایک پاک اور رُوحانی ماحول میں بسر ہو رہے تھے۔ اس کا نقشہ ناظر بیت المال جناب عبدالحمید صاحب عاجز نے درج ذیل الفاظ میں کھینچا:۔

"دارالامان میں ٹھہرنے والے درویشوں کی کل تعداد ۳۱۳ ہے جو قادیان کے مقامی احباب، بیرونی خدام اور کارکنان صدر انجمن احمدیہ پر مشتمل ہے۔ مقامی امیر مکرم جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل (ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ) ہیں۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں سے حضرت صاحبزادہ

---

[1] رسالہ "درویش" قادیان فتح/دسمبر سن ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء و صلح/جنوری ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء صفحہ ۶۸ - ۷۱

الفضل ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵، الفضل ۱۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶

مرزا ظفر احمد صاحب بارایٹ لاء اور صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب یہاں مقیم ہیں۔ جملہ درویشان پُرانے قادیان کے ایک محدود حلقہ میں آباد ہیں جو مسجد مبارک، دارالمسیح، مسجد اقصیٰ اور علاقہ بہشتی مقبرہ پر مشتمل ہے۔ ان مقدس مقامات میں ٹھہرنے کا مقصد شعائر اللہ کو آباد رکھنا اور ان میں دُعا اور عبادت سے رُوحانی فیض حاصل کرنا ہے۔

اخترِ صبح کی نمود سے کچھ وقت پہلے قریباً ساڑھے تین پونے چار بجے شب ایک بزرگ درویش (میاں مولا بخش صاحب باورچی لنگر خانہ) کی رقت بھری آواز اس محدود حلقہ میں سنائی دیتی ہے، پُرسوز اور پُر درد لہجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے اشعار کانوں سے اُتر کر دل و دماغ کی خوابیدہ حسّوں کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں:-

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار

رغبتِ دل سے ہو پابند نماز و روزہ
نظر انداز کوئی حصۂ احکام نہ ہو
خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلہ میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

چنانچہ اس پیغام بیداری سے درویش اُٹھتے ہیں (اگرچہ متعدد درویش کافی عرصہ پہلے سے ہی عبادت و دُعا میں مشغول ہوتے ہیں) اور با وضو ہو کر اپنے اپنے حلقہ کی مساجد میں باجماعت نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ مسجد مبارک میں مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی مولوی فاضل، مسجد اقصیٰ میں جناب مولوی غلام احمد صاحب ارشد مولوی فاضل اور مسجد محلہ ناصر آباد میں جناب خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

قریباً پونے چھ بجے میاں سراج الدین صاحب مسجد اقصیٰ کے پُرانے خادم اور مؤذن منارۃ المسیح سے اللہ اکبر کی آواز بلند کرتے ہیں جو قادیان کے سکوت کو توڑتی ہوئی فضاؤں میں

ایک خاص دل کشی پیدا کرتی ہے . . . . .

اسی وقت مسجد مبارک ، اور مسجد ناصر آباد سے بھی اذان کی آوازیں سُنائی دیتی ہیں . . . .

چھ بجے فجر کی نماز کے بعد تینوں مساجد میں سلسلہ کی کتب کا درس دیا جاتا ہے جو احباب بڑے شوق سے سُنتے ہیں۔ نماز و درس سے فارغ ہو کر درویش انفرادی طور پر تلاوت قرآن مجید کرتے اور بہشتی مقبرہ میں دُعا کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ ہر جمعہ کے روز فجر کی نماز کے بعد بہشتی مقبرہ میں اجتماعی طور پر دُعا کی جاتی ہے۔ صبح آٹھ بجے احباب لنگر خانہ سے کھانا حاصل کرتے ہیں۔ یہ کھانا نہایت سادہ دال روٹی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دو دفعہ گوشت اور سبزی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر ساڑھے آٹھ بجے صبح روزانہ وقار عمل کا پروگرام شروع ہوتا ہے۔ یہ پروگرام محض رسمی یا تفریحی کام نہیں ہے بلکہ ایک تعمیری اور تاریخی پروگرام ہے جس میں تمام درویشوں کی حاضری ضروری ہوتی ہے۔ درویشوں کی لگاتار کوششوں اور مسلسل محنتوں سے ایسے کام سرانجام دیئے جا رہے ہیں جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے ایک لمبے عرصے تک تاریخی یادگار رہیں گے۔ اور آنے والی نسلیں ان کے کاموں کو رشک کی نگاہوں سے دیکھیں گی اور ان کے لئے درد دل سے دُعائیں کریں گی۔ بہشتی مقبرہ کے ارد گرد قریباً پانچ فٹ چوڑی دیوار بنائی جا رہی ہے۔ اس کا نصف سے زائد حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ بہشتی مقبرہ میں چار پختہ کوارٹرز (دو منزلہ) تیار کئے گئے جن میں دھوپ بارش اور رات کے وقت درویش آرام کر سکتے ہیں۔

ان کوارٹروں کی تعمیر اگر عام حالات میں کی جاتی تو زمین کی قیمت کے علاوہ اس کام پر سات آٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوتا اور شاید کافی عرصہ اس رقم کی بجٹ میں منظوری حاصل کرنے کے لئے گذر جاتا مگر آفرین ہے ان درویشوں پر جنہوں نے تمام کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دے کر بغیر کوئی رقم خرچ کئے اس شاندار خدمت کو بجا لانے کی سعادت حاصل کی۔

بہشتی مقبرہ ، مساجد اور گلی کوچوں کی صفائی کا کام اور لنگر خانہ کے لئے لکڑی وغیرہ کا انتظام بھی وقار عمل کا ایک حصہ ہے۔ علاوہ ازیں بہشتی مقبرہ کے ارد گرد باغ سے ملحقہ زمین میں ہل چلا کر سبزیاں وغیرہ کاشت کرنے کا کام بھی وقار عمل میں شامل ہے۔ وقار عمل کا کام خوش اسلوبی اور احسن طریق سے سرانجام دینے کے لئے ہم اپنے فاضل بھائی مولوی عبدالرحیم

صاحب اور ان کے رفقاء کے خاص طور پر ممنون ہیں۔

ساڑھے بارہ بجے دوپہر کو وقار عمل سے فراغت ہوتی اور آدھ گھنٹہ آرام کے بعد نماز ادا کرنے کے بعد قرآن مجید کا درس دیا جاتا ہے اور بعض ناخواندہ درویشوں کو نماز کا ترجمہ بھی سکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح باقی نمازیں عصر، مغرب وعشاء اپنے اپنے وقتوں پر باجماعت ادا کی جاتی ہیں اور فارغ اوقات سلسلہ کی کتب کے مطالعہ اور دعاؤں میں صرف کئے جاتے ہیں۔ ہفتہ میں دو دن (سوموار اور جمعرات) تمام درویش روزہ رکھتے ہیں اور وقت کا بیشتر حصہ نوافل اور دُعاؤں میں گذارتے ہیں بعض ایسے درویش بھی ہیں جو کئی روز تک متواتر روزے رکھتے ہیں حضور ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی خاص دُعاؤں اور توجہ کے اثر سے تمام درویشوں میں عبادت اور دُعاؤں کے لئے ایک خاص شغف پیدا ہو چکا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عبادت اور ذکرِ الٰہی کا لگاؤ محض وقتی اور ہنگامی جوش پر مبنی نہیں بلکہ اپنے اندر عمل کی استواری اور قوت ارادی کی پختگی کے اجزاء لئے ہوئے ہیں۔ جملہ درویش حضور کی نصیحتوں کے مطابق مکی اور مسیح ناصری والی زندگی کا نمونہ دکھانے میں کوشاں ہیں اور ظلم برداشت کر کے ظلم کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں اس مختصر عرصہ میں اکٹھا رہنے کی وجہ سے درویشوں میں جذبہ اخوت و مودت بہت بڑھ گیا ہے۔ باہمی ربط اور دوستانہ تعلقات کا اثر اس قدر وسیع ہے کہ اگر ایک دوست کا باہر سے خط موصول ہوتا ہے تو دوسرے درویش بھائی اس دوست کے عزیز و اقارب کی خیر و عافیت کے متعلق بڑے شوق سے استفسار کرتے ہیں جو احباب قادیان میں دُعا کے لئے تحریر فرماتے ہیں۔ ان کے متعلق مساجد میں اعلان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض درویشوں کے عزیز و اقارب کی وفات پر یہاں نماز جنازہ غائب ادا کی جاتی ہے۔ گذشتہ ایام میں درویشوں کے باہمی تعاون سے حقہ نوشی کے خلاف مہم جاری کی گئی تھی جو بہت حد تک کامیاب رہی اور کئی درویش جو عرصہ سے حقہ نوشی کی مرض میں مبتلا تھے اس مرض سے نجات پا گئے۔ اسی طرح ہمارے مکرم دوست ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے وصیت کی تحریک کو جاری کیا جس کے نتیجہ میں کئی ایک درویشوں نے وصیتیں کرائیں۔ تحریک جدید کے وعدوں میں درویشوں نے جس اخلاص اور قربانی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ قادیان میں کوئی ایسا درویش نہیں رہا جس نے تحریک جدید کے چودھویں سال میں حصہ نہ

لیا ہو۔ اس امر پر حضور نے بھی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔
چند ایک علم دوست درویشوں نے سلسلہ کی کتب کے وسیع مطالعہ اور تقریر و تحریر میں مشق پیدا کرنے کے لئے ایک ادبی مجلس بنام "مجلس درویشاں" قائم کی ہے جس کا اجلاس ہفتہ میں دو دفعہ منعقد ہوتا ہے اور پروگرام کے مطابق ممبران مذہبی مضامین پر تقریروں کی مشق کرتے ہیں۔
جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے دارالامان کے درویش ایک محدود حلقے میں مقید ہیں۔ بازاروں میں آمد و رفت بھی خالی از خطرہ نہیں۔ چونکہ ہر وقت حالات مخدوش ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے جن کے متعلق لوکل افسران بھی وقتاً فوقتاً ہمیں آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اشد مجبوری کے وقت نظارت امور عامہ کی تحریری اجازت سے تین چار درویش اکٹھے بازار جاتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری کر کے جلد واپس آجاتے ہیں۔ خدام میں سے بعض ایسے درویش بھی ہیں جن کی رخصتیں ختم ہو چکی ہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے کاروبار تباہ ہو رہے ہیں اور بعض کے خانگی حالات ان کے قریبی رشتہ داروں کی وفات اور دیگر کئی وجوہات کی بناء پر اگرچہ ظاہری طور پر تسلی بخش نہیں ہیں مگر یہاں ان کو ایک قسم کا اطمینانِ قلب حاصل ہے جو اور کہیں میسر نہیں ہو سکتا اور وہ خندہ پیشانی سے ہر مشکل اور تکلیف پر صبر و استقلال کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بعض مقامی درویشوں کے اہل و عیال اور عزیز رشتہ داروں کی طرف سے بھی کئی افسوسناک اور پریشان کن خبریں موصول ہوتی ہیں مگر مبارک اور خوش بخت ہیں وہ درویش جو اپنی زندگی کے اصل مقصد پر نگاہ رکھتے ہیں اور دنیوی آرام و آسائش کو نظر انداز کرتے ہوئے دیارِ محبوب میں آزمائش و امتحان کی پُر کیف گھڑیاں گذار رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ذہنی پریشانیوں کی بجائے تسکین و اطمینان اور حرص و آرزو کے بدلے صبر و قناعت کی لا انتہا دولت حاصل ہے۔ یہی وہ جماعت ہے جس کو اس ابتلاء کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص انعامات کے لئے چُنا اور انہیں درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی توفیق بخشی۔ جملہ درویشوں کے قلوب اس یقین سے پُر ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق موجودہ ابتلاء کا دور رونما ہوا ہے اسی طرح اس ابتلاء کے ساتھ وابستہ ترقیوں اور کامیابیوں کی راہیں بھی عنقریب کھُلنے والی ہیں"[۱]

---

[۱] الفضل لاہور ۲۹ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۶

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی درویشانہ زندگی کا آغاز

اس سال کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ ۵ امان / مارچ ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے فرزند صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی درویشانہ زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ اس روز ۴½ بجے شام پاکستان سے چودہ اصحاب کے ساتھ قادیان پہنچے۔[1]

مساجدِ قادیان کی حفاظت کیلئے ناقابلِ فراموش مساعی

قادیان کے بیرونی محلہ جات کی وہ مسجدیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشقوں اور مخلص فدائیوں کی سجدہ گاہ تھیں اور ہمیشہ ہی اُن کے نالہ ہائے شب سے معمور اور اُن کے آنسوؤں سے تر بتر رہتی تھیں ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کے دوران چشم زدن میں خالی ہو گئیں۔

قادیان میں احمدی مسلمانوں کی انیس اور دوسرے مسلمانوں کی چار مسجدیں تھیں۔ علاوہ ازیں پُرانی عیدگاہ اور سات قبرستان تھے۔ ان سب کی دیکھ بھال اور تحفظ کو درویشوں نے ابتدائی دور ہی سے اپنی زندگی کے بنیادی مقاصد میں شامل کر لیا۔ اس ضمن میں ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء میں مولوی برکات احمد صاحب بی۔ اے، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے، فضل الٰہی خاں صاحب اور پندرہ بیس درویش پہلی بار قادیان کی بیرونی مساجد کی حالت دیکھنے اور صفائی کرنے کے لئے گئے۔ چنانچہ انہوں نے مسجد دار الفضل صاف کی اور اس کا غسلخانہ اینٹوں سے بند کر دیا۔ مسجد نور کی چند کنگریاں تازہ ہی شکستہ ہوئی تھیں۔ مسجد دار الیسر کی دیوار اُپلوں سے اَٹی ہوئی تھی جو درویشوں نے صاف کر دی۔ پھر انہوں نے مسجد دار الرحمت کی صفائی کی اور مسجد دار الفضل کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی بند کر دی۔

دوسری بار ۱۸ ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب امیر جماعت قادیان، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے، خان فضل الٰہی خاں صاحب، مرزا محمد حیات صاحب نگران مقامی درویشان قادیان اور بعض درویشوں پر مشتمل ایک وفد نے مقامی تھانیدار صاحب سے مسجد دار الفتوح تک جانے اور اس کا جائزہ لینے کی منظوری لی اور اگلے روز ۲۱-۲۲ درویش سپاہیوں کی معیت میں کدالیں، بیلچے، جھاڑو، بالٹیاں اور کڑاہیاں لئے وہاں پہنچے۔ اور ۸½ بجے سے ۱۲½ بجے تک مسجد کو غلاظت سے صاف کرتے رہے اور اس کی کھڑکیاں اور دروازے اینٹ گارے سے بند کر دیئے۔

---

[1] ریکارڈ قادیان ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء مرتبہ مرزا محمد حیات صاحب سابق درویش قادیان (غیر مطبوعہ)

واپسی پر احرار کی مسجد شیخاں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مسجد کے مینار منہدم ہو گئے تھے اور چھت کی دو کڑیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ درویشوں نے مسجد میں جھاڑو دیا اور چند دن بعد چھت بھی مرمت کر دی۔

۸ ماہ شہادت/اپریل کی صبح کو مولوی برکات احمد صاحب، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے، فضل الٰہی خان صاحب، مرزا محمد حیات صاحب اور ضیاء الدین صاحب قادیان کی تمام بیرونی مساجد، پرانی عیدگاہ اور اس سے متصل قبرستان کی طرف گئے۔ عیدگاہ والے قدیم قبرستان کے کتبے توڑ پھوڑ دیئے گئے تھے۔ مسجد دارالیسر کا اکثر حصہ گر چکا تھا۔ دیواریں اپلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور اندر گدھوں کے کیلے گاڑے ہوئے تھے۔ مسجد دارالرحمت میں ہر طرف کوڑا کرکٹ بکھرا ہوا تھا۔ برآمدے کا ایک مسقف حصہ ادھیڑا ہوا تھا۔ مینار چھت پر گرا ہوا تھا اور اندرونی عمارت سے الماریوں کے تختے غائب تھے۔ مسجد نور کی عام حالت نسبتاً بہتر تھی۔ مسجد احمد آباد کے اندر جلاہوں کی کھڈیاں بنی ہوئی تھیں۔ مسجد دارالسعة میں پناہ گزینوں نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا اور صحن میں تانا بُنا ہوا تھا۔ مسجد دارالفضل میں ہر طرف گندگی ہی گندگی دکھائی دیتی تھی۔ اس مسجد کی الماریوں کے شیلف بھی نکال لئے گئے تھے مسجد دارالبرکات غربی بھی پناہ گزینوں کی رہائش گاہ بنی ہوئی تھی۔ صحن میں گدھا بندھا تھا اور باہر اپلوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسجد دارالانوار کا نلکہ غائب تھا۔ مسجد میں چولہے بنے ہوئے تھے اور الماریاں شیلف سے خالی تھیں۔ مسجد قادرآباد کے احاطہ کی اینٹوں کا کوئی نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ الغرض مسجد نور کے سوا تمام مساجد کا حال سخت ابتر اور تکلیف دہ تھا۔[1]

درویشوں کا تیسرا وفد ۲۲ شہادت/اپریل کو لالہ ہری رام صاحب ممبر میونسپلٹی قادیان اور ایک کنسٹیبل کے ہمراہ مسجد دارالبرکات غربی، مسجد دارالسعة اور مسجد احمد آباد میں گیا اور اس نے غیر مسلم پناہ گزینوں کو مسجدوں کی عزت و حرمت بحال کرنے اور مسجدوں سے منتقل ہونے کی پر زور تحریک کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

درویشان قادیان یہاں مساجد کا دورہ کرتے تھے وہاں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور اور مقامی مجسٹریٹ کو صورت حال سے برابر آگاہ رکھتے اور ان سے فوری توجہ کرنے کی درخواست کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور نے ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں مجسٹریٹ صاحب کو حکم دے دیا۔

---

[1] ریکارڈ ۲۶-۲۷/۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷-۴۸ء مرتبہ مرزا حیات محمد صاحب نگران درویشان قادیان مقامی (حال سیالکوٹ)۔

کہ مسجدیں شرنارتھیوں سے فوراً خالی کرالی جائیں اور آئندہ بھی ان میں کسی کو آباد نہ کیا جائے

قادیان کے پہلے درویش کا وصال

۲۶-۲۷ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حافظ نور الٰہی صاحب متوطن کوٹ مومن ضلع سرگودھا امیر جماعت احمدیہ بھاولنگر جو ۵-۶ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو پاکستان سے قادیان پہنچے تھے اور نہایت فرشتہ سیرت، دُعاگو، شب بیدار اور احمدیت کے سچے شیدائی تھے انتقال فرما گئے۔ حضرت حافظ صاحب وہ پہلے خوش نصیب بزرگ ہیں جن کا زمانہ درویشی میں وصال ہوا اور مسیح مہدی کے قدموں کی خاک بنے اور یہی وہ مخلصانہ تڑپ تھی جو انہیں کشاں کشاں اس مقدس بستی میں لے آئی تھی۔[1]

بہشتی مقبرہ سے ملحق باغ کا مقدمہ

بہشتی مقبرہ سے متصل باغ کے ساتھ سلسلہ احمدیہ کی بہت سی یادگاریں وابستہ ہیں۔ یہی وہ باغ ہے جس میں حضرت امام مہدی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۴ اپریل ۱۹۰۵ء سے لے کر ۲ جولائی ۱۹۰۵ء تک اپنے اہلبیت اور خدام سمیت رہائش پذیر رہے۔ اسی کے اندر وہ شہ نشین ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھا کرتے تھے۔ ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو اسی باغ میں خلافت کی پہلی بیعت ہوئی اور حضرت اقدسؑ کا جنازہ پڑھا گیا۔ اس باغ میں جماعت کی عیدیں پڑھی جاتی رہیں اور فوت ہونے والے اکثر احباب جماعت کے جنازے بھی اس میں ہوتے رہے۔ الغرض قادیان کے مقدس مقامات میں اس باغ کو ایک گونہ امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

۴ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے کہ بعض مقامی حکام کی انگیخت پر ایک شخص دریام سنگھ اس باغ میں پایا گیا جس نے بتایا کہ یہ باغ کلاسوالہ کے ایک سکھ کی ملکیت ہے جس نے مجھے اپنا نگران بنا کر بھجوایا ہے۔ باغ کے محافظ درویشوں نے اسے اصل حقیقت بتا کر واپس کر دیا۔ مگر وہ اسی دن ظہر کے وقت

---

[1] حضرت حافظ صاحب کے والد کا نام حافظ محمد عارف تھا۔ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت مصلح موعود کی تقریر "حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے" اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "براہین احمدیہ" سے متاثر ہوئے اور انشراح صدر کے لئے چھ ماہ مصروف دُعا رہے اور آخر ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ (مطابق ۲۴ فروری ۱۹۳۵ء) کی شب کو خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نورانی وجود کی زیارت ہوئی اور آپ مئی ۱۹۳۶ء میں داخل احمدیت ہو گئے۔ (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸ شہادت/اپریل، ۸ ہجرت/مئی، ۱۹-۲۳ ہجرت/مئی، ۱۹ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء آخر الذکر شمارہ میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کے قلم سے آپ کے سوانح اور سیرت و شمائل پر روشنی ڈالی گئی ہے)

دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ مالک نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک اسے تحریراً یا جبراً نہیں روکا جاتا اسے باغ کے اندر ہی رہنا چاہیئے۔ چونکہ اس بارہ میں کوئی تحریر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے باہمی کشمکش تک نوبت جا پہنچی اور تحصیلدار صاحب اور نائب تحصیلدار نے باغ دیکھنے کے بعد رپورٹ کر دی کہ یہ باغ اور بہشتی مقبرہ دو جدا جدا چیزیں ہیں اور ان کے مالکانہ حقوق بھی الگ الگ لوگوں کو حاصل ہیں۔ مقامی حکام نے اس رپورٹ کی توثیق و تصدیق کے لئے پٹواریوں سے نقشہ جات بنوائے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ واقعی بہشتی مقبرہ اور باغ کے مالک دو مختلف وجود ہیں اور یہ کہ باغ کے حقیقی مالک ہندوستان سے پاکستان جا چکے ہیں لہذا اسے شرنارتھیوں کے نام الاٹ ہونا چاہیئے

یہ سب کارروائی چونکہ صریحاً غیر قانونی، ناجائز اور خلاف حقیقت تھی اس لئے جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے احتجاج کیا گیا اور ذمہ دار افسران کے سامنے باغ کی مذہبی حیثیت روز روشن کی طرح واضح کی گئی۔ جس پر ڈپٹی کمشنر صاحب نے عارضی طور پر باغ کی الاٹمنٹ کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا اور بالآخر ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں مشرقی پنجاب کی صوبائی حکومت نے فیصلہ کیا کہ بڑا باغ اور مقبرہ بدستور جماعت احمدیہ کے قبضہ میں رہیں گے۔ البتہ باغ کے ساتھ اور اسی میں شامل دو باغیچوں پر درویشوں کا قبضہ درست نہ سمجھا۔ یہی فیصلہ بہشتی مقبرہ سے ملحق ایک کھیت کی نسبت کیا گیا جو اس کی توسیع کے پیش نظر مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی[1] (پنجابی شاعر) سے لیا گیا تھا۔ لیکن ہندوستان کی احمدی جماعتوں کے مسلسل احتجاج اور پیہم درخواستوں کے نتیجہ میں ۱۵ صلح/جنوری ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کو مؤخر الذکر فیصلہ بھی منسوخ کر دیا گیا۔

۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے آخر میں بھارت سرکار نے فیصلہ کیا کہ قادیان رفیوجی ٹاؤن ہے۔ اس فیصلہ کے نتیجہ میں قادیان کی اراضی اور دوسری جائدادیں باضابطہ طور پر غیر مسلم پناہ گزینوں کو الاٹ کر دی گئیں۔ حالانکہ اس سے قبل قادیان کی جائدادوں پر محض عارضی قبضہ دیا گیا تھا۔ جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان نے قراردادیں پاس کیں کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی جائدادیں اس کو واپس دلائی جائیں۔ یہ معاملہ بہت طول کھینچ گیا اور سالہا سال تک کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ بالآخر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں بھارتی حکومت نے تسلیم کر لیا کہ

---

[1] یہ وہی بزرگ ہیں جن کی تبلیغی پنجابی نظمیں سُن کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو دربار شام میں اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "یہ عمدہ کام ہے اور اس زمانہ کا یہی جہاد ہے۔ جو لوگ پنجابی سمجھتے ہیں آپ ان کے لئے مفید کام کرتے ہیں" (ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۲۰۵-۲۰۶)۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان تارکین وطن میں شامل نہیں۔ اس لئے وہ اپنی جائداد پر قبضہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔

اغواشدہ مسلم خواتین کی بازیابی کے لئے عظیم الشان جدوجہد

درویشوں کو اس ابتدائی پُرآشوب دَور میں جن شاندار اسلامی خدمات انجام دینے کی توفیق ربِّ کریم وجلیل کی طرف سے ملی ان میں مسلمان مغویہ خواتین کی بازیابی اور محصور مسلمانوں کی حفاظت کا کارنامہ نہایت درجہ لائق تحسین ہے جس کی عظمت واہمیت اَور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں درویشانِ قادیان کی زندگی عملاً قید سے بہتر نہیں تھی کیونکہ وہ ایک مختصر سے حلقہ میں محدود ومحصور تھے اور انہیں اس حلقہ سے تھوڑا بہت ادھر ادھر جانے کے لئے بھی پولیس یا ملٹری کی امداد کی ضرورت ہوتی تھی۔ ایک بھاری دقت یہ تھی کہ بھارتی حکومت نے ضلع گورداسپور کو ممنوعہ علاقہ قرار دے رکھا تھا اس لئے پاکستان کی ملٹری یا پولیس بین المملکتی معاہدہ کے باوجود اغواشدہ مسلم خواتین کو برآمد کرنے کے لئے نہیں آسکتی تھی۔ لیکن چونکہ قادیان کے مینار سے پانچوں وقت اذان کی آواز بلند ہوتی جو دُور دُور تک سُنائی دیتی تھی اس لئے متعدد مسلمان عورتیں اذان سُننے کے بعد موقع پاتے ہی مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے اس واحد مرکز میں پہنچ جاتی تھیں۔ بعض کو شریف عیسائی اور بعض کو شریف مزاج سکھ چھوڑ جاتے تھے۔ بعض عورتیں اردگرد کے دیہات پر حملہ کے دوران قادیان آکر ٹھہر گئی تھیں۔ یا انہوں نے غیر مسلموں سے قادیان کی اسلامی بستی کا ذکر سُنا تو وہ چپکے سے یہاں بھاگ آئیں۔ ماہ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء سے ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک ایسی عورتیں (بشمول خوف یا جبر کے باعث اسلام سے ارتداد اختیار کرنے والوں کے) قریباً اسّی کی تعداد میں درویشوں کے حلقہ میں پہنچیں۔ ان عورتوں میں ماحول قادیان کے علاوہ ہوشیارپور، امرتسر، فیروزپور اور ریاست جموں کی بھی تھیں جن کی رہائش اور خوراک کا خاص اہتمام کیا گیا اور ان کو ٹرکوں پر سوار کرا کے بحفاظت پاکستان پہنچا دیا گیا۔

مغویہ عورتوں کی قادیان میں آمد یا قادیان سے روانگی پر قادیان کے مرکزی کارکنوں کی طرف سے تار اور فون کے ذریعہ سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں باقاعدہ اطلاع دی جاتی۔ اور حضرت میاں صاحب ایسی خواتین کو اُن کے ورثاء تک پہنچانے کے لئے اخبارات میں اطلاع شائع کراتے[1]

---

[1] بطور مثال آپ کا ایک اعلان ملاحظہ ہو:۔

"علاقہ قادیان کی اغواشدہ عورتیں لاہور پہنچ رہی ہیں۔ ان کے ورثاء لاہور پہنچکر سرکاری کیمپ میں پتہ لیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ان کے وارثاں کی تلاش میں ہر ممکن ذرائع بروئے کار لاتے۔

جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے درویش قادیان (مؤلف "اصحاب احمد") کا ایک اہم مکتوب اخبار "انقلاب" لاہور مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۴۸ء میں "اغوا شدہ مستورات کی برآمدگی کے لئے قادیان کی مساعی" کے عنوان سے شائع ہوا جس سے اس سلسلہ میں درویشانِ قادیان کی اجتماعی کوششوں کا صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ملک صاحب نے تحریر فرمایا کہ

"ناظرین کرام! امروزہ صحبت میں اغوا شدہ مستورات اور سکھ بنے ہوئے مسلمانوں کے متعلق قادیان میں مقیم احمدیوں کی مساعی کا ذکر کرتا ہوں۔ ہم بہت محنت سے دریافت کرتے رہتے ہیں کہ اغوا شدہ عورتوں کے نام کیا کیا ہیں۔ وہ کس کس گاؤں میں کس کے پاس رہتی ہیں۔ اپنی اور ان کی بے بسی کی وجہ سے ہمارے دل پر جو کچھ گذرتی ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خاطر ہم ہر وقت کڑھتے ہیں۔ کبھی ڈپٹی کمشنر کو فون کرتے ہیں، کبھی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اطلاع دیتے ہیں، کبھی مقامی تھانیدار اور مقامی مجسٹریٹ کو خبر پہنچاتے ہیں۔ کبھی کانگرس کے عہدہ داروں یا ضلع کے پبلسٹی آفیسر سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی طرح میجر جنرل عبدالرحمٰن ڈپٹی ہائی کمشنر کو بھی فہرست بھجواتے ہیں غرضکہ ان کی خاطر ہم ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں اور ان کی برآمدگی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی عورت خاکروبوں کی مدد سے یا ہماری اذان سن کر یا غیر مسلموں کی باتوں سے معلوم کرکے کہ قادیان میں مسلمان رہتے ہیں ہمارے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو ہمارے دل بلیوں اچھلتے ہیں اور ہم خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے ہوئے ایک دوسرے کو خوشخبری سناتے ہیں۔ ایسی عورتوں کے قیام کے لئے ایک کھلا چوبارہ مقرر ہے جس پر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قادیان سے فون پر اطلاع ملی ہے کہ ارد گرد کے علاقہ کی بعض مسلمان عورتیں جن میں سے بعض جموں سے بھی آئی ہوئی تھیں قریباً چودہ پندرہ کی تعداد میں بحال ہو کر قادیان میں جمع ہو گئی تھیں ان عورتوں کو گورداسپور کی پولیس قادیان سے گورداسپور لے گئی ہے تاکہ وہاں سے اپنے انتظام میں لاہور پہنچا دے۔ ان عورتوں میں مسماۃ غلام فاطمہ صاحبہ جموں والی اور مسماۃ شریفہ بی بی ننگل والی بھی شامل تھیں۔ ان کے وارثاں کو چاہئیے کہ لاہور پہنچ کر سرکاری کیمپ میں پتہ لے لیں تاکہ دیر ہو جانے کی وجہ سے مصیبت زدہ عورتوں کو مزید تکلیف کا سامنا نہ ہو۔ افسوس ہے پوری تفصیل فون پر معلوم نہیں کی جا سکی" (الفضل ۳۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۳)۔

معمر بزرگ بابا بھاگ کا ہر وقت پہرہ رہتا ہے۔ وہ ان کی ضروریات مہیا کرتا ہے۔ وہاں کسی اور مرد کو جانے کی اجازت نہیں۔ بابا مذکور جس خدمت گذاری سے کام کرتے ہیں وہ اس امر سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے پاکستان سے لکھا ہے کہ اس کی ہمشیرہ بابا بھاگ کی مخلصانہ خدمات کو یاد کرتی ہو تو رو دیتی ہے۔ ہمارے موجودہ امیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ سابق جنرل پریذیڈنٹ قادیان ہیڈ ماسٹر ذاتی طور پر بھی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ انہیں کپڑے اور جوتیاں بنوا دیتے ہیں اور ان کے لاہور پہنچنے سے پہلے پہلے ان کے اقارب کا جو پاکستان میں ہوتے ہیں پتہ حاصل کر لیتے ہیں اور انہیں اطلاع بھجوا دیتے ہیں۔ چنانچہ جب عورتیں لاہور پہنچتی ہیں تو اُن کے اقارب انہیں جلدی آ کر لے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ارد گرد کے دیہات میں بکثرت ایسے مسلمان خاندان موجود ہیں جو سکھ بنے ہوئے ہیں لیکن پاکستان جانے کے خواہشمند ہیں۔ ہم انہیں اپنے پاس آنے کے طریقے بتاتے ہیں۔ تسلی دیتے ہیں اور آ جانے پر ان کا روپیہ لے کر صدر انجمن احمدیہ قادیان کے خزانہ میں جمع کر لیتے ہیں تاکہ راستہ میں ضائع نہ ہو۔ یہ روپیہ انہیں لاہور پہنچ کر وہاں کی صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ سے مل جاتا ہے۔ قادیان پہنچ جانے پر ان کے قیام و طعام کا انتظام کرتے ہیں اور نگرانی رکھتے ہیں کہ غیر مسلم انہیں علیحدگی میں نہ ملیں مبادا وہ اپنی سادہ لوحی سے دھوکہ میں آ کر پھر واپس چلے جائیں۔ ان اغوا شدہ عورتوں اور سکھ بنے ہوئے مسلمانوں سے ہماری ذرا بھی سابقہ معرفت نہیں ہوتی لیکن ہم محض جذبہ اخوت اسلامی سے سرشار ہو کر خدا تعالےٰ کی خاطر ان کی خدمت بجا لاتے ہیں اس سلسلہ میں مَیں دو ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ اگر کسی مسلمان عورت کے متعلق آپ کو علم ہو کہ مشرقی پنجاب میں ہے تو مہربانی کر کے اس کے جملہ کوائف سے ہمیں مطلع فرمائیں۔ ہم حتی الامکان برآمدگی کے لئے پوری پوری کوشش کریں گے۔ دوسرے یہ کہ پاکستان میں جو غیر مسلم اغوا شدہ عورتیں موجود ہیں ان کی برآمدگی کے لئے بھی ہر ایک شخص کو سرتوڑ کوشش کرنی چاہیئے کہ اوّل تو مذہبًا یہ فعل اغوا انتہائی طور پر ناجائز ہے۔ دوم اُن کے برآمد کرنے کا اثر یقینی طور پر مشرقی پنجاب میں بہت ہی اچھا پڑتا ہے۔ کون مسلمان پسند کرتا ہے کہ اس کی مسلمان بہنیں بدستور اغوا شدہ رہ کر غیروں کے گھروں میں پڑی رہیں۔"[1]

---

[1] لاہور کے احراری آرگن "آزاد" نے اپنی ۲۶ مئی ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں یہ مضمون درج کرکے درویشان قادیان کی مساعی پر بڑے شاندار الفاظ میں تبصرہ کیا (تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۳۴۲ - ۳۴۵ میں اس کا متن درج ہے)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک درویشانِ قادیان کی سرفروشانہ جدّ و جہد کے نتیجہ میں ۱۳۴ مرد و زن پاکستان پہنچ چکے تھے جن میں سے ۷۷ مسلمان عورتیں تھیں اور ۵۷ مسلمان مرد تھے۔[1] درویشوں کی یہ بے لوث اور پاک اور مخلصانہ کوششیں جاری تھیں کہ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں بٹالہ کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس قادیان آئے اور سب احمدی آبادی کو مدرسہ احمدیہ کے صحن میں جمع کر کے اُن کے نام اور پتہ جات وغیرہ نوٹ کئے اور یہ معلوم کیا کہ ان میں سے قادیان اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے کتنے ہیں۔ نیز حکم دیا کہ قادیان میں چونکہ کوئی منظور شدہ کیمپ نہیں ہے اس لئے آپ لوگوں کو ارد گرد سے نکل کر آئے ہوئے مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنے پاس نہیں ٹھہرانا چاہیئے[2]

۲۵۔ عشاقِ احمدیت کی دیارِ حبیب میں تشریف آوری

حضرت مصلح موعود نے مجلس مشاورت ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں تحریک فرمائی تھی کہ عشاقِ احمدیت قادیان کی جگہوں کو آباد کرنے کے لئے اپنے تئیں پیش کریں۔ حضور کی اس آواز پر لبیک کہنے والوں کا ایک خوش نصیب قافلہ شروع ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں صبح ۸ بجے لاہور سے روانہ ہوا۔ حضرت سیدنا امیر المومنین المصلح الموعود نے افراد قافلہ کو شرف مصافحہ بخشا اور اجتماعی دعا کے ساتھ الوداع کہا۔[3] اس قافلہ میں بارہ ۱۲ صحابہ بھی تھے جن میں حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب (امیر قافلہ) اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی جیسے قدیم اور ممتاز صحابہ بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ ٹرکوں کے ذریعہ قادیان پہنچا۔ ملٹری چوکی کے سکھ افسروں نے قریباً پون گھنٹہ میں آنے والوں کی اسم وار فہرست تیار کی جس کے بعد یہ قافلہ مجسٹریٹ صاحب، ملٹری پولیس کی کافی تعداد، چند سائیکل سواروں اور دو ایک شہسواروں کے جھرمٹ میں دارالشکر سے ہوتے اور فروٹ فارم، اسٹیشن، کوٹھی حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال سے گذرتے ہوئے دارالانوار کی بڑی سڑک سے داخلِ شہر ہوا اور مولوی عبدالمغنی خاں صاحب اور نیک محمد خاں صاحب غزنوی کے مکان کے پاس جا کر رکا۔[4]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اس قافلہ کی آمد کے موقعہ پر ۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو مولانا

---

[1] الفضل ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔
[2] الفضل لاہور ۷ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔
[3] الفضل ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱۔
[4] الفضل ۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔

عبدالرحمٰن صاحب جٹ کے نام ایک خصوصی مکتوب لکھا جس میں نصیحت فرمائی کہ

"جملہ درویشوں کو میری طرف سے بعد سلام یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ ان بزرگوں کی آمد کو ایک خدائی نعمت سمجھتے ہوئے ان کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں اور ان کے علم و عمل کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ صحابہ کا مقدس گروہ دن بدن کم ہوتا جارہا ہے۔ باوجود اس کے ہم انہیں اپنے آپ کو ان کی صحبت سے محروم کرتے ہوئے آپ کے پاس بھجوائے جارہے ہیں۔ پس اس نعمت کی قدر کریں اور دعاؤں اور نوافل پر پہلے سے بھی زیادہ زور دیں اور باہم اتحاد اور تعاون اور بزرگوں کے ادب کا وہ نمونہ قائم کریں جو اسلام آپ سے چاہتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا پیارا مرکز ہمیں کب واپس ملے گا۔ مگر جب تک ہمیں وہ واپس نہیں ملتا ان بزرگوں کا وجود اور ان کے ساتھ آپ جیسے مخلص اور جانثار درویشوں کا وجود اس شمع کا حکم رکھتا ہے جو ایک وسیع اور تاریک میدان میں اکیلی اور تن تنہا روشن ہو کر دیکھنے والوں کے لئے نور ہدایت کا کام دیتی ہے۔ اگر آپ خلوص نیت اور سچی محبت اور پاک جذبۂ خدمت کے ساتھ قادیان میں ٹھہریں گے اور اپنے آپ کو احمدیت کا اعلیٰ نمونہ بنائیں گے تو نہ صرف خدا کے حضور میں آپ کی یہ خدمت خاص قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی بلکہ آنے والی نسلیں بھی آپ کے اس نمونہ کو فخر کی نظر سے دیکھیں گی" [۱]

فہرست یہ قافلہ مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھا:۔

۱۔ میاں محمد دین صاحب واصلباقی (والد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب) (حلقہ مسجد مبارک)

۲۔ بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی (امیر قافلہ) (〃)

۳۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی (〃)

۴۔ بابا شیر محمد صاحب (〃)

۵۔ چوہدری سلطان احمد صاحب (〃)

۶۔ میاں خیر دین صاحب (〃)

---

[۱] الفضل ۱۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲

٧۔ حسن دین صاحب	(حلقہ مسجد مبارک)
٨۔ چوہدری فیض احمد صاحب	(")
٩۔ مرزا محمود احمد بیگ صاحب	(")
١٠۔ بابا نور محمد صاحب باورچی	(")
١١۔ صدیق احمد صاحب پسر نور محمد صاحب دکاندار	(")
١٢۔ محمد ابراہیم صاحب ٹیلر	(حلقہ مسجد اقصیٰ)
١٣۔ نور محمد صاحب دکاندار	(حلقہ مسجد مبارک)
١۴۔ ڈاکٹر عطر دین صاحب	(")
١۵۔ (حافظ) عبدالعزیز صاحب ننگلی	(")
١٦۔ حاجی محمد دین صاحب تہالوی	(اقصیٰ)
١٧۔ حافظ صدرالدین صاحب	(")
١٨۔ بابا جان محمد صاحب	(")
١٩۔ حاجی فضل احمد صاحب	(")
٢٠۔ چوہدری محمد عبداللہ صاحب (برادر مولوی تاج الدین صاحب فاضل)	(")
٢١۔ چودھری شکرالدین صاحب	(")
٢٢۔ مولوی غلام محمد صاحب	(")
٢٣۔ بابا عطا محمد صاحب	(")
٢۴ بابا فضل محمد صاحب	(")
٢۵۔ شیخ محمد یعقوب صاحب	(")
٢٦۔ شیخ غلام جیلانی صاحب	(")
٢٧۔ چوہدری صدرالدین صاحب گجراتی	(")
٢٨۔ بابا اللہ دتہ صاحب دوالمیال	(")
٢٩۔ بابا کرم الٰہی صاحب	(")

۳۰۔ خواجہ ضیاء الحق صاحب (قصلی)

۳۱۔ عبداللہ خاں صاحب (")

۳۲۔ مولوی اللہ دین صاحب (")

۳۳۔ سید محمد شریف صاحب (")

۳۴۔ پی۔ محمد کٹی (موجودہ نام محمد احمد نعیم) (")[1]

درویشوں کی مشکلات اس دَور میں درویشوں کو پریشان کرنے اور حکّام کو ان کے خلاف اکسانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کئے جا رہے تھے ان کا کسی قدر اندازہ اخبار "انقلاب" ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کے مندرجہ ذیل نوٹ سے لگ سکتا ہے :۔

"قادیان میں تین سو تیرہ احمدی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اذانیں دیتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور اپنے مذہبی مقامات کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کو احمدی اصطلاح میں درویش کہتے ہیں۔ ان درویشوں میں سے ایک صاحب حال ہی میں واپس آئے ہیں جنہوں نے قادیان کے سکھوں کے متعلق بعض نہایت دلچسپ باتیں سُنائیں۔ مثلاً پچھلے دنوں سردار ایشر سنگھ مجھیل (وزیر مشرقی پنجاب) قادیان آئے۔ انہوں نے سکھوں اور ہندوؤں کے اجتماع میں تقریر کی۔ اس موقعہ پر ایک سکھ مقرر نے کہا کہ سردار! وہ جو ہندوستان میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان رہتے ہیں ان کا ہم بندوبست کریں گے آپ فکر نہ کیجئے۔ آپ مہربانی کر کے ان تین سو تیرہ سے ہمیں نجات دلا دیجئے۔ یہ بات اتنی مہمل اور مضحکہ خیز تھی کہ سردار ایشر سنگھ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔

ایک احمدی کے نام تیس روپے کا منی آرڈر آیا جو اس نے وصول کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کیا دیکھتا ہے کہ پوسٹ مین بھاگا ہوا آ رہا ہے۔ اس نے آتے ہی کہا کہ آپ کو پوسٹ ماسٹر صاحب بلاتے ہیں۔ یہ صاحب ڈاکخانے پہنچے تو پوسٹ ماسٹر صاحب نے کہا کہ ایک بڑی غلطی ہو گئی ہے وہ منی آرڈر کی رقم آپ واپس کر دیجئے۔ احمدی نے پوچھا وہ کیوں؟

---

[1] یہ فہرست ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے ماخوذ ہے۔ الفضل میں افراد قافلہ کی تعداد ۳۵ لکھی ہے۔ معلوم نہیں ۳۵ ویں دوست کا کیا نام ہے؟

کہنے لگے۔ یہ منی آرڈر بغیر سنسر تقسیم ہو گیا ہے۔ اب اسے سنسر کرانے کے لئے دہلی بھیجنا ہے۔ عرض کیا گیا کہ منی آرڈر کا سنسر کیا معنی! اور پھر کوپن پر کچھ لکھا ہوا بھی نہیں جس کو سنسر کرانا ضروری ہو۔ آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن پوسٹماسٹر صاحب نہ مانے اور انہوں نے رقم واپس لے کر منی آرڈر سنسر کرانے کے لئے دہلی بھیج دیا۔

ایک سکھ ڈی۔ ایس۔ پی نے ایک احمدی کو یونہی سڑک پر گرفتار کر کے ہندو اے۔ ڈی۔ ایم کی عدالت میں پیش کر دیا اور شکائیت کی کہ اس نے کرفیو کی خلاف ورزی کی ہے۔ اے ڈی ایم نے کہا کہ اس وقت قادیان میں کوئی کرفیو نہیں پھر خلاف ورزی کس چیز کی ہوئی۔ سکھ ڈی ایس پی نے کہا۔ نہیں صاحب کرفیو موجود ہے۔ اے ڈی ایم نے کہا آخر کرفیو آرڈر تو میں ہی صادر کرتا ہوں۔ مَیں نے کوئی حکم نہیں دیا اور اس وقت اس علاقے کے کسی حصے میں کرفیو نہیں ہے۔ سکھ ڈی ایس پی —— ایک سکھ دوسرے پولیس —— غصے میں آ گئے اور ہندو اے ڈی ایم سے کہنے لگے۔ اچھا آپ سمجھتے ہیں کہ کرفیو نہیں ہے بہتر ہے ذرا خود باہر نکل کر دیکھئے۔ کرفیو ہے یا نہیں۔ اے ڈی ایم اس گستاخانہ دھمکی پر دم بخود رہ گئے۔ لیکن کیا کرتے۔ آجکل ہندو افسروں کو ہر جگہ سکھوں سے دبنا پڑتا ہے۔

قادیان کے بہشتی مقبرے کے گرد احمدیوں نے ایک دیوار تعمیر کی جس میں جھلملیاں لگائی گئی ہیں جنہیں پنجابی میں جھرنا کہتے ہیں۔ سکھوں نے بالائی حکام کے پاس شکایت کر دی۔ کہ مرزائیوں نے توپوں اور بندوقوں کے لئے مورچے بنائے ہیں۔ فوجی افسر موقع کا معائنہ کرنے آئے تو بہت ناراض ہوئے کہ تم خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع کرتے ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی مورچے ہیں۔ کیا ان میں کوئی بندوق یا توپ لگائی جا سکتی ہے۔ پھر احمدیوں نے اپنے گھروں کی عمارتوں پر تو مورچے نہ لگائے قبروں پر مورچوں کی کیا ضرورت تھی۔ شکایت کرنے والے سکھ خفیف ہوئے۔

ایک اور عجیب وغریب شکایت کی گئی ہے کہ صاحب یہ احمدی صرف تین سو تیرہ نہیں ہیں بلکہ ہزاروں ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ سب اپنے تہہ خانوں میں چھپے رہتے ہیں اور صرف تین سو تیرہ باہر نکلتے ہیں۔ پھر وہ غائب ہو جاتے ہیں اور تین سو تیرہ کی نئی

کمیپ تہ خانوں سے نکل آتی ہے۔ مطلب غالباً یہ ہے کہ حکام ان احمدیوں کو تلاشیوں اور گرفتاریوں سے پریشان کریں"

دفتر زائرین کا قیام چونکہ روزانہ بہت سے معزز غیر مسلم اصحاب قادیان کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے آتے تھے اس لئے ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء میں زائرین کو مساجد، منارۃ المسیح اور دوسرے مقامات دکھانے اور مناسب طریق سے پیغام اسلام پہنچانے کے لئے ایک خاص دفتر قائم کر دیا گیا۔ یہ دفتر اُس رستہ میں بنایا گیا جو قصر خلافت کے ساتھ ساتھ تحریک جدید کی عمارت سے دار المسیح کی طرف جاتا ہے۔ مکرم سید محمد شریف صاحب، حضرت حاجی محمد دین صاحب آف تہال اور مکرم مولوی الہ دین صاحب کو یہ نئی ذمہ داری سونپی گئی اور یہ تینوں بزرگ بہت اخلاص، محبت اور استقلال کے ساتھ یہ خدمت بجا لانے لگے۔

فصل پنجم

سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء

عہد درویشی کے دوسرے سالانہ جلسہ کا انعقاد ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو قادیان کی پرانی زنانہ جلسہ گاہ میں ہوا۔ اس جلسہ میں قادیان کے درویشوں اور غیر مسلموں کے علاوہ دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، شاہجہان پور، سانڈھن (آگرہ)، علی گڑھ، امروہہ، الہ آباد، بریلی، کلکتہ، بمبئی، مونگھیر، پٹنہ، مظفر پور، رانچی اور بھوپال کے ۶۶[1] احباب نے بھی شرکت فرمائی۔ یہ دوست

---

[1] مکمل فہرست ضمیمہ میں درج ہے۔ ان زائرین میں سے ایک معزز غیر مبائع اور پانچ غیر از جماعت دوست بھی تھے۔ جلسہ میں ان احمدیوں کی شرکت حضرت مصلح موعود کی تحریک پر ہوئی۔ حضور نے فرمایا "دسمبر میں جلسہ ہو۔ ہندوستان کے احمدی اگر خیریت سے پہنچ سکیں تو بلوائے جائیں۔ (مکتوب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مورخہ ۲۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء۔ مکتوبات اصحاب احمد طبع اول اگست ۱۹۵۲ء جلد اول صفحہ ۸۲ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے)

جلسہ سالانہ قادیان دارالامان ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں شمولیت کا فخر حاصل کرنے والے ہندوستانی احمدی

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ فاضل امیر جماعت احمدیہ قادیان بھی موجود ہیں۔

اپنی اپنی جماعتوں کے نمائندے تھے جو پہلے ۲۴ دسمبر/فتح کو دہلی میں جمع ہوئے۔ پھر دہلی کے احمدی مبلغ مولانا بشیر احمد صاحب فاضل کی امارت میں پولیس اسکورٹ کے ساتھ قادیان پہنچے[۱] اور ۲۹ فتح/دسمبر کو واپس روانہ ہو گئے۔[۲]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا رُوح پرور پیغام اور ہندوستان کی احمدی جماعتوں کی تنظیم نو کا خاص ارشاد

اس مقدس تقریب پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ایک نہایت رُوح پرور پیغام ارسال فرمایا جس نے ہندوستان کے احمدیوں میں عموماً اور درویشان قادیان میں خصوصاً زندگی کی نئی رُوح پھونک دی۔ اس پیغام کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

نیا ماحول اور نئی ذمہ داریاں

برادران جماعت احمدیہ قادیان و ہندوستان یونین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مَیں آپ لوگوں کو سالانہ جلسہ کے موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت قائم رکھنے کی توفیق پانے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ سُنا گیا ہے کہ ہندوستان یونین نے سَو کے قریب ہندوستانی احمدیوں کو جلسہ میں شامل ہونے کی اجازت دی ہے گو یہ اجازت بہت بعد

---

[۱] الفضل ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ و ۲۷ صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳

[۲] مولانا بشیر احمد صاحب مبلغ جماعت احمدیہ دہلی نے جلسہ سے واپسی پر حضرت مصلح موعود کی خدمت میں مفصل روداد سفر ارسال کی تھی جو الفضل کی یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء کی اشاعت میں چھپی ہوئی ہے۔ دہلی کے اخبار "سٹیٹسمین" نے اپنی ۲۷-۲۸ دسمبر کی اشاعتوں میں اس جلسہ کی خبر شائع کی۔

میں ملی ہے اور شاید اس سے جماعت کے لوگ فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ لیکن اگر بعض افراد کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق ملی ہو تو مَیں انہیں بھی اس اہم موقعہ پر حصہ لینے پر مبارک باد دیتا ہوں۔

برادران! جماعتیں بڑے صدمات میں سے گذرے بغیر کبھی بڑی نہیں ہوتیں۔ قربانی کے مواقع کا میسّر آنا اور پھر قربانی کرنے کی قابلیت ظاہر کر دینا، یہی افراد کو جماعتوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور اس سے جماعتیں بڑی جماعت بنتی ہیں۔ ہماری قربانیاں اس وقت تک بالکل اَور قسم کی تھیں اور ان کو دیکھتے ہوئے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہماری جماعت کے بڑے بننے کے امکانات موجود ہیں۔ مگر اب جو قادیان کا حادثہ پیش آیا ہے وہ اس قسم کے واقعات میں سے ہے جو قوموں کو بڑا بنایا کرتے ہیں۔ اگر اس وقت ہماری جماعت نے اپنے فرائض کو سمجھا، اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا تو بڑائی اور عظمت اور خدائی برکات یقیناً اس کے شاملِ حال ہوں گی اور وہ اس کام کو پورا کرنے میں کامیاب ہوگی جو خدا تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا ہے۔

مَیں قادیان کے رہنے والے احمدیوں کو اس امر کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلاتا ہوں کہ وہ شور و شر کا زمانہ جس نے عمل کے مواقع کو بالکل باطل کر دیا تھا اب ختم ہو رہا ہے۔ آہستہ آہستہ امن فساد کی جگہ لے رہا ہے۔ بہت سی جگہوں کے راستے کھُل گئے ہیں اور باقی کے متعلق امید ہے کہ آہستہ آہستہ کھُل جائیں گے۔ مگر جس رنگ میں کام چل رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کی جماعت احمدیہ کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا ابھی کچھ وقت چاہتا ہے۔ وہ وقت لمبا ہو یا چھوٹا لیکن بہرحال جب تک وہ وقت نہ آئے جس حد تک موجودہ تعطّل کو دُور کیا جا سکے اس کا دُور کیا جانا ضروری ہے۔ گذشتہ سال جو تعطّل واقع ہوا وہ معافی کے قابل تھا کیونکہ تمام علاقے آپس میں کٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے تک خبر پہنچانا ناممکن تھا۔ لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ اب کسی نہ کسی ذریعہ سے قادیان اور ہندوستان کی جماعتوں کا تعلق قائم رکھا جا سکتا ہے اور تبلیغ اور اشاعت کے کام کو بھی ہاتھوں میں لیا جا سکتا ہے۔ گذشتہ ایّام میں جو تباہی آئی اس موقعہ پر قادیان کے اکثر احباب نے نہایت عمدہ نمونہ دکھایا اور قابلِ تعریف قربانی پیش کی۔ جس پر مَیں ہی نہیں ہندوستان

اور پاکستان کے لوگ ہی نہیں بلکہ دُنیا کے دُور دراز ملکوں کے لوگ بھی قادیان کے لوگوں کی قربانی کی تعریف کر رہے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اب قادیان کو صرف ایک مذہبی مرکز کے طور پر نہیں دیکھ رہے بلکہ قربانی کرنے والے ایثار کرنے والے اور اس دُکھ بھری دُنیا کو اس کے دُکھوں سے نجات دینے کی کوشش کرنے والے لوگوں کا مرکز سمجھ رہے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے قادیان اب صرف احمدیوں کا مرکز نہیں رہا بلکہ وہ مختلف مفید عام کاموں کی خواہش رکھنے والے لوگوں کی توجّہ کا مرکز بھی ہو گیا ہے۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ ایک مجلس میں شامل ہونے کا مجھے موقعہ ملا۔ میرے پاس امریکن قونصل جنرل کی بیوی تشریف رکھتی تھیں۔ مجلس سے اُٹھتے وقت مَیں نے ان سے کہا کہ اپنے خاوند سے مجھے انٹروڈیوس کرا دیں۔ انہوں نے اپنے خاوند کو مجھ سے ملوایا۔ ملنے کے بعد سب سے پہلے فقرہ جو امریکن قونصل جنرل نے کہا وہ یہ تھا کہ مجھے قادیان دیکھنے کی بہت خواہش ہے افسوس ہے کہ اس وقت تک مَیں اس خواہش کو پورا نہیں کر سکا۔ مَیں نے کہا ہمیں بھی بہت خواہش ہے لیکن افسوس کہ اِس وقت ہم بھی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتے۔ اسے سُن کر نہایت افسوس سے امریکن قونصل جنرل نے کہا۔ ہاں ہمیں بھی اِس بات کا بہت افسوس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو احمدیہ جماعت کی اکثریت قادیان کو چھوڑنے پر مجبور ہوئی ہے اور اب صرف چند سَو احمدی قادیان میں رہ گئے ہیں لیکن قادیان پہلے سے بھی زیادہ دُنیا کی توجّہ کا مرکز ہو گیا ہے اور اس کی وجہ وہی قربانی اور شاندار نمونہ ہے جو قادیان کے احمدیوں نے پیش کیا۔ اور آپ لوگ اس قربانی کی مثال کو زندہ رکھنے والے ہیں اور اِس وجہ سے اس معاملہ میں سب سے زیادہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ لیکن صرف کسی چیز کو زندہ رکھنا کافی نہیں ہوا کرتا۔ اس چیز کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا اصل کام ہوتا ہے۔ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس نُورِ آسمانی کو اپنے دل میں زندہ رکھتے جو آسمان سے اس وقت نازل ہوا تھا تو یہ بھی ایک بہت بڑا کام ہوتا۔ لیکن اتنا بڑا کام نہیں جو اس صورت میں ہوا کہ آپؐ نے اس نور کو اپنے دل ہی میں زندہ نہیں رکھا بلکہ ہزاروں لاکھوں اور انسانوں کو بھی اس نُور سے مُنوّر کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس نُور کو اپنی زندگیوں میں زندہ رکھ کر ایک بہت بڑا نمونہ دکھایا۔ لیکن اُن کا یہ نمونہ اس

سے بھی زیادہ شاندار تھا کہ انہوں نے نورِ محمدی کا ایک حصہ اپنے سینوں سے نکال کر لاکھوں اور کروڑوں دیگر انسانوں کے دلوں میں بھی بھر دیا۔ پس اے میرے عزیزو! آپ کی زندگی کا پہلا دَور ختم ہوتا ہے اور نیا دَور شروع کرنے کا وقت آگیا ہے۔ پہلے دَور کی مثال ایسی تھی جیسے چٹان پر ایک لیمپ روشن کیا جاتا ہے تا کہ وہ قریب آنے والے جہازوں کو ہوشیار کرتا رہے اور تباہی سے بچائے۔ لیکن نئے دَور کی مثال اس سُورج کی سی ہے جس کے گرد دُنیا گھومتی ہے اور جو باری باری ساری دُنیا کو روشن کر دیتا ہے۔ بیشک آپ کی تعداد قادیان میں تین سو تیرہ ہے لیکن آپ اس بات کو نہیں بھولے ہونگے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان میں خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے کام کو شروع فرمایا تھا تو اُس وقت قادیان میں احمدیوں کی تعداد صرف دو تین تھی۔ تین سَو آدمی یقیناً تین سے زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کے وقت قادیان کی آبادی گیارہ سَو تھی۔ گیارہ سَو اور تین کی نسبت ۱/۳۶۶ کی ہوتی ہے۔ اگر اس وقت قادیان کی آبادی بارہ ہزار سمجھی جائے تو موجودہ احمدیہ آبادی کی نسبت باقی قادیان کے لوگوں سے ۱/۴۰ ہوتی ہے۔ گویا جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کام شروع کیا اس سے آپ کی طاقت دس گُنے زیادہ ہے۔ پھر جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کام شروع کیا اس وقت قادیان سے باہر کوئی احمدیہ جماعت نہیں تھی لیکن اب ہندوستان میں بھی بیسیوں جگہ پر احمدیہ جماعتیں قائم ہیں۔ ان جماعتوں کو بیدار کرنا، منظم کرنا، ایک نئے عزم کے ساتھ کھڑا کرنا اور اس ارادہ کے ساتھ ان کی طاقتوں کو جمع کرنا کہ وہ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کو ہندوستان کے چاروں گوشوں میں پھیلا دیں۔ یہ آپ لوگوں کا ہی کام ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قادیان احمدیوں کا مرکز ہے۔ آپ لوگ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس لئے قادیان میں بیٹھے ہیں کہ یہ ہم احمدیوں کا مرکز ہے۔ اب یہ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ مرکز کو مرکز کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ مرکز چند مجاوروں کے جمع ہو کر بیٹھ جانے کا نام نہیں۔ مرکز ایک بے انتہا جذبہ کا نام ہے جو اپنے ماحول پر چھا جانے کا ارادہ کر کے کھڑا ہو۔ مرکز کا نام قرآن کریم میں ماں رکھا ہے اور ماں وہی ہوتی ہے جو

اپنا خون پلاکر بچوں کو پالتی، بڑا کرتی اور جوان کرتی ہے۔ پس قادیان مرکز اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی چھاتیوں کا دودھ تمام طالبانِ صداقت کو پیش کرے، اُن کو پالے اور اُن کی پرورش کرے اور اُن کو پروان چڑھائے۔ پس آپ لوگ اب اپنی نئی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے نئے سرے سے اپنے دفاتر کی تنظیم کریں اور ہندوستان کی باقی جماعتوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُن کو بڑھانے اور پھیلانے کی کوشش کریں۔ وہ تمام اغراض جن کے لئے احمدیہ جماعت قائم کی گئی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ ان اغراض کو سامنے رکھ کر صدر انجمن احمدیہ کی تنظیم کریں اور تمام ہندوستان کی جماعتوں کے ساتھ خط و کتابت کر کے اُن کو منظم کریں اور پھیلنے پھولنے میں مدد دیں۔ اس کام کے متعلق مَیں چند تجاویز آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں:-

اوّل۔ ہندوستان یونین کی تمام احمدیہ جماعتوں کی لسٹیں جمع کریں۔ (جو لسٹیں وہاں موجود نہ ہوں وہ لسٹیں پاکستان کے مرکز سے منگوا لیں)

(۲) پریس کو دوبارہ جاری کرنے کی ... کوشش کریں۔ جب تک قادیان کا پریس واگذار نہیں ہوتا اس وقت تک ضروری اشتہارات لکھ کر دہلی بھجوا دیا کریں اور وہاں سے چھپوا کر دہلی میں منگوا لیا کریں اور پھر ڈاک کے ذریعہ تمام ہندوستانی جماعتوں میں تقسیم کر دیا کریں۔

(۳) چونکہ گذشتہ صدمہ سے بعض جماعتوں میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے اس کو دُور کرنے کے لئے مختلف علاقوں میں مبلغ مقرر کریں تاکہ وہ پھر پھر کے جماعتوں کی دوبارہ تنظیم کریں۔ اس وقت مبلّغ صرف دہلی، بمبئی، حیدرآباد دکن، بہار، اڑیسہ، اور کلکتہ میں ہیں۔ جونہی آپ کام کرنے کے قابل ہو جائیں اور اپنے انتظامات کو مکمل کریں دہلی کے مبلّغ کی طرح باقی مبلّغوں کو بھی براہ راست قادیان کے ماتحت کر دیا جائے گا۔ مگر اب بھی حقیقتاً وہ آپ ہی کے ماتحت ہیں اور آپ کو اُن سے کام لینا چاہیئے۔

(۴) اس وقت قادیان میں قریباً دو درجن دیہاتی مبلّغ ہیں۔ ان لوگوں

کو کوشش کر کے دہلی پہنچایا جائے اور وہاں سے آگے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جہاں احمدیہ جماعتیں قائم ہیں پھیلا دیا جائے۔ یہ لوگ وہاں جاکر نہ صرف موجودہ جماعتوں کی تنظیم کریں بلکہ جماعت کو وسیع کرنے کی کوشش کریں۔ چونکہ آپ لوگ انڈین یونین میں ہیں اور وفادار شہریوں کی حیثیت میں ہیں کوئی وجہ نہیں کہ حکومت آپ میں اور دوسرے کام کرنے والے مسلمانوں میں کوئی فرق کرے۔ ان جانے والوں کے بدلے میں ہندوستان کی جماعتوں میں تحریک کر کے نئے واقفین بلوا کے قادیان میں رکھے جائیں جو قادیان میں آ کر تعلیم حاصل کریں اور پھر بیرونی جماعتوں میں پھیلا دیئے جائیں۔ سر دست اگر جلسہ میں کچھ احمدی باہر سے آکر شامل ہوئے ہیں تو اُن کے ساتھ پانچ دیہاتی مبلغ بھجوا دیئے جائیں جو مولوی بشیر احمد صاحب دہلوی کی نگرانی میں یو۔ پی کے مختلف علاقوں میں کام کریں۔[1] یو۔ پی کی جماعتوں میں سے لکھنؤ، شاہجہانپور، اور بریلی، آگرہ کی اچھی جماعتیں تھیں لیکن اب دیر سے ان کا پتہ ہی نہیں لگتا کہ وہ کہاں ہیں۔ اگر یہ لوگ وہاں جاکر کام کریں تو نہ صرف وہ جماعتیں جلد منظم ہو جائیں گی بلکہ نئے سرے سے پھولنے اور پھیلنے لگ جائیں گی۔ ان جانے والے مبلّغین کو سمجھا دیا جائے اگر بعض جماعتیں گزشتہ صدمات کی برداشت نہ کر کے بالکل مُردہ ہو چکی ہوں تب بھی گھبرائیں نہیں۔ ایک دو تین جتنے احمدی مل سکیں اُن کو جمع کر کے نئے سرے سے کام شروع کر دیں۔ پھر وہ انشاء اللہ دیکھیں گے کہ ابھی چند دن بھی نہیں گذرے ہوں گے اور پہلے سے بھی زیادہ مضبوط جماعتیں وہاں قائم ہو جائیں گی بلکہ ارد گرد کے علاقوں میں بھی احمدیت پھیلنے لگ جائے گی۔ یہ یاد رہے کہ سب کے سب مبلّغوں کو اکٹھا نہ بھجوایا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ ان کے قائم مقاموں کے آنے میں دقت پیدا ہو اور قادیان کی احمدی آبادی کم ہو جائے۔ اس خطرہ کو آپ کبھی نہ بھولیں۔ اور ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھیں۔ ہمیشہ پہلے باہر سے آنے والوں کو اندر لایا کریں اور پھر بعض دوسروں کو باہر جانے کی اجازت دیا کریں سوائے اُن پانچ کے جن کا مَیں نے اُوپر ذکر کیا ہے۔

(۵) چونکہ اب ملک میں ہندی کا زور ہوگا اس لئے آپ لوگ بھی دیوناگری رسم الخط کے سیکھنے کی کوشش کریں اور ہندی زبان میں لٹریچر کی اشاعت کی طرف خاص توجہ دیں

(۶) جب تک باہر سے واقفین کے آنے کی پوری آزادی نہ ہو یہ بھی ہوسکتا ہے

[1] حضور پرنور کے اس ارشاد کے مطابق دہلی سے آگے جانے والے واقفین کے ساتھ قادیان سے پانچ مبلغین بھی روانہ کر دیئے گئے اور مولوی بشیر احمد صاحب کی نگرانی میں سب سے اول یوپی کی تنظیم نو کا کام شروع

کہ کچھ طالب علموں کو مولوی بشیر احمد صاحب اپنے ساتھ رکھ کر دہلی میں پڑھائیں اور کچھ طالب علموں کو ساتھ رکھ کر مولوی محمد سلیم صاحب کلکتہ میں پڑھائیں اور کچھ طالب علموں کو ساتھ رکھ کر مولوی عبدالمالک صاحب حیدرآباد میں پڑھائیں اور پھر ان کو اردگرد کے علاقوں میں پھیلاتے چلے جائیں لیکن یہ مدنظر رکھا جائے کہ ہندوستان کے چندوں سے ہندوستان کا خرچ چل سکے اور قادیان کی آبادی کا خرچ بھی وہیں سے نکل سکے۔

(۷) قادیان میں احمدیوں کے آنے اور قادیان کے احمدیوں کو ہندوستان یونین میں جانے کے متعلق آزادی کرانے کے لئے آپ لوگ باقاعدہ کوشش کریں اور کوشش کرتے چلے جائیں تاکہ قادیان میں پھر زائرین آنے لگ جائیں۔ اور قادیان کی نہر ایک کھڑے پانی کے جوہڑ کی سی شکل اختیار نہ کر لے۔

(۸) آبادی کی زندگی کے لئے عورتوں اور بچوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ آپ لوگ متواتر حکومت کے ساتھ خط وکتابت کریں اور کوشش کریں کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ قادیان کے ساکن ان کے بیوی بچے وہاں حفاظت کے ساتھ رہ سکیں۔

(۹) جونہی قادیان میں کچھ ایسے نوجوان آ جائیں جن کا تعلیم پانے کا زمانہ ہو تو فوراً ایک سکول کی بنیاد رکھ دی جائے جس کے متعلق کوشش ہو کہ وہ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جائے۔

(۱۰) ہندوستان یونین کی صدر انجمن احمدیہ نے ایک دن کے لئے بھی ہندوستان نہیں چھوڑا۔ اسی طرح وہاں کی تحریک جدید انجمن بھی رہی ہے۔ یہ انجمنیں قادیان کی جائداد کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ آپ کو بڑے زور سے اس امر کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ افراد کی جائداد کا بے شک جھگڑا ہو لیکن صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید جبکہ ہندوستان یونین میں موجود ہیں تو کیوں حکومت اُن کے سپرد اُن کی جائداد نہ کرے۔ کالج، سکول، ہسپتال، دینی مدرسہ، زنانہ سکول، دارالانوار کا گیسٹ ہاؤس، خدام الاحمدیہ کے دفاتر، تحریک جدید کی زمینیں، ان کے مالک قادیان میں بیٹھے ہیں۔ آپ لوگ اس کے متعلق دعویٰ کریں اور ان لفظوں میں کریں کہ جبکہ ان جگہوں کے مالک، صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید اور خدام الاحمدیہ قادیان میں موجود ہیں اور جبکہ ان جگہوں سے فائدہ اُٹھانے والے احمدی ہندوستان یونین میں موجود ہیں تو کس قانون کے ماتحت ان

چیزوں پر قبضہ کیا گیا ہے۔ یہ چیزیں ہمارے سپرد ہونی چاہئیں اور ہمیں ان کے استعمال کا موقع دینا چاہیئے۔[1] عقل کے ساتھ اور ادب کے ساتھ اگر اِن مطالبات کو حکام کے سامنے بار بار رکھا جائے اور ان پر یہ روشن کیا جائے کہ ہندوستان یونین کے احمدی ہندوستان یونین کے وفادار ہیں جس طرح پاکستان کے احمدی پاکستان کے وفادار ہیں پھر ان سے باغیوں کا سا سلوک کیوں کیا جاتا ہے تو یقیناً حکومت ایک دن اپنا رویہ بدلنے پر مجبور ہوگی۔

(۱۱) جب تک پریس نہیں ملتا اس وقت تک جماعتوں کے نام چٹھی لکھ کر ہر پندرھویں روز بھجوانا شروع کریں جس میں جماعتوں کو اُن کے فرض کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر عہدہ داران جگہ چھوڑ گئے ہیں تو نئے عہدہ دار مقرر کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر عہدہ دار عہدوں پر موجود ہیں لیکن کام نہیں کرتے تو اُن کو کام کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر بالکل بیدار نہیں ہوتے تو اُن کو بدلنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔ اگر آپ پیچھے پڑ جائیں گے تو یقیناً ایمان کی چنگاری پھر سُلگ اُٹھیگی سونے والے پھر بیدار ہو جائیں گے بلکہ مُردے بھی زندہ ہو جائیں گے اور پھر تروتازگی اور نشوونما کے آثار ظاہر ہونے لگ جائیں گے۔ آپ تین سو سے زیادہ آدمی وہاں ہیں۔ اگر ان میں سے سَو آدمی کا خط پڑھے جانے کے قابل ہو اور ہر چٹھی تین تین سو کی تعداد میں باہر بھیجی جائے تو ہر لکھے پڑھے آدمی کو پندرہ دن میں صرف تین چٹھیوں کو نقل کرنا پڑتا ہے اور یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ ان چٹھیوں میں ایمان کو اُبھارنے یا زندگی کو قائم رکھنے، ہمت سے کام لینے اور خدا تعالیٰ کے اُن بے انتہا فضلوں میں حصہ لینے کی دعوت ہو جن کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ کیا گیا تھا۔ طرح طرح سے اور بار بار جماعتوں کو ہلایا جائے، جگایا جائے اور نہ صرف ہلایا اور جگایا جائے بلکہ تبلیغ کر کے اپنے آپ کو وسیع کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس وقت مُسلمان بے کسی کی حالت میں پڑا ہے۔ اس وقت وہ سچائی پر غور کرنے کے لئے تیار ہے۔ وہ اُس ہاتھ کے لئے ترس رہا ہے جو اُس کو پکڑ کر نجات کی طرف لے جائے۔ اگر آج آپ لوگ

---

[1] اس حکم کی تعمیل میں ۲۶ر فتح/دسمبر کے اجلاس دوم میں جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان کی طرف سے اتفاق رائے کے ساتھ ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا گیا۔

صحیح طور پر جماعتوں کو بیدار کرنے کی طرف توجہ کریں تو ہندوستان میں احمدیت کے پھیلنے کا بے نظیر موقع ہے۔ سردست مولوی بشیر احمد صاحب یو۔پی کی جماعتوں کو منظم کریں اور یو۔پی کے تمام چندے سوائے تحریک جدید کے چندہ کے جو غیر ممالک کی تبلیغ پر خرچ ہوتا ہے قادیان بھجوائیں آپ لوگ باقاعدہ خط وکتابت کے ذریعہ سے ہمیں بتاتے رہیں کہ فلاں فلاں جماعت منظم ہو گئی ہے اور ان کا چندہ قادیان میں آنے لگ گیا ہے تا ایسا نہ ہو کہ بدعملی کی وجہ سے کوئی جماعت بالکل تباہ ہو جائے۔ جب آپ یو۔پی کی جماعتوں کو منظم کر لیں گے تو ہم دوسرے صوبوں کو باری باری آپ کے سپرد کرتے چلے جائیں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اب خاموشی سے جھنڈے کو پکڑ کر کھڑے رہنے کا وقت گذر چکا۔ وہ کام آپ نے شاندار طور پر کیا جس کے لئے دُنیا بھر کے احمدی آپ لوگوں کے ممنون ہیں اور آنے والی نسلیں بھی آپ کی ممنون رہیں گی۔ مگر انسان ایک بڑھنے والی ہستی ہے۔ ہر روز اُس کے حالات متغیر ہوتے ہیں اور ہر روز کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اسے کام کرنا پڑتا ہے کل کی روٹی آج کام نہیں آسکتی اور آج کی روٹی آنے والے کل کام نہیں آسکتی۔ پس وہ عظیم الشان خدمت جس کے کرنے کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق بخشی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ آپ اب اگلا قدم اُٹھائیں اور قادیان کے خاموش مرکز کو ایک زندہ مرکز میں تبدیل کر دیں۔ ہندوستان یونین کی آبادی ۲۸۔ ۲۹ کروڑ کے قریب ہے۔ اس کی اصلاح اور اس کی نجات کوئی معمولی کام نہیں، کسی زمانہ میں ساری دُنیا کی آبادی اتنی ہی تھی۔ پس آج سے سینکڑوں سال پہلے ساری دُنیا کی اصلاح کا کام جتنا اہم تھا اتنا ہی آج ہندوستان کی اصلاح کا کام اہم ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے قادیان کی چھوٹی سی بستی کو بڑھا کر ایک سعی و عمل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بنانے کی توفیق بخشی وہ بھی انسان تھے اور آپ بھی انسان ہیں آپ اپنے آپ کو افراد کی حقیقت میں دیکھنا چھوڑ دیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً (النحل ع۱۶) ابراہیمؑ ایک اُمت تھا۔ جو لوگ خدا تعالےٰ پر نظر رکھتے ہوئے اس کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں وہ اپنے آپ کو فرد سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اُمت سمجھتا ہے اور اُن میں سے بعض شخص تو اپنے آپ کو دُنیا سمجھتے ہیں۔ آپ لوگ بھی اور وہ

دوسرے دوست بھی جو باہر سے اِس وقت قادیان میں تشریف لا سکے ہوں وہ بھی آج سے اپنا نقطۂ نگاہ بدل دیں۔ آج سے ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اُمّت سمجھنے لگ جائے۔ وہ یہ سمجھ لے کہ جس طرح آم کی گٹھلی میں سے ایک بڑا درخت پیدا ہو جاتا ہے، جس طرح بڑ کے چھوٹے سے بیج میں سے سینکڑوں آدمیوں کو سایہ دینے والا بڑ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ اُمّت بن کر رہے گا۔ وہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اپنی نسلیں پھیلا دے گا۔ وہ خاموش قربانی کی جگہ اب اصلاح کے لئے اپنی قربانی کو پیش کرے گا۔ ہندوستان اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے اندر پھر سے انسانیت کو قائم کیا جائے۔ پھر سے صُلح اور آشتی کو قائم کیا جائے پھر سے خدا تعالےٰ کی محبت اس کے دل میں پیدا کی جائے اور یہ کام سوائے آپ لوگوں کے اَور کوئی نہیں کر سکتا۔ عزمِ صمیم کے ساتھ اُٹھیں۔ طوفان کا سا جوش لے کر اُٹھیں اور ہندوستان پر چھا جائیں جس کا نتیجہ ضرور یہ نکلے گا کہ وہ لوگ جو آج احمدیت کو بغض اور کینہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایک دشمن کی حیثیت میں دیکھتے ہیں وہ اور اُن کی نسلیں آپ لوگوں کے ہاتھ چُومیں گی۔ آپ لوگوں کے لئے برکتیں مانگیں گی اور دُعائیں دیں گی کہ آپ لوگ اس بدقسمت ملک کو امن دینے والے اور صلح اور آشتی کی طرف لانے والے ثابت ہوئے احمدیت ایک نُور ہے۔ احمدیت صُلح کا پیغام ہے۔ احمدیت امن کی آواز ہے۔ تم اس نُور سے دُنیا کو منوّر کرو۔ تم اس پیغام کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ تم اس آواز کو دُنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند کرو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔

خاکسار مرزا محمود احمد

۲۰ ۱۲/۴۸ ” ؎۱ ؎۲

؎۱ ” مکتوباتِ اصحاب احمد علیہ السلام جلد اوّل “ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان (بھارت) صفحہ ۴۸ تا ۵۵ طبع اوّل مطبوعہ اگست ۱۹۵۲ء۔

؎۲ ۲۶ ؍ فتح / دسمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو قصرِ خلافت کی بالائی منزل میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں حضرت مصلح موعود کے اس انقلاب انگیز پیغام کی روشنی میں مناسب تجاویز زیرِ غور لائی گئیں اور نئے تقاضوں کے مدِّنظر ضروری مشورے کئے گئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا پیغام

احباب جلسہ کے نام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے درج ذیل پیغام دیا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ھوالناصر

اے احبابِ قادیان! خدا آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو بہترین فضلوں کا وارث بنائے۔ آمین ثم آمین۔

مَیں آپ کی خدمت میں جلسہ سالانہ ۱۹۴۸ء کے مبارک اور تاریخی موقعہ پر اپنی طرف سے اور پاکستان کے جملہ احمدیوں کی طرف سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کا تحیہ پیش کرتا ہوں۔

گذشتہ انقلابی فسادات کے بعد قادیان میں جماعتِ احمدیہ کا یہ دوسرا سالانہ جلسہ ہے اور طبعاً اس جلسہ کا خیال جو دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی مقدس یادگار ہے۔ ہمارے دلوں میں کئی قسم کے جذبات پیدا کر رہا ہے۔ مگر ہم خدا کے فضل سے مومن ہیں اور ہر مومن کا یہ کام ہے کہ وہ جذبات کے ہیجان کو غم واندوہ اور مایوسی کے راستہ کی طرف ڈالنے کی بجائے بیش از بیش قوتِ عمل میں منتقل کرنے کی کوشش کرے۔ اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خواہ قادیان کی یاد کتنی ہی شدید ہو اور اس کی کشش کیسی ہی زبردست سمجھی جائے، بہرحال جماعت کا سب سے مقدم کام اُس غرض و غایت کو پورا کرنا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور مَیں اس موقعہ پر آپ لوگوں کو یہی پیغام دینا چاہتا ہوں کہ جہاں قادیان سے باہر آئے ہوئے احمدیوں کا یہ کام ہے کہ وہ فریضۂ تبلیغ کے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ خدمتِ مرکز کے کام میں بھی کوشاں رہیں وہاں اہلِ قادیان کا یہ فرض ہے کہ وہ قادیان میں بظاہر قاعِد بن کر بیٹھے ہوئے بھی اس مجاہدانہ مقصد کی طرف سے غافل نہ ہوں جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث کئے گئے تھے۔ گویا جماعت کے دونوں حصوں کو دونوں قسم کے فرائض کی طرف بیک وقت توجہ رکھنی چاہیئے۔ گو زیادہ اہم مقصد بہرحال زیادہ توجہ کا حقدار ہے۔ آپ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ قادیان میں محصور ہو کر بیٹھے ہوئے آپ

فریضۂ تبلیغ کس طرح ادا کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے مومن کے لئے ہر حال میں کسی نہ کسی جہت سے ہر عملِ صالح کا رستہ کھول رکھا ہے اور یقیناً اگر آپ چاہیں اور مَیں جانتا ہوں کہ آپ ضرور چاہتے ہیں، موجودہ وقت میں بھی ذیل کے تین طریق پر اپنے فریضے سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں:۔

(اوّل) اُن شریف مزاج اور سنجیدہ غیر مسلموں کو تبلیغ کر کے جو آپ کے ارد گرد رہتے ہیں یا آپ سے ملنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اور آپ یقین رکھیں کہ مظلوم اور بے بس انسان کی تبلیغ میں ہمیشہ زیادہ اثر ہوا کرتا ہے۔

(دوم) دینی اور اخلاقی لحاظ سے اعلیٰ نمونہ قائم کر کے، کیونکہ اچھا نمونہ ایسی چیز ہے جو دشمنوں تک کا دل موہ لیتا ہے اور بسا اوقات سیاسی لحاظ سے غالب انسان اخلاقی اور دینی لحاظ سے مغلوب ہو جایا کرتا ہے۔

(سوم) جماعت کی ترقی اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے خدا کے حضور دعائیں کر کے، کیونکہ جب مومن ظاہری اسباب کے لحاظ سے بے دست و پا ہو جاتا ہے تو خدا کا یہ ازلی قانون ہے کہ ایسے حالات میں اس کی دُعا کی تاثیر ہمیشہ بڑھ جایا کرتی ہے۔

پس یہ تین ایسے آسان اور مؤثر طریق ہیں جنہیں اختیار کر کے آپ قادیان کی موجودہ محصوریت کی زندگی میں بھی فریضۂ تبلیغ ادا کر سکتے ہیں اور اپنی اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

آپ کو یہ نکتہ کبھی نہیں بھولنا چاہئیے کہ جہاں ایک حد تک جسم اور رُوح ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک کی طاقت دوسرے کی طاقت کا ذریعہ بنتی ہے وہاں یہ بھی خدا کا اٹل قانون ہے کہ ایک خاص حد کے بعد ان دونوں کے رستے جُدا جُدا ہو جاتے ہیں یعنی اُس خاص حد کے بعد جسم کی طاقت رُوح کی کمزوری اور جسم کی کمزوری رُوح کی طاقت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے باوجود اس کے کہ اسلام نے رہبانیت یعنی تارک الدُّنیا ہونے کو ناجائز قرار دیا ہے وہاں اس نے بعض موقعوں پر ایک جُزوی قسم کی رہبانیت کی اجازت بھی دی ہے بلکہ صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ اسے پسند کیا اور اس کی تحریک فرمائی ہے۔ چنانچہ رمضان کے مہینے میں اعتکاف کا عشرہ اسی قسم کی جزوی رہبانیت کا منظر پیش کرتا ہے کہ جب انسان گویا دُنیا کے تمام تعلّقات سے کٹ کر خالصۃً رُوحانی فضا میں اپنا وقت گذارتا ہے اور ان ایام میں اس بات کے سوا اُس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا کہ اپنے جسم کو بھُول

کو رُوح کو روشن کرتے ہیں منہمک رہے۔ اور ایک طرح سے اس قسم کی کیفیت حج میں بھی پائی جاتی ہے جس میں انسان گویا اپنے مادی تعلقات کو کاٹ کر صرف خدا کے لئے یہ ایام گذارتا ہے اور اس قسم کا ماحول یقیناً رُوح کی ترقی اور اُس کی بلندی اور اس کے جلا کا موجب ہوتا ہے۔ یہی کیفیت آپ کے لئے قادیان کی موجودہ زندگی نے پیدا کر دی ہے کیونکہ آجکل وہاں آپ اپنے بیوی بچوں سے جُدا، اپنے کاروبار سے کٹے ہوئے، اپنے ہر قسم کے دُنیوی تعلقات سے دُور پھینکے ہوئے زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔ یہ زندگی یقیناً اپنے بعض پہلوؤں کے لحاظ سے جسم کے لئے تکلیف دہ ہوگی۔ مگر آپ کو مبارک ہو کہ یہی زندگی آپ کی رُوحوں کے لئے ایک ایسے خوشگوار مرغزار کا حکم رکھتی ہے جہاں مومن کی رُوح گویا خوشی کے ساتھ کلیلیں بھرتی ہوئی فرشتوں کی رفاقت اور خدا کے سایہ میں اپنا وقت گذارتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہوشیار پور کے ایک دُور اُفتادہ کھنڈر مکان میں خود موقعہ تلاش کر کے خلوت کی جگہ ڈھونڈی اور آپ جانتے ہیں کہ یہ دونوں خلوتیں دُنیا میں کس عظیم الشان رُوحانی انتشار کا موجب بن گئیں۔ پس میرے دوستو! آپ کے لئے جو موقعہ خود خدا نے ایک قسم کی وقتی اور جُزوی رہبانیت کا پیدا کر دیا ہے اسے غنیمت سمجھو اور اپنی دُعاؤں اور نوافل اور جہادِ نفس اور پاک نمونہ سے اُن بھاری تغیرات کو قریب تر لے آؤ جو آسمان پر تو مقدر ہیں مگر ابھی تک زمین پر ظاہر نہیں ہوئے۔

گذشتہ سال کے غیر معمولی حادثات اور قیامت خیز انقلابات میں بھی ہمارے لئے اللہ تعالےٰ کی خاص رحمت کا یہ ممتاز پہلو موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ جماعت کے بیشتر حصہ کو قادیان سے نکلنا پڑا قادیان کے وہ خاص مقدس مقامات جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست برکت حاصل کی یعنی مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ، مینارۃ المسیح، بیت الدعاء، دارالمسیح، مقبرہ بہشتی وغیرہ وہ سب ابھی تک خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے قبضہ میں ہیں اور آپ لوگوں کو ان کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ہے اور اس طرح جماعت کو یہ موقعہ میسر آگیا ہے کہ اس کا ایک حصہ باہر آکر تبلیغ کی جدوجہد میں مصروف ہے اور دوسرا حصہ مرکز میں بیٹھ کر مقدس مقامات کی خدمت بجا لا رہا ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو مشرقی

پنجاب کے کسی اور مقام کو حاصل نہیں ہوئی۔ مگر اس خصوصیت کی قدر کو دوبالا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر حصہ اپنی خدمت کے مخصوص پہلو کے ساتھ ساتھ جہانتک اس کے لئے ممکن ہو دوسرے پہلو کو بھی مدنظر رکھے۔ یہ مت خیال کرو کہ ان فرائض کی ادائیگی میں حکومت کی طرف سے کوئی روک ہو سکتی ہے۔ دُنیا کی کوئی متمدن حکومت فریضۂ تبلیغ کی پُرامن ادائیگی اور مقدس مقامات کی خدمت میں روک نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ بنیادی حقوق انسانی ہیں جسے حکومتِ ہند نے بھی اپنے بار بار کے اعلانوں میں صراحت کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ لیکن بہرحال قرآن شریف کے اس سنہری اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ یعنی اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ اندازِ نصیحت کے طریق پر دعوت دو اور بحث اور مجادلہ کی صورت میں کبھی پسندیدہ اسلوب کو نہ چھوڑو کیونکہ اس طرح تم فریق ثانی کے دل کی کھڑکیوں کو زیادہ آسانی کے ساتھ کھول سکو گے۔ خدا کے فضل سے اب آہستہ آہستہ نارمل حالات پیدا ہو رہے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ حالات کے اس تغیر سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیں جو خدا نے ہم پر عائد کی ہیں۔ باقی اگر کوئی فرد اب بھی آپ لوگوں کے ساتھ جاہلانہ انداز میں پیش آتا ہے تو اس کے لئے اسلام کی صاف صاف تعلیم موجود ہے کہ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔

احمدیت کی تحریک خدا کے فضل سے ایک عالمگیر تحریک ہے جو اپنے منبع و ماخذ کی طرح تمام قیودِ زمانی و مکانی سے آزاد ہے کیونکہ احمدیت کی غرض و غایت اسلام کی تجدید اور دلائل و براہین کی مدد سے اسلام کی اشاعت ہے اور اسلام وہ مذہب ہے جو قیامت تک کے لئے اسود و احمر کی ہدایت کے واسطے قائم کیا گیا ہے۔ پس اسلام کی طرح احمدیت کے لئے صرف پاکستان اور ہندوستان کا سوال نہیں ہے بلکہ ہر مُلک اس کا گھر اور ہر خطۂ ارض اس کا آشیانہ ہے اور یقیناً جماعت احمدیہ کے افراد جہاں بھی ہوں گے اپنے ملکی قانون کے پابند اور پُرامن شہری بن کر رہیں گے۔ مگر ذمہ داریاں ہمیشہ دوہری ہوا کرتی ہیں یعنی جہاں مُلک اپنے شہریوں پر کچھ پابندیاں لگاتا ہے وہاں وہ لازماً اپنے اُوپر بھی اُن کے بعض حقوق تسلیم کرتا ہے۔ پس

اپنی حکومت کے حقوق اسے دو اور ضرور دو۔ مگر دوسری طرف اپنے حقوق بھی اس سے لو اور ضرور لو۔ اور چونکہ ہمارے حقوق دراصل سب خدا کے حقوق ہیں اس لئے ہم مسیح ناصری کے مشہور الفاظ میں کہہ سکتے ہیں "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو" کہ یہی دین و دُنیا میں حقیقی امن کا راستہ ہے۔

مَیں اس موقعہ پر اس بات کے اظہار سے بھی رُک نہیں سکتا کہ قریباً آٹھ نو ماہ سے جہاں تک قادیان کا تعلق ہے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ہر قسم کے کانوائے کا سلسلہ رُکا ہوا ہے اس لئے قادیان کی موجودہ آبادی کا وہ حصہ جو دراصل پاکستان کا شہری ہے یعنی وہ اپنے مقدس مرکز کی زیارت اور اپنے مقدس مقامات کی خدمت کے لئے قادیان گیا اور پھر حالات کی مجبوری کی وجہ سے ابھی تک واپس نہیں آسکا، وہ خدمتِ مرکز کی رُوحانی خوشی کے ساتھ ساتھ طبعاً بعض جسمانی تکالیف اور پریشانیوں کا بھی شکار ہو رہا ہے۔ ہم حکومت کے متعلقہ حکام کے ذریعہ اس بات کی مسلسل کوشش کر رہے ہیں کہ ایسے دوستوں کو واپس آنے کا موقعہ مِل جائے اور ان کی جگہ وہ دوست قادیان چلے جائیں جو قادیان کے باشندے ہیں اور اپنے مرکز میں واپس جاکر خدمتِ دین کا موقعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ انتہائی کوشش کے باوجود ابھی تک اس معاملہ میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس بات کے تو کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان دوستوں اور ان کے عزیزوں کے ساتھ ہمیں دلی ہمدردی ہے مگر مَیں یہ بات تو ضرور کہوں گا کہ جب تک ہمیں اس معاملہ میں کامیابی نہیں ہوتی ایسے دوست قادیان کے قیام کو ایک نعمت خیال کرتے ہوئے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ انہیں وہ موقعہ حاصل ہے جو احمدیت کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہنے والا ہے اور انشاء اللہ ان کی آئندہ نسلیں اُن کی اس وقت کی خدمت کا قیامت تک فخر کے ساتھ ذکر کیا کریں گی اور بہرحال یہ ایک عارضی جُدائی ہے۔ وَجَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ، اور پھر مومن کی رُوح تو جسم کی جُدائی میں بھی قرب کا لُطف حاصل کر لیا کرتی ہے۔ یہ الفاظ مَیں نے صرف احتیاط کے طریق پر ہر رنگ کی طبیعت کو مدّنظر رکھ کر لکھے ہیں ورنہ حق یہ ہے کہ قادیان کے دوستوں کی طرف سے جس قسم کی للّہیت اور فدائیت اور رضاء و محبّت اور صبر و سکون کے خطوط مجھے ہر روز

پہنچتے رہتے ہیں وہ میرے لئے باعثِ خوشی ہی نہیں بلکہ حقیقتاً باعثِ فخر ہیں۔

بھائیو! آپ میں سے بعض میرے عزیز ہیں بعض دوست ہیں اور بعض بزرگ بھی ہیں۔ ہاں وہی بزرگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی زمانہ میں حضور کی صحبت سے فیض پایا اور پھر اب تک اسی مئے عشق سے بیش از بیش سرشار چلے آتے ہیں۔ خدا آپ کی صحتوں اور عمروں میں برکت عطا کرے اور جس طرح اس نے آپ کی رُوحوں کو بلند کیا ہے اسی طرح وہ آپ کی زندگیوں کو بھی لمبا فرمائے تاکہ یہ ظاہر کے ٹوٹے ہوئے پیوند پھر اس دُنیا میں مل جائیں جس طرح کہ وہ عالمِ ارواح میں اب بھی ملے ہوئے ہیں۔ مگر غیب کا علم صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہی اس بات کو جانتا ہے کہ اس دُنیا میں کس کی ملاقات مقدّر ہے اور کس کی نہیں۔ پس اے ہمارے قادیان کے بھائیو! مَیں اور ہمارے پاکستانی بھائی آپ سب کو خدا کے سپرد کرتے ہیں وہی خدا جس کی رحمت اور شفقت کے پَروں کے نیچے ہم سب کا مشترک بسیرا ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد آف قادیان

حال رتن باغ لاہور

۲۰ دسمبر ۱۹۴۸ء[1]"

حضرت اُمّ المومنینؓ کا پیغام

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا نے اس موقعہ پر حسب ذیل پیغام بھجوایا:-

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

مجھے آپ کی طرف سے درخواست پہنچی ہے کہ مَیں قادیان کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آپ کو کوئی پیغام بھیجوں۔ سو میرا پیغام یہی ہے کہ مَیں آپ سب کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھتی ہوں اور یقین رکھتی ہوں کہ آپ بھی مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہوں گے کہ ایک دوسرے

---

[1] "مکتوبات اصحاب احمد علیہ السلام جلد اوّل" مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان (بھارت) بار اوّل مطبوعہ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۸۳ تا ۸۸۔

کے متعلق مومنوں کا سب سے مقدم فرض مقرر کیا گیا ہے۔ آپ لوگ بہت خوش قسمت ہیں کہ گذشتہ فسادات اور غیر معمولی حالات کے باوجود آپ کو خدا تعالیٰ نے قادیان میں ٹھہرنے اور وہاں کے مقدّس مقامات کو آباد رکھنے اور خدمت بجا لانے کی توفیق دے رکھی ہے۔ مَیں یقین رکھتی ہوں کہ آپ لوگوں کی یہ خدمت خدا کے حضور مقبول ہوگی اور احمدیت کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے خاص یادگار رہے گی۔

مَیں ۱۹۰۸ء میں بیاہی جا کر قادیان میں آئی اور پھر خدا کی مشیّت کے ماتحت مجھے ۱۹۴۷ء میں قادیان سے باہر آنا پڑا۔ اب میری عمر اسّی سال سے اُوپر ہے اور مَیں نہیں کہہ سکتی کہ خدائی تقدیر میں آئندہ کیا مقدر ہے۔ مگر بہرحال مَیں اپنے خدا کی ہر تقدیر پر راضی ہوں اور یقین رکھتی ہوں کہ خواہ درمیانی امتحان کوئی صورت اختیار کرے قادیان انشاء اللہ جماعت کو ضرور واپس ملے گا مگر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو موجودہ امتحان کو صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ برداشت کر کے اعلیٰ نمونہ قائم کریں گے۔

چند دن سے قادیان مجھے خاص طور پر زیادہ یاد آرہا ہے۔ شاید اس میں جلسہ سالانہ کی آمد آمد کی یاد کا پرتو ہو یا آپ لوگوں کی اس دلی خواہش کا مخفی اثر ہو کہ مَیں آپ کے لئے اس موقعہ پر کوئی پیغام لکھ کر بھجواؤں۔

میری سب سے بڑی تمنّا یہی ہے کہ جماعت ایمان اور اخلاص اور قربانی اور عملِ صالح میں ترقی کرے اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خواہش اور دُعا کے مطابق میری جسمانی اور رُوحانی اَولاد کا بھی اِس ترقی میں وافر حصّہ ہو۔

آپ لوگ اس وقت ایسے ماحول میں زندگی گذار رہے ہیں جو خالصتاً رُوحانی ماحول کا رنگ رکھتا ہے۔ آپ کو یہ ایّام خصوصیّت کے ساتھ دُعاؤں اور نوافل میں گذارنے چاہئیں اور عمل صالح اور باہم اُخوّت واتّحاد اور سلسلہ کے لئے قربانی کا وہ نمونہ قائم کرنا چاہئے جو صحابہؓ کی یاد کو زندہ کرنے والا ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین!

(دستخط) اُمّ محمود

رتن باغ لاہور۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۸ء[1]

---

[1] رسالہ "درویشانِ قادیان" شائع کردہ بزم درویشان قادیان دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۷ وبقیہ برصفحہ ۱۰

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا پُرسوز اور درد انگیز کلام

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود، حضرت امّ المومنین اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ایمان پرور پیغامات کے علاوہ اس جلسہ میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی ایک پُرسوز اور تڑپا دینے والی نظم بھی (جو خاص اس تقریب کے لئے درویشانِ قادیان کو مخاطب کر کے کہی گئی تھی) پڑھی گئی جس کو سُنتے ہی آنسوؤں کی گویا جھڑیاں لگ گئیں۔ ہر آنکھ اشکبار ہوگئی اور ہر دل درد اور رقت سے بھر گیا۔ یہانتک کہ غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نظم یہ تھی :-

خوشا نصیب!! کہ تم قادیاں میں رہتے ہو
دیارِ مہدیٔ آخر زماں میں رہتے ہو

قدم مسیح کے جس کو بنا چکے ہیں "حرم"
تم اُس زمینِ کرامت نشاں میں رہتے ہو

خدا نے بخشی ہے "الدّار" کی نگہبانی
اُسی کے حفظ اُسی کی اماں میں رہتے ہو؟

فرشتے ناز کریں جس کی پاسداری پہ
ہم اس سے دُور ہیں تم اس مکاں میں رہتے ہو

فضا ہے جس کی معطر نفوسِ عیسیٰ سے
اُسی مقامِ فلک آستاں میں رہتے ہو

نہ کیوں دلوں کو سکون و سرور ہو حاصل
کہ قُربِ خطّۂ رشکِ جناں میں رہتے ہو

تمہیں سلام و دُعا ہے نصیب صُبح و مسا
جوارِ مرقدِ شاہِ زماں میں رہتے ہو

شبیں جہاں کی "شب قدر" اور دن عیدیں
جو ہم سے چھوٹ گیا اُس جہاں میں رہتے ہو

کچھ ایسے گُل ہیں جو پژمُردہ ہیں جُدا ہو کر
انہیں بھی یاد رکھو گلستاں میں رہتے ہو
تمہارے دم سے ہمارے گھروں کی آبادی
تمہاری قید پہ صدقے ہزار آزادی
"بُلبُل ہوں صحنِ باغ سے دُور اور شکستہ پَر
پروانہ ہوں چراغ سے دُور اور شکستہ پَر" [1]

مقررین جلسہ اس بابرکت جلسہ پر مندرجہ ذیل عنوانات پر تقریریں ہوئیں :۔
خصوصیات اسلام (مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل)، تاریخ قادیان (مضمون مولوی برکات احمد صاحب جو میر رفیع احمد صاحب نے پڑھا)، احمدیت (حضرت حکیم خلیل احمد صاحب امیر جماعت مونگھیر) اسلام کا اقتصادی نظام (شیخ عبدالحمید صاحب عاجز) حکومت و رعایا کے باہمی تعلقات (مولوی عبدالقادر صاحب) حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں (مولوی شریف احمد صاحب امینی) موعود اقوام عالم (مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی)، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ (مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ دہلی) قومی اتحاد (حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق غیر مسلموں کی آراء (مولوی شریف احمد صاحب امینی) ذکر حبیب (حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی)، ہستی باری تعالےٰ (خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب) مسئلہ جہاد (مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی) بانی سلسلہ احمدیہ اور جماعت احمدیہ کا غیر مسلموں سے سلوک (ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

ان تقاریر کے علاوہ امیر مقامی حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ، حکیم فضل الرحمٰن صاحب مجاہد افریقہ اور صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مجاہد امریکہ [2] نے بھی حاضرین سے مختصر خطاب فرمایا

---

[1] الفضل ۵ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

[2] ۲۷ دسمبر کو پاکستان سے دو موٹر کاروں پر مشتمل ایک مختصر قافلہ قادیان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو جلسہ میں شرکت درویشوں سے مصافحہ اور بہشتی مقبرہ میں لمبی دُعا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اسی روز واپس چلا آیا۔ اس قافلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب، میاں مسعود احمد صاحب اور نذیر احمد صاحب ڈرائیور حضرت مصلح موعود کے علاوہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب اور صوفی مطیع الرحمٰن صاحب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوائے احمدیت کا لہرایا جانا

آخری دن یعنی ۲۸ فتح/دسمبر کے پہلے اجلاس میں حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر مقامی نے لوائے احمدیت لہرایا۔ اس دوران میں احباب جماعت رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کی ابراہیمی دُعا پڑھ رہے تھے کہ ایک درویش نے تین بار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فضا اللہ اکبر کی پُرشوکت آوازوں سے گونج اُٹھی۔ جھنڈا لہرانے کے بعد حضرت امیر مقامی نے تجدید عہد کے لئے حاضرین سے وہ الفاظ دُہرائے جو حضرت مصلح موعود نے جلسہ جوبلی ۱۹۳۹ء کے موقعہ پر لوائے احمدیت لہراتے وقت کہلوائے تھے۔

جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا عمدہ انتظام اور خوشکن حاضری

جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا عمدہ انتظام تھا۔ مقامی مجسٹریٹ (سردار اموک سنگھ صاحب)، ڈی ایس پی صاحب، انسپکٹر پولیس صاحب اور متعدد سب انسپکٹر شریک جلسہ رہے اور جملہ تقاریر نہایت توجہ اور دلجمعی اور دلچسپی سے سنیں۔ ۲۷ فتح/دسمبر کے پہلے وقت کی کارروائی میں حاضری ساڑھے آٹھ سو کے قریب تھی جو دوسرے وقت میں چودہ سو تک پہنچ گئی جس میں ساڑھے تین سو تو احمدی تھے اور باقی سب غیر مسلم تھے جن کی تعداد ان جلسوں کی عام حاضری سے بھی بہت زیادہ تھی جو خود ہندوؤں اور سکھوں کے جلسوں میں شرکت کرتی رہی۔ اس طرح خدا کے فضل و کرم سے اسلام و احمدیت کی تبلیغ کا ایک ایسا نادر موقعہ میسّر آیا جو اُن دنوں مشرقی پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں بھی کسی دوسری مُسلم جماعت کو حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ اور جو درویشوں کے خلاف شروع سال کی تحریک مقاطعہ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے شاندار عملی جواب اور آسمانی نصرتوں کا چمکتا ہوا نشان تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بنگالی مبلغ امریکہ بھی تھے۔ واپسی پر یہ قافلہ مسجد اقصیٰ اور دارالمسیح کے کنوئیں کا پانی اور لنگر خانہ مسیح موعود کی بچی تر روٹیاں بطور تبرک ساتھ لے گیا۔ جس کی تقسیم کا ذکر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے ایک خط میں بایں الفاظ فرمایا:-

"جو پانی اور نان وہ قادیان سے لائے تھے وہ سب عزیزوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیئے گئے اور بہت سے لوگوں نے اس تبرک سے حصہ پایا۔ مَیں نے دیکھا کہ جب مولوی فضل دین صاحب (وکیل ناقل) لنگر خانہ کے نان کا ٹکڑا مُنہ میں ڈال رہے تھے تو ان پر اس شدت کے ساتھ رقت طاری ہوئی کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا"

دوسرا باب

جلسہ سالانہ لاہور ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء

— سے لے کر —

جرمنی اور مسقط مشن کے قیام تک

فصلِ اوّل

جلسہ سالانہ لاہور ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں

حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریریں

— اور —

جلسہ ربوہ کے متعلق اطلاعِ عام

سالِ گذشتہ کی روایات کے عین مطابق ۲۵-۲۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو بھی جماعت احمدیہ لاہور کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے دو بار خطاب فرمایا۔

افتتاحی تقریر

حضورؓ نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس بنیادی نکتہ کی طرف توجہ دلائی کہ ہمارا مقصد غلبۂ اسلام کی علامات تک پہنچنا ہے۔ یہ مقصد عملی نمونہ کے دروازہ سے گذر کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

"دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں ان کے کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ہوتا ہے اور جتنے کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کے سامنے بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ نہ ہی صحیح راستہ پر چلے بغیر کوئی قوم منزل پر پہنچ سکتی ہے اور نہ مقصد کے بغیر کوئی قوم یکجہتی سے کام کر سکتی ہے۔

اس امر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے ۔ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا[1] ۔ ہر گھر جس میں تم داخل ہونا چاہتے ہو اس کے دروازے میں داخل ہو کر جاؤ یعنی ہر وہ کام جسے تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کے حصول کا جو طریق ہے وہ اختیار کرو۔

صحیح طریق اختیار کرنے کے بعد قوم کے پیش نظر کسی مقصد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی قوم کا کوئی مقصد نہ ہو تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ جس طرح دروازے میں داخل ہوئے بغیر گھر میں داخل ہونا مشکل ہے اسی طرح اپنے مقصد کے مقرر کئے بغیر کامیابی محال ہے ۔ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا[2] کہ ہر ذی عقل شخص کا کوئی مقصد ہوتا ہے جسے سامنے رکھ کر وہ چلتا ہے ۔ اسی طرح ہر قوم کا جو کسی قانون یا تنظیم کے تحت اپنے آپ کو چلاتی ہے، کوئی مقصد ہونا چاہیئے ۔ اگر بغیر مقصد کے کچھ لوگ کسی جگہ اکٹھے ہو جائیں تو اُن میں نہ قربانی کی رُوح پیدا ہوتی ہے نہ ہی ہمت اور جوش پیدا ہو سکتا ہے نہ وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ایسا اعلیٰ پروگرام جس پر عمل کر کے دُنیا میں ممتاز جگہ حاصل کر سکیں پیش کر سکتے ہیں۔

پس ہماری جماعت کو یہ دونوں زریں اصول کبھی نہیں بھولنے چاہئیں۔ ہمارا مقصد تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے کہ اسلام کو دُنیا میں غالب کرنا۔ پس ہمارا مقصد ہمارے سامنے ہے ۔ اسے حاصل کرنا ہمارا کام ہے ۔ ایسا غلبہ جو دلائل اور تعلیم کے لحاظ سے ہم دُنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں وہ تو قرآن کریم میں موجود ہے اور اعلیٰ تعلیم جس کی وجہ سے تمام مذہبی کتب سے فضیلت اس میں موجود ہے ۔ اور ہر شخص جو غور کرے اس کو دیکھ سکتا ہے لیکن جب تک ان دلائل کو عملی طور پر پیش نہ کیا جائے محض دلائل سے کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا ۔ لوگوں کا عام طریق ہوتا ہے کہ جب وہ دلائل سے عاجز آ جاتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ بتاؤ تم نے اس تعلیم پر عمل کر کے کونسا تغیر اپنے اندر پیدا کر لیا ہے ۔ کونسا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے ۔ کونسی فضیلت حاصل کر لی ہے ۔ چنانچہ آج دشمن اسی طریق سے اسلام پر طعنہ زن ہو رہا ہے ۔ جب ہم اس کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے بتاؤ اسلامی ممالک نے کونسی رواداری کی مثال پیش کی ہے اور

کونسے فتنے فساد انہوں نے رفع کئے ہیں۔ کونسا تغیّر انہوں نے پیدا کیا ہے اور اگر انہوں نے اسلامی تعلیم پر عمل کر کے کچھ نہیں کیا تو اس تعلیم کو تم ہمارے سامنے کیوں پیش کرتے ہو۔ جب اس کے ماننے والے اُسے ردّ کر چکے ہیں تو نہ ماننے والے کیونکر قبول کریں۔ یہ ایسا زبردست اعتراض ہے کہ اس کے سامنے ہمارے لئے بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

پس ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر تغیّر پیدا کریں اور اسلام کی تعلیم کے ساتھ عمل کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کریں کہ دشمن بھی اسلام کی علمی و عملی برتری کا اقرار کرنے لگے جب تک ہم عملی نمونہ پیش نہ کریں ہم غلبہ نہیں پا سکتے۔

پس یہ وہ دروازہ ہے جس سے گذر کر ہم اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں اور اسلام کے غلبہ کی عمارت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جہانتک ہمارے مقصد کا تعلق ہے وہ واضح ہے کہ قرآن کریم میں ہمارا فریضہ اسلام کو دوسرے دیان پر غالب کرنے میں کوشاں رہنا بیان فرمایا ہے لیکن جہانتک عمل کا سوال ہے اس میں ہم تہید ست ہیں"۔

فرمایا:۔

باتیں سُننا بھی ضروری ہے اور اچھی باتیں سُننی چاہئیں لیکن اب عمل کا زمانہ ہے۔ باتیں کم سُنو اور عمل زیادہ کرو . . . . ." [1]

اختتامی خطاب حضرت امیر المؤمنین نے اپنے اختتامی خطاب میں مرکز ربوہ کے پہلے جلسہ میں بکثرت آنے کی تحریک کرنے اور مرکزی چندوں اور جانی قربانیوں کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ پُوری قوت اور شوکت کے ساتھ خوشخبری سُنائی کہ یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ اسلام اب آگے ہی کی طرف قدم بڑھائے گا۔ اب اسلام ہی کے غالب ہونے کی باری ہے اور کفر کے غالب ہونے کی باری ختم ہو چکی ہے۔ حضور کی اس تقریر کا ملخص درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے یہ ہماری لاہور کی جماعت کا جلسہ ہے۔ یہ ہمارا مرکزی سالانہ جلسہ نہیں ہے۔ مرکزی سالانہ جلسہ ہم نے اس سال اپنے نئے مرکز ربوہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ نئے مرکز میں جلسہ کرنے کی راہ میں ابھی بہت سی مشکلات حائل

---

[1] الفضل ۲۶ رفتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱-۲-۹

ہیں۔ اس لئے ہم نے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس دفعہ بجائے کرسمس کے ایسٹر (اپریل ۱۹۴۹ء) کی تعطیلات میں جلسہ منعقد کریں۔ اگر اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے عمارتوں کی کوئی صورت پیدا کر دی تو انشاء اللہ بہتر انتظامات ہو جائیں گے۔ ورنہ موسم اس وقت تک اس حد تک بدل چکا ہوگا کہ اگر رہائش کے لئے مکان میسّر نہ بھی ہوں تو کھلے میدان میں سویا جا سکے گا اور دن کو شامیانوں کے نیچے تقریریں ہو سکیں گی۔ پس چونکہ ہمیں ایسٹر کی تعطیلات میں جلسہ کرنا آسان نظر آیا اس لئے ہم نے اس دفعہ دسمبر میں اپنا مرکزی جلسہ ملتوی کر دیا ہے۔

لاہور کی جماعت نے اس التواء سے فائدہ اُٹھا کر اپنا جلسہ کر لیا ہے۔ اس سے لاہور کی جماعت نے بھی ثواب حاصل کر لیا ہے اور بیرونی جماعتوں کو بھی کسی حد تک جمع ہو کر جماعتی مشکلات کو سمجھنے اور میرے خیالات سُننے کا موقع مل گیا ہے۔

ہمارا آئندہ جلسہ سالانہ انشاء اللہ نئے مرکز میں ہوگا اور وہ اس جگہ کا پہلا جلسہ ہوگا۔ بیرونجات سے آئے ہوئے دوستوں کے ذریعہ سے اور اس لحاظ سے بھی کہ میری آواز اخبار کے ذریعہ سے باہر پہنچ جائے گی، مَیں ساری جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس جلسہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آنے کی کوشش کرے۔ وہ جلسہ چونکہ نئے مرکز میں پہلا جلسہ ہوگا اس لئے خاص طور پر وہ دعاؤں کا جلسہ ہوگا تاکہ اللہ تعالےٰ ہمارے نئے مرکز کو ہمارے لئے اور اسلام کی عظمت اور بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بابرکت کرے۔ پس ابھی سے تمام دوستوں کو تیاری شروع کر دینی چاہیئے۔

لیکن غلّہ سے متعلق حکومت کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں اور غیر معمولی گرانی کی وجہ سے ہمارے لئے ربوہ میں وسیع پیمانے پر مہمان نوازی کرنا مشکل ہوگا۔ اس لئے مَیں زمیندار دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ جب وہ جلسے پر آئیں تو اُن میں سے ہر فرد اپنے ساتھ کم از کم تین سیر گندم یا آٹا ضرور لیتا آئے۔ اس تین سیر میں سے ڈیڑھ دو سیر تو خود اس کی اپنی خوراک کے لئے ہوگا اور باقی ڈیڑھ سیر اس کے دیگر غریب دوستوں یا اس کے اُن شہری بھائیوں کے لئے ہوگا جو راشن وغیرہ کی پابندی کی وجہ سے غلّہ نہیں لا سکیں گے اگر اس طریق پر عمل کیا گیا تو امید ہے کہ اتنی گندم مہیا ہو جائے گی جو تمام مہمانوں کے

لئے کافی ہو۔

گذشتہ دو سال سے عورتیں جلسہ میں شامل نہیں ہو سکیں حالانکہ قادیان میں جلسے کے موقع پر اگر مرد تیس ہزار ہوتے تھے تو عورتیں بھی پندرہ ہزار کے قریب ضرور ہوتی تھیں۔ ربوہ کے اس پہلے جلسے میں عورتوں اور بچوں کو بھی شامل ہونے کی اجازت ہوگی۔اگر تعمیر کا سلسلہ نہ بھی شروع ہوا تو عورتوں کے لئے قناتوں کا انتظام کر دیا جائے گا اور مرد کھُلے میدان میں رہ سکیں گے۔ یہ ایک نہایت ہی خوشکن نظارہ ہوگا فطرتی سادگی کا۔یہ نظارہ مکہ میں حج کے موقعہ پر ہر سال ہی نظر آتا ہے جبکہ لوگ مکانات کی قلت کی وجہ سے سڑکوں اور میدانوں میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ درحقیقت ابتدائی سادگی جو فطرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے وہی دُنیا میں حقیقی امن قائم کر سکتی ہے۔ جب تک انسان اُن چیزوں پر اکتفا نہیں کرتے جو خدا نے دی ہیں اس وقت تک دُنیا سے فتنہ و فساد کبھی مٹ نہیں سکتے۔

مَیں یہ بھی تحریک کرتا ہوں کہ دوست اپنی اپنی جگہ دالیں جمع کریں جو جلسے کے موقعہ پر کام آ سکیں۔لیکن چندہ جلسہ سالانہ پر اس کا اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔اگر دوست ماش، چنا، مونگ اور مسور ثابت ابھی سے جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ چیزیں کافی کام آ سکتی ہیں۔

مَیں ایک اَور ضروری تحریک بھی احباب کو کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تک ربوہ کے گرد و نواح میں چیزیں کافی سستی ہیں۔ لیکن جونہی قصبہ آباد ہو گیا چیزیں گراں ہونے کا احتمال ہے۔ شروع میں وہاں پر روپے کا چار اور پانچ سیر کے درمیان دودھ مل جاتا تھا۔ اب جب ہمارے کچھ دفاتر چلے گئے ہیں دودھ روپے کا تین سیر ہو گیا ہے۔

جن علاقوں میں بھینسیں پالنے کا شوق ہے اور لوگ بھینسیں صدقہ کے طور پر دے سکتے ہیں انہیں بھینسیں ہدیۃً سلسلہ کو پیش کرنی چاہئیں تاکہ مرکز کے قائم ہونے سے قبل وہاں پر اتنی بھینسیں موجود ہوں کہ ہم اس علاقہ سے دودھ نہ خریدیں اور قیمتیں بلاوجہ گراں نہ ہوں۔

ہماری تحریک پر بڑھئی، معماروں اور دیگر کاریگروں نے کئی سَو کی تعداد میں مرکز میں کام کرنے کی درخواستیں دی ہیں۔ مَیں ان سب کو اطلاع دے دیتا ہوں کہ وہ پابہ رکاب

رہیں جس وقت بھی انہیں اطلاع دی جائے انہیں فوراً ربوہ پہنچ کر کام شروع کر دینا چاہئیے یاد رکھو ہمارا ایک ایک دن بہت قیمتی ہے اور مرکز کے قیام میں ایک دن کی تعویق بھی ہمارے لئے مُضر ہے۔

ربوہ کی زمین کی قیمتوں کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

اس سلسلہ میں بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ زمین کی فروخت کا جو پہلا اعلان کیا گیا تھا اس میں دو شرطیں رکھی گئی تھیں (۱) ایک سو روپیہ کنال کے حساب سے آٹھ سو کنال فروخت کی جائے گی۔

(۲) ۱۵ را کتوبر تک ایک سو روپیہ فی کنال کے حساب سے زمین دی جائے گی۔ گویا اس اعلان کا مطلب یہ تھا کہ (ا) اگر ۱۵ اکتوبر سے قبل ہی آٹھ سو کنال فروخت ہو گئی تو پھر مقررہ شرح پر فروخت بند کر دی جائے گی۔ (ب) اگر آٹھ سو کنال زمین فروخت نہ ہوئی لیکن ۱۵ اکتوبر کی تاریخ آگئی تو اس صورت میں بھی مقررہ قیمت پر زمین کی فروخت بند ہو جائے گی۔

اس اعلان کے مطابق چونکہ ۶ - ۷ راکتوبر کو ہی آٹھ سو کنال فروخت ہو گئے تھے۔ اس لئے گو ۱۵ اکتوبر کی تاریخ ابھی نہیں آئی تھی لیکن فروخت بند کر دی گئی تھی۔

فرمایا:۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خرچ کا قلیل سے قلیل بھی اندازہ لگایا جائے تو کوئی قصبہ پچیس تیس لاکھ روپے خرچ کئے بغیر نہیں بن سکتا۔ یہ رقم ان چیزوں پر خرچ ہوتی ہے، جو قصبہ کے سارے باشندوں کے کام آتی ہیں جیسے مثلاً سکول کالج وغیرہ۔ اگر کچی عمارتوں کا اندازہ بھی لگایا جائے تو تیرہ لاکھ روپے سے کم نہ ہوگا۔ اب صاف بات ہے کہ یہ رقم دو ہی طریق سے لی جا سکتی ہے (۱) خریداروں سے زیادہ قیمت وصول کر کے (۲) ساری جماعت سے چندہ لے کر۔ ظاہر ہے کہ اخلاقی طور پر ہم ساری جماعت سے یہ رقم نہیں لے سکتے۔ کیونکہ یہ رقم جن چیزوں پر خرچ ہوتی ہے ان سے زیادہ تر مقامی لوگوں نے فائدہ اُٹھانا ہے۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہی ہم نے اختیار کی ہے۔ وہ یہ کہ زمین کی قیمت زیادہ وصول کی جائے۔ مَیں دوستوں کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ جلد سے جلد زمین اپنے لئے مخصوص کرائیں۔

اس کے بعد حضور نے نئے مرکز کے قیام کے سلسلے میں بعض منافقین کی طرف سے پھیلائے ہوئے اس شُبہ کا ذکر کیا کہ نئے مرکز کا قیام بتاتا ہے کہ گویا ہمیں قادیان واپس ملنے میں شبہ ہے۔

حضور نے فرمایا۔

۱۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سلسلہ کا مستقل مرکز قادیان قرار دے دیا تو پھر کسی احمدی کہلانے والے دل میں شُبہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

۲۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دیگر ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوئیں تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قادیان کے مرکز رہنے کی پیشگوئی نعوذ باللہ پوری نہ ہوگی۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں صراحتاً قادیان سے نکلنے کی پیشگوئی موجود ہے۔

۴۔ خود مجھے اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت گذشتہ سال کے واقعات کی تفصیلاً اطلاع دی جو ۴۲ء میں شائع بھی ہو چکی ہے اور وہ لفظ بلفظ پُوری ہوئی۔ اس اطلاع میں نئے مرکز کے قیام اور قادیان کی واپسی کی خبر بھی موجود ہے۔ جب خدا نے انذار والے پہلو پورے کئے تو ہم کس طرح گمان کر سکتے ہیں کہ وہ تبشیر کے پہلو پورے نہ کرے گا۔

اس موقعہ پر کسی صاحب نے رقعہ کے ذریعہ دریافت کیا کہ کیا حضور کو پاکستان کے متعلق بھی کوئی اطلاع خدا تعالےٰ کی طرف سے ملی ہے۔ حضور نے فرمایا :۔

اسلام کی ترقی خدائی تقدیروں میں سے ایک تقدیر ہے۔ یہ **قطعی اور یقینی بات** ہے کہ **اسلام اب آگے ہی کی طرف قدم بڑھائے گا۔ اب اسلام ہی کے غالب ہونے کی باری ہے۔ اب کفر کے غالب ہونے کی باری ختم ہو چکی ہے۔**

حضور نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ

قادیان کی تقدیس اسلام کی اشاعت اور اسلامی تعلیم کے قیام کا مرکز ہونے کی وجہ سے تھی۔ اگر یہ چیز اب قادیان کی بجائے کسی اور مقام سے شروع ہو جائے گی تو وہ مقام بھی بابرکت ہو جائے گا۔ اسی طرح جس طرح ہجرت نبوی کے بعد گو مکّہ بھی بابرکت رہا مگر خدا نے مدینہ کو بھی برکت دے دی جس طرح گو اصل مسجد خانہ کعبہ ہے مگر مسلمان ہر جگہ اس کی نقل میں مسجد بناتے ہیں اور وہ مسجد بابرکت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گو ہمارا اصل مرکز قادیان ہے لیکن اس

کی نقل میں جو بھی مرکز بنیں گے یقیناً وہ بھی بابرکت ہو جائیں گے۔ جس خدا نے مکے اور مدینے کو برکت دی میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کے خزانے میں ابھی اور بھی بہت سی برکتیں ہیں۔ تم صرف نیک نیتی سے دین کی خدمت کرنے کا تہیہ کر لو پھر جس جگہ مرکز بناؤ گے وہ مقدس ہو جائے گی۔

حضور نے چندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

جب سے مرکزی دفاتر کا اکثر حصہ ربوہ چلا گیا ہے یک دم چندوں میں کمی آگئی ہے چنانچہ پچھلے تین ماہ ایک لاکھ روپے کا نقصان ہوا ہے۔ میں جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد سے جلد اپنے چندے ربوہ میں بھیج دیں۔ اگر یہ کمی جاری رہی تو لازمی طور پر دین کے موجودہ کاموں کو صدمہ پہنچے گا۔

آخر میں حضور نے فرمایا:۔

انگریزوں کے چلے جانے سے اور پاکستان کے قیام سے لازمی طور پر ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ ہمیں بدلے ہوئے حالات کو اور وقت کی نزاکت کو محسوس کرنا چاہیئے۔ ہماری جماعت کو بالخصوص اپنا نظریہ بدل لینا چاہیئے۔ اب صرف چندوں سے، نماز روزہ حج اور زکوٰۃ سے ہم اپنا فرض ادا نہیں کر سکتے۔ ہمیں اسلام کی حفاظت اور بقا کے لئے جانی قربانی کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیئے۔ جس طرح مالی قربانی کے میدان میں ہم نے عدیم النظیر مثال دُنیا میں قائم کی ہے۔ اسی طرح جانی قربانی کے میدان میں بھی تمہارا امام تم سے ایسا نمونہ طلب کرتا ہے جس کی کوئی مثال نہ ہو۔ مومن بہادر ہوتا ہے۔ اگر ہماری جماعت مومن ہے تو پھر اسے بہادر بھی بننا چاہیئے اور صرف بہادر ہی ہماری جماعت میں رہنے کا حقدار ہے۔[1]

جلسہ کے دوسرے مقررین حضرت مصلح موعود کے ان اثر انگیز خطابات کے علاوہ مولانا عبدالغفور صاحب، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب، قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور، مولانا جلال الدین صاحب شمس، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور بعض دیگر مقررین کی مختلف اہم موضوعات پر تقریریں ہوئیں۔[2]

---

[1] الفضل لاہور ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳-۴ [2] تفصیل الفضل ۲۶، ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں درج ہے۔

جلسہ کے پہلے روز مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی کے ذاتی نمائندے الشیخ عبداللہ غوشیہ اور السید سلیم الحسنی اور السید عبدالحمید بک (افغانستان میں فلسطینی سفیر) بھی تشریف لائے۔ الشیخ عبداللہ غوشیہ نے مسئلہ فلسطین اور اتحاد اسلامی کے موضوع پر عربی میں ایک مؤثر تقریر فرمائی جس کا اردو ترجمہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے سنایا۔[1]

فصل دوم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں مندرجہ ذیل جلیل القدر صحابہ نے وفات پائی

۱۔ حضرت حافظ سید عزیز اللہ شاہ صاحب والد ماجد حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ حرم رابع سیدنا المصلح الموعود (وفات ۱۲/وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء بوقت ایک بجے شب)

تہجد گزار، بہت گریہ و بکا سے مولا کو یاد کرنے والے، خاموش طبع، خلوت پسند، رقیق القلب، مہمان نواز اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء اور خاندان سے غایت درجہ محبت و عقیدت رکھنے والے بزرگ تھے۔ حضرت مصلح موعود سے بہت قریبی رشتہ تھا مگر ادب و احترام کے باعث حضور کے سامنے کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔[2]

۲۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر بانی مغربی افریقہ مشن (وفات ۶/تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء بمقام گوجرانوالہ)

آپ کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ "تاریخ احمدیت" کے متعدد مقامات پر آچکا ہے جس کے

---

[1] الفضل لاہور ۲۶/فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱ و ۸۔

[2] الفضل ۱۳/وفا، ۱۶/وفا، ۲۳/وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء و الفضل ۷/صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء۔

اعادہ کی ضرورت نہیں۔[1]

۳۔ حضرت مرزا قدرت اللہ صاحب متوطن کوچہ چابک سواراں لاہور (ولادت: ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۰ء، بیعت و زیارت: ۱۹۰۲ء ، وفات ۲۰ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء بمقام لاہور)

پنجابی کے مشہور شاعر بابا ہدایت اللہ صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ نہایت نیک، خیر خواہ، مہمان نواز، اور غیور اور جوشیلے احمدی تھے۔ بچپن ہی سے آپ کو رویاء صادقہ ہوتی تھیں۔[2]

۴۔ حضرت مولوی حکیم قطب الدین صاحب متوطن بدوملہی ضلع سیالکوٹ (بیعت: ۱۸۹۲ء غالباً، وفات ۲۵ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی بار زیارت ۱۸۸۴ء میں حضور کے قیام لدھیانہ کے دوران کی۔ جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء کی فہرست اور ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام درج ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام اپنے اہلبیت کے لئے دوا اور عرق تیار کرنے کا ارشاد آپ کو بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے سفر نصیبین کے سہ رکنی وفد میں آپ کو بھی شامل فرمایا۔ حضور کی بعض علمی تحقیقات کے سلسلہ میں بعض حوالہ جات پیش کرنے کا موقعہ ملا۔[3]

۵۔ حضرت شیخ نصیر الدین صاحب (وطن مالوف قصبہ مکندپور ضلع جالندھر، وفات اخاء/نبوت مطابق اکتوبر/نومبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء بمقام راولپنڈی)[4]

---

[1] بطور مثال ملاحظہ ہو جلد سوم زیر عنوان "۱۹۰۸ء کے بعض ممتاز صحابہ" حضرت مولانا نیر کے ایمان افروز خود نوشت حالات و روایات رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۹، ۳۰۱، ۳۱۲ و جلد ۱۲ صفحہ ۱۲ میں محفوظ ہیں۔ علاوہ ازیں الفضل کے مندرجہ ذیل پرچوں میں بھی آپ کے شمائل و اخلاق اور خدمات کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۹ - ۲۳ - ۲۵ تبوک/ستمبر و ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء - ۲۶ شہادت/اپریل، ۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء نیز "لاہور تاریخ احمدیت" مؤلفہ شیخ عبدالقادر صاحب نو مسلم مربی سلسلہ احمدیہ صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۶

[2] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ و جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۵ - ۲۹۱، "تاریخ احمدیت لاہور" (مؤلفہ جناب مولانا شیخ عبدالقادر صاحب نو مسلم مربی سلسلہ احمدیہ)، الفضل ۲۶ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۶

[3] خود نوشت حالات کے لئے ملاحظہ ہو رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۸ صفحہ ۸۳، الفضل ۹ صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۳

[4] میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ نے الفضل ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء میں آپ کے حالات شائع کرا دیئے تھے۔

۶۔ حضرت حافظ عبدالعلی صاحب برادر اکبر حضرت مولوی شیر علی صاحب متوطن ادرحمہ ضلع سرگودھا۔
(ولادت ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء، بیعت و زیارت: ۱۸۹۳ء بر موقعہ مباحثہ آتھم، وفات: ۱۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء)
مقدمہ مارٹن کلارک کے دوران بٹالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ خطبہ الہامیہ کی تقریب میں بھی موجود تھے۔ کئی بار حضور علیہ السلام کے ساتھ کھانا تناول کرنے کا موقعہ ملا۔[1]

۷۔ حضرت شیخ نورالدین صاحب تاجر دارالفتوح قادیان (وطن مالوف رندھاوا ضلع گورداسپور) زیارت و بیعت ۱۸۹۹ء، وفات ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء بمقام منٹگمری (ساہیوال)۔
کم گو، حلیم الطبع اور متدین بزرگ تھے۔[2]

۸۔ حضرت بابو احمداللہ صاحب (وفات ۱۷ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء۔)
۱۸۹۰ء میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی تبلیغ سے داخل احمدیت ہوئے۔ دو بار انگلستان گئے جہاں کئی افراد کو مسلمان بنانے کی توفیق ملی۔ شروع شروع میں آپ ہی جماعت احمدیہ نوشہرہ چھاؤنی کے پریذیڈنٹ اور سکرٹری مال تھے اور آپ ہی کے مکان پر نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ ۱۹۳۴ء میں قادیان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے اور وہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔[3]

۹۔ قاضی عزیز الدین صاحب متوطن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور۔ (وفات ۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء)
ممتاز اور متمول زمیندار ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ تبلیغ کا شوق تھا۔ غریب پروری اور مہمان نوازی میں نمونہ تھے۔[4]

دو ممتاز تابعین کی وفات

مندرجہ بالا صحابہ کے علاوہ اس سال سلسلہ احمدیہ کے مخلص و ممتاز تابعین میں سے حضرت پیر اکبر علی صاحب وکیل امیر جماعت احمدیہ

---

[1] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ - ۱۴۷، جلد ۷ صفحہ ۲۱۷، جلد ۱۱ صفحہ ۳۴۷۔
[2] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۱۲ صفحہ ۹ تا ۱۲ (خود نوشت روایات)، الفضل ۲۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔
[3] الفضل ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶ و ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶، "تاریخ احمدیہ سرحد" صفحہ ۲۲۵ - ۲۲۸ (از حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ ۱۹۵۹ء قاضی خیل ہوتی ضلع مردان)
[4] الفضل ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶۔

فیروز پور[1] اور ڈاکٹر بشیر محمود صاحب آف پونچھ ڈپٹی ڈائریکٹر میڈیکل سروسز آزاد کشمیر گورنمنٹ مولائے حقیقی سے جا ملے۔[2]

---

[1] وفات: ۲۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء ۔ حضرت مصلح موعود نے ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کو لاہور میں آپ کا جنازہ غائب پڑھایا۔ اور خطبہ ثانیہ میں فرمایا "پیر اکبر علی صاحب .... ہماری مجلس شوریٰ کی مالی سب کمیٹی میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ اور بڑے نیک اور مخلص انسان تھے .... آپ فیروز پور کے رہنے والے تھے اور وہاں کی جماعت کے امیر تھے (الفضل ۵ احسان/جون ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۳) ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "تابعین اصحاب احمد" جلد ۶ میں آپ کے حالات زندگی شائع کر دیئے ہیں۔ جن سے آپ کے شمائل اور زریں خدمات سلسلہ پر روشنی پڑتی ہے۔

اخبار "انقلاب" (۲۹ مئی ۱۹۴۸ء) نے آپ کی وفات پر حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

پیر اکبر علی کا انتقال

فیروز پور کے مشہور ایڈووکیٹ اور سابق ایم ایل اے پیر اکبر علی صاحب ۲۵ مئی رات کے بارہ بجے راولپنڈی میں رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پیر صاحب مرحوم نہایت کامیاب وکیل اور صاحب اثرورسوخ تھے۔ سالہا سال تک آپ پنجاب کی مجلس قانون ساز کے ممبر رہے اور مخلص آدمی تھے۔ گذشتہ فسادات میں آپ کو فیروز پور چھوڑ کر مغربی پنجاب آنا پڑا۔ آپ فالج میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ہمیں پیر صاحب کے متعلقین سے اس حادثہ جانکاہ میں دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے (انقلاب ۲۹ مئی ۱۹۴۸ء صفحہ ۸)

[2] اخبار "انقلاب" میں آپ کی وفات کی خبر مندرجہ ذیل الفاظ میں چھپی:۔

"ڈاکٹر بشیر محمود کی شہادت پر آزاد کشمیر حکومت کا اعلان

راولپنڈی کشمیر پبلسٹی بیورو ۱۴ جون

آزاد کشمیر گورنمنٹ کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ محترم ڈاکٹر بشیر محمود صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر میڈیکل سروسز آزاد کشمیر گورنمنٹ گذشتہ دنوں شہید ہو گئے ہیں۔ آپ آزاد کشمیر گورنمنٹ کے بہترین مخلص کارکن تھے۔ اور تحریک کے شروع سے ہی پوری محنت سے کام کر رہے تھے۔

آپ پہلے پونچھ میں پرائیویٹ پریکٹس کرتے تھے۔ گذشتہ سال کے شروع سے سرینگر چلے گئے۔ موجودہ تحریک حریت کے آرگنائزڈ کرنے میں آپ نے بہت بڑا کام کیا اور خاص خدمات سرانجام دیں۔ تحریک شروع ہونے پر آپ احباب کے مشورے سے کشمیر سے باہر نکل آئے۔ آنے کے بعد آپ کی کئی ہزار کی ادویات اور دیگر سامان ڈوگرہ حکومت نے ضبط کر لیا۔

باہر آکر آپ نے آزاد افواج اور میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کی تنظیم میں سرگرم حصہ لیا۔ ہر چھوٹا بڑا آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ آزاد گورنمنٹ اور ریاستی عوام نے آپ کی جوانا مرگ کو بہت محسوس کیا ہے۔ آپ مریضوں سے بہت اچھی طرح سے پیش آتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفا بخشی رکھی تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے" (انقلاب ۱۴ جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۷)

فصل سوم

۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعود میں خوشی کی تقاریب

اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک خاندان میں خوشی کی متعدد تقاریب کا انعقاد ہوا۔

۱۔ ۱۸/۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (ابن حضرت مصلح موعود) کی شادی عمل میں آئی۔[1]

۲۔ ۲۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو صاحبزادی سیدہ امۃ الباسط صاحبہ (دختر حضرت مصلح موعود) کے رخصتانہ کی تقریب سعید منعقد ہوئی۔ آپ کا نکاح میر داؤد احمد صاحب سے ہوا تھا۔[2]

۳۔ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ نے سیکنڈ ڈویژن میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔[3]

امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد کا تار بھارتی حکومت کے نام

امیر جماعت احمدیہ سرحد حضرت قاضی محمد یوسف صاحب ہوتی ضلع مردان نے بھارتی حکومت کے نام ایک تار دیا جس کی خبر "انقلاب" لاہور نے درج ذیل لفظوں میں شائع کی:۔

"فوجی قوت سے قادیان کو ہندوؤں اور سکھوں کے حوالے کر دینے کا اقدام

ہندوستانی لیڈروں کو سرحدی جماعت احمدیہ کا انتباہ

پشاور۔ ۲۱ جنوری۔ صوبہ سرحد کی جماعت احمدیہ کے امیر نے مندرجہ ذیل تار پنڈت نہرو، مسٹر پٹیل، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو وزیر اعظم پنجاب مشرقی کو بھیجا ہے اور اس کی نقلیں اخبارات کو بھی بھجوائی ہیں۔

صوبہ سرحد کے احمدی یہ برداشت نہیں کریں گے کہ احمدیوں کو ان کے مذہبی مستقر قادیان سے

۱۔ الفضل ۲۱ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔
۲۔ الفضل ۲۶-۲۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔
۳۔ الفضل ۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶۔

جبراً نکال دیا جائے اور ہندوستانی فوجوں کے استعمال سے احمدیوں کو وہاں سے نکال کر ہندوؤں اور سکھوں کو اس بستی کا قبضہ دلایا جائے۔ ہم انسانیت اور انصاف کے نام پر ہندوستانی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ قادیان اور ماحولھا کو فی الفور فرقہ احمدیہ کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر ہماری یہ استدعا منظوری کا شرف حاصل کرنے سے قاصر رہی تو واضح رہے کہ ہم اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا تہیہ کر چکے ہیں اور جب تک تمام غلط کاریوں کی تصحیح نہ ہو جائے، ہماری قربانیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔"[1]

مشرقی پنجاب کے احمدی قیدیوں کی رہائی

فسادات ۱۹۴۷ء میں مندرجہ ذیل مخلص احمدی قادیان اور اس کے ماحول سے گرفتار کئے گئے تھے۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے (ممبر پنجاب اسمبلی)، میجر چودھری شریف احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی، مکرم مولوی احمد خاں صاحب نسیم (سابق مبلغ اسلام برما)، مکرم چودھری عبدالعزیز صاحب (محتسب امور عامہ)، مکرم چودھری علی اکبر صاحب (رئیس ماڑی بچیاں) مکرم چودھری محمد عبداللہ صاحب کوٹلہ صوبا سنگھ، ڈاکٹر سلطان علی صاحب آف ماڑی بچیاں۔ وغیرہ

ان احباب کو گورداسپور اور جالندھر جیل میں قید و بند کے انسانیت سوز مظالم برداشت کرنے پڑے۔ افسران جیل کا ارادہ انہیں مروا دینے کا تھا اور اس غرض کے لئے سکھ بھی مقرر کئے جا چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک طرف حضرت امیرالمومنین مصلح موعود کو خواب میں دکھایا گیا کہ "سید ولی اللہ شاہ صاحب آئے ہیں اور میرے پاس آکر ساتھ بیٹھ گئے ہیں"[2] دوسری طرف خود حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور دوسرے اصحاب کو عالم رویاء میں رہائی کی بشارتیں دی گئیں۔ چنانچہ ان مبشر خوابوں کے عین مطابق یہ حضرات بین المملکتی معاہدہ کی بنا پر ۸ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کو جالندھر جیل سے لاہور کی سنٹرل جیل میں منتقل کئے گئے[3]۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال لاہور پہنچتے ہی اور دوسرے حضرات ۱۰ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کو ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔

---

[1] "انقلاب" ۸ار جنوری ۱۹۴۸ء صفحہ ۴ ۔ [2] الفضل ۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء ۔ [3] قیدیوں کی سپیشل ٹرین لاہور چھاؤنی اسٹیشن پر پہنچی تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت نواب محمد دین صاحب، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور، چودھری اسد اللہ خاں صاحب بارایٹ لاء اور دوسرے احمدیوں نے پرجوش استقبال کیا (الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ مبلغین احمدیت کے درمیان رونق افروز ہیں (ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں)

احمدی اسیران کال کوٹھڑیوں اور آہنی سلاخوں میں بھی پوری جرأت اور مومنانہ شان سے تبلیغ حق میں برابر مصروف رہے اور ۴۸۵ نفوس کو حلقہ بگوش احمدیت کرنے کا موجب بنے جن میں سے ۳۶ نئے احمدی بھائیوں کی رہائی ۔ اشہادت/ اپریل ہی کو عمل میں آگئی۔[1] احمدی قیدیوں کے اعزاز میں نہ صرف پاکستان میں پُرمسرت تقاریب منعقد کی گئیں[2] بلکہ ۲۳ ماہ شہادت/ اپریل ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء کو قادیان کے درویشوں نے بھی بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔[3]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کی مسئلہ فلسطین سے متعلق خدمات کا ذکر پاکستانی پریس میں

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس زمانہ میں مسلمانانِ فلسطین کی حمایت میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ان کی دھوم سارے عالم اسلام میں مچی ہوئی تھی۔ اس تعلق میں پاکستانی پریس کی چند خبریں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں :-

۱۔ "سر ظفر اللہ کی روانگی نے عربوں کو ایک قابل قدر بیش قیمت امداد سے محروم کر دیا

لندن (۹ مئی) اسٹار کا خصوصی نامہ نگار مقیم لیک سیکس رقم طراز ہے کہ سر ظفر اللہ خاں کی روانگی نے عرب وفود کو ایک بیش قیمت امداد سے محروم کر دیا ہے جو کہ وہ ان سے فلسطین کے مسئلہ پر اب تک حاصل کر رہے تھے۔

جس عزت کی نگاہ سے پاکستان کے وزیر خارجہ کو عرب وفود یہاں دیکھتے تھے اس کا مظاہرہ یہاں اس طرح ہوا کہ تمام کے تمام عرب وفود سر ظفر اللہ خاں کو الوداع کہنے کے لئے گاڈیا کے ہوائی مستقر پہ پہنچے۔ یہ محض تواضع نہیں تھی بلکہ اپنے ایک محسن کے لئے ہدیہ تشکرانہ تھا۔ عرب آپ کی امداد سے محروم ہو جائیں گے لیکن وہ ان نازک دنوں میں آپ کی امداد کے بہت ہی شکر گذار ہیں۔ اب وہ اس موجودہ اجلاس کی اہمیت کو سمجھ رہے ہیں کیونکہ انتداب کا خاتمہ ہونے والا ہے"[5]

۲۔ " لندن ۔ یکم جون (اسٹار) لبنانی سفیر ڈاکٹر وکٹر خوری نے لیک سیکس سے واپسی پر

---

[1] الفضل ۱۳/ شہادت/ اپریل ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء صفحہ ۴ ۔ [2] الفضل ۱۳/ شہادت/ اپریل ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ ۔
[3] الفضل ۱۳/ شہادت، ۲۲ شہادت، یکم ہجرت ۱۳۵۱ ہش ۔ [4] قدیم ریکارڈ ۱۳۲۶-۲۷ ہش/ ۱۹۴۷-۴۸ء مرتبہ مرزا محمد حیات صاحب ۔
[5] نوائے وقت لاہور ۱۱/ مئی ۱۹۴۸ء صفحہ ۱ ۔

مجلس اقوام میں عرب مقاصد سے پاکستان کی ہم آہنگی پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا۔ چودھری ظفراللہ خاں ایک بیش قیمت اور قابل ساتھی ہیں۔" ؎۱

۳۔ " پیرس (سٹار نیوز ایجنسی) ۲۰ ستمبر

پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سر محمد ظفراللہ خاں کا نام یہاں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کے لئے بہت زوردار طریقے سے لیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے حالیہ اجلاس میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے کہ ان کا درجہ دُنیا کے بہترین پارلیمنٹری سیاست دانوں میں قائم ہو گیا ہے۔ لیگ آف نیشنز میں ان کے تجربے کا بھی بہت سے لوگوں کو احساس ہے۔

ان کے سب سے زیادہ حامی عرب اقوام کے وفود ہیں۔ وہ اُن کے لئے اپنے تمام ووٹ دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دیگر ممالک کے ووٹ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ خاص طور پر لاطینی امریکہ کے ممالک کے ووٹ حاصل کئے جائیں گے۔" ؎۲

حضرت مصلح موعود کا اہم پیغام فلسطینی احمدیوں کے نام

حضرت مصلح موعود نے ۱۵ ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو رتن باغ کے مشاورتی اجلاس میں ارشاد فرمایا کہ

" شام والوں کو لکھا جائے کہ کسی نہ کسی طرح کبابیر والوں کو اطلاع دیں کہ تنگی کے دن ہیں صبر سے گذار لیں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں۔" ؎۳

مجالس خدام الاحمدیہ پاکستان کی رتن باغ میں اہم شوریٰ

۱۳ / احسان / جون ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو رتن باغ لاہور میں مجالس کی بیداری اور تنظیم نو سے متعلق متعدد بنیادی مسائل پر غور و فکر کے لئے ایک اہم شوریٰ کا انعقاد ہوا۔ اس موقعہ پر جہاد کشمیر کے لئے احمدی رضاکاروں کی بھاری تعداد مہیا کرنے کا معاملہ خاص طور پر زیر غور آیا۔ شوریٰ کی صدارت صدر مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمائی۔

ذیل میں اس اجلاس کی وہ رپورٹ درج کی جاتی ہے جو اگلے روز معتمد مجلس نے ۱۴ / احسان / جون

؎۱ "انقلاب" لاہور ۱۳ / جولائی ۱۹۴۹ء صفحہ ۴ ۔ ؎۲ "انقلاب" لاہور ۲۲ / ستمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۳ ۔

؎۳ رجسٹر کارروائی مشاورتی اجلاس رتن باغ لاہور (غیر مطبوعہ)

۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پیش کی۔

"حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی منظوری سے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مجالس خدام الاحمدیہ اور نوجوانوں کی تنظیم کے لئے مجالس خدام الاحمدیہ کی مجلس شوریٰ مورخہ ۱۳؍احسان ۱۳۲۷ ہش کو رکھی تھی اور جس جگہ ابھی تک باقاعدہ مجلس قائم نہیں ہوئی تھی وہاں کے پریذیڈنٹ صاحبان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایک مستعد نوجوان نمائندہ بھجوائیں۔

اس تجویز کے ماتحت تمام مجالس اور تمام جماعتوں کو خطوط کے ذریعہ اطلاع دی گئی۔ پھر اس کے بعد یاددہانی کرائی گئی۔ کل مورخہ ۱۳؍احسان کو پروگرام کے مطابق یہ شوریٰ منعقد ہوئی۔ جس میں شامل ہونے والے نمائندگان کی تعداد ایک سو نوے تھی۔ اس میں مرکزی عہدیدار اور مجلس خدام الاحمدیہ کے نمائندے بھی شامل ہیں۔

سب سے پہلے صبح سات بجے نمائندگان کو فوجی پریڈ دکھائی گئی۔ اس دوران میں ہوائی حملہ کرنے، اس سے محفوظ رہنے، دستوں کی آپس میں جھڑپ وغیرہ کا عملی مظاہرہ کیا گیا۔

آٹھ بجے کوٹھی رتن باغ کے ہال میں زیر صدارت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس شوریٰ کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت کے بعد خدام نے اپنا عہد دہرایا اور اس کے ساتھ ہی صدر محترم نے قادیان کی واپسی کے حصول کے لئے حضور کا تجویز فرمودہ عہد جو گذشتہ مشاورت پر حضور نے نمائندگان سے لیا تھا، دہرایا۔ یہ عہد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے بڑے سائز پر پہلے سے چھپوا کر رکھا تھا جو اس وقت نمائندگان میں تقسیم کیا گیا۔

اس کے بعد صدر محترم نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس شوریٰ کے انعقاد کی غرض بیان فرمائی اور فرقان فوج کے اجراء کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ایک ہزار نوجوان ہم نے ۲۱؍جون تک مہیا کرنا ہے۔ چنانچہ صدر محترم نے ضلع وار نمائندگان سے والنٹیرز بھیجنے کے وعدے لئے۔

مکرمی ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم پلیڈر گجرات نے بھی اس کی ضرورت کو تفصیل سے بیان فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کو جہاد کرنا پڑے گا بلکہ بعض الہامات میں تو جہاد کے الفاظ موجود ہیں . . . .

ملک صاحب کی تقریر کے بعد صدر محترم نے رضا کار مہیا کرنے کے لئے ضلعوار قائدین کا تقرر فرمایا اور ان سے وعدے لئے کہ وہ ۲۱ جون ۱۹۴۷ء تک اپنے رضا کار رتن باغ میں پہنچا دیں گے۔ اس وقت جو وعدے موصول ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ضلع سیالکوٹ	۲۵۰	ضلع شیخوپورہ	۷۵
صوبہ سرحد	۴۰	ضلع لاہور	۵۰
ضلع جہلم	۵۰	ضلع گجرات	۱۰۰
ضلع گوجرانوالہ	۶۰	ضلع سرگودھا	۱۰۰
ضلع لائل پور	۱۸۰		
ضلع راولپنڈی	۱۰۰	میزان	۹۶۵

صوبہ سندھ، بلوچستان، ضلع منٹگمری، ضلع جھنگ کی طرف سے ابھی تک تحریری وعدہ نہیں آیا۔ ان سب کو خطوط لکھ دیئے گئے ہیں . . . . . . اس کے علاوہ مندرجہ ذیل امور فرقان فوج کے سلسلہ میں منظور ہوئے۔

۱۔ ہر مجلس اپنے خدام کا ½ ۱۲ فیصدی حصہ ہر سہ ماہی پر بھجوائے۔

۲۔ یہ خدام کم از کم تین ماہ کی تربیت کے لئے آئیں گے سوائے اس کے کہ مرکز بعض دوستوں کی مجبوری کو دیکھ کر اس سے کم عرصہ کی اجازت دے دے۔

۳۔ تمام مجلسیں پندرہ دن کے اندر اندر احزاب کی فہرستیں بھجوائیں۔

۴۔ عرصہ تربیت میں زیر تربیت خدام وقار عمل سے مستثنیٰ ہوں گے . . . . . .

عہد و دعا کے بعد پونے دو بجے بعد دوپہر یہ اجلاس ختم ہوا۔"

چودھری عبدالسلام صاحب کی شاندار کامیابی

اس سال ضلع جھنگ کے مخلص احمدی نوجوان چودھری عبدالسلام صاحب نے ریاضی کے امتحان میں کیمبرج یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند میں بہت ہی کم لوگوں کو اس سے قبل یہ اعزاز حاصل ہوا تھا۔[1]

---

[1] الفضل ۱۷ وفا / جولائی ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء صفحہ ۵

مجاہد امریکہ مرزا منور احمد صاحب کا وصال

حضرت شہزادہ عبد المجید صاحب، حضرت مولوی عبید اللہ صاحب، مولوی رفیق احمد صاحب اور مولوی محمد دین صاحب قبل ازیں میدان تبلیغ میں جام موت نوش کر کے درجۂ شہادت حاصل کر چکے تھے۔ اس سال مِنْھُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ کے اس پاک گروہ میں مجاہد امریکہ مرزا منور احمد صاحب بھی شامل ہو گئے۔ اور اپنی زندگی کی قربانی اور اپنے عمل سے سلسلہ کی سچائی نمایاں کر دی اور ہمیشہ کے لئے مشعل راہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی تربتوں پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔ آمین۔

مرزا منور احمد صاحب مرحوم ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے آخر میں امریکہ تشریف لے گئے تھے شکاگو میں کوئی ایک مہینہ قیام کے بعد آپ پٹس برگ کے حلقہ میں متعین کئے گئے۔ ابتداء میں یہ حلقہ امریکہ کے مشرقی ساحل پر بالٹی مور سے لے کر ڈیٹن تک پھیلا ہوا تھا جس میں کلیولینڈ اور مینگس ٹاؤن بھی شامل تھے ان سب احمدی جماعتوں کے دلوں میں آپ نے اپنی خوش خلقی، سادگی اور محبت کی بناء پر ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ دو سال کے مختصر سے عرصہ کے اندر اندر آپ نے اپنی شب و روز والہانہ جدوجہد سے پٹس برگ کے احمدیوں میں زبردست حرکت پیدا کر دی اور یہ حلقہ امریکہ مشن میں ایک ممتاز حیثیت اختیار کر گیا حتیٰ کہ شکاگو کی مقامی جماعت نے بھی آپ کو اپنے یہاں تقریر کی دعوت دی کہ ان میں وہ رُوح پیدا کریں جو انہوں نے پٹس برگ کی جماعت میں پیدا کر دی ہے۔

مرزا منور احمد صاحب نہایت وجیہہ صورت، بلند قامت اور اعلیٰ درجہ کے صحتمند نوجوان تھے۔ مگر آپ کی دیوانہ وار کوششیں صحت پر تشویشناک حد تک اثر انداز ہوئیں اور آپ ٹیومر کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے جس کا اپریشن ۱۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو ایک مقامی ہسپتال میں کیا گیا۔ چونکہ جسم پہلے ہی نڈھال ہو چکا تھا اور ٹیومر کا زہر انتڑیوں میں پوری طرح سرایت کر چکا تھا اس لئے اپریشن کے بعد کمزوری انتہاء تک پہنچ گئی اور دوسرے ہی روز دین مصطفیٰ کے اس انتھک بہادر اور جانباز سپاہی کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مرحوم کی وفات پر اپنے ایک مفصل مضمون میں آپ کی نسبت تحریر فرمایا کہ

"عزیز مرزا منور احمد مرحوم کو میں بچپن سے جانتا تھا۔ اس لئے بھی کہ وہ ہمارے قریبی

عزیزوں میں سے تھے یعنی ہماری ممانی صاحبہ[1] کے بھائی اور ہماری ایک بھاوجہ صاحبہ[2] کے ماموں تھے اور اس لئے بھی کہ مرحوم کا بچپن سے میرے ساتھ خاص تعلق تھا۔ پس مَیں یہ بات بغیر کسی مبالغہ کے کہہ سکتا ہوں کہ مرحوم ایک بہت مخلص اور نیک اور ہونہار اور محبّت کرنے والا اور جذبۂ خدمت و قربانی سے معمور نوجوان تھا۔ دن ہو یا رات، دھوپ ہو یا بارش، جب بھی انہیں کوئی ڈیوٹی سپرد کی جاتی تھی وہ کمال مستعدی اور اخلاص کے ساتھ اس ڈیوٹی کو سرانجام دینے کے لئے لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے آجاتے تھے اور پھر اپنے مفوضہ کام کو اس درجہ توجّہ اور سمجھ کے ساتھ سرانجام دیتے تھے کہ دل خوش ہو جاتا تھا اور زبان سے بے اختیار دعا نکلتی تھی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی نیکی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی زندگی وقف کرنے اور پھر بلاد امریکہ میں وطن سے بارہ ہزار میل دُور جا کر فریضۂ تبلیغ بجا لانے کی سعادت عطا کی۔ موت تو ہر انسان کے لئے مقدر ہے مگر مبارک ہے وہ نوجوان جسے یہ سعادت کی زندگی عطا ہوئی اور مبارک ہیں وہ والدین[3] جنہیں خدا نے ایسا نیک اور خادمِ دین بچّہ عطا کیا۔"[4]

خود حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۲۴؍ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے خطبہ جمعہ میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مرزا منور احمد صاحب جو امریکہ کے مبلّغ تھے میری ایک بیوی ام متین کے ماموں، میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کے سالے اور نہایت مخلص نوجوان تھے۔ ان کے معدہ میں رسولی ہوئی اور وہ فوت ہو گئے۔ ویسے تو ہر ایک کو موت آتی ہے لیکن اس طرح کی موت گو ایک طرف قوم کے لئے فخر کا موجب ہوتی ہے لیکن دوسری طرف اس کا افسوس بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو پندرہ بیس سال میں تیار کیا جائے اور وہ جوانی کی حالت میں فوت ہو جائے۔

---

[1] یعنی بیگم صاحبہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] حضرت سیدہ مریم صدیقہ ام متین (حرم ثالث حضرت سیدنا المصلح الموعود) مراد ہیں۔

[3] مرحوم مرزا محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے تھے۔

[4] الفضل لاہور ۱۹؍ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳ نیز الفضل ۲۶؍ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

مرزا منور احمد صاحب کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا کام تھا اور امریکہ کی جماعتوں میں انہی کی جماعت کو ان سے زیادہ محبت تھی۔ ابھی پچھلے دنوں امریکہ کی جماعتوں کی جو کانفرنس[1] ہوئی ہے اس میں بھی یہ تسلیم کیا گیا کہ وہ علاقہ جس میں مرزا منور احمد صاحب مبلغ تھے دوسرے علاقہ کی جماعتوں سے دینی کاموں میں بڑھ گیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے اپنی محبت کا بھی ثبوت دیا۔ جب ڈاکٹروں نے جسم میں خون داخل کرنے کا فیصلہ کیا تو اُن کے علاقہ کے نومسلموں میں سے عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنا خون پیش کر دیا اور چونکہ اُن کی ٹائپ کا خون نہیں ملتا تھا اس لئے جس نومسلم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ میرا خون مرزا منور احمد کے خون کے مشابہ ہے تو وہ بے انتہا خوش ہوتا اور فخر کرتا کہ میرا خون ان کے خون سے ملتا ہے۔ جب مرحوم کے جسم میں خون کے داخل کرنے کی زیادہ ضرورت پیش آ گئی اور ان کے خون کی ٹائپ کا اور خون نہ ملا تو ڈاکٹروں نے کہا آپ لوگ اپنا خون دے دیں ہم اپنے پاس سے ان کے ٹائپ کا خون استعمال کریں گے اور آپ کا خون آئندہ کے لئے رکھ لیں گے۔ اس پر ان سب نے اپنا خون پیش کر دیا۔ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے امریکہ کی جماعت اخلاص میں ترقی کر رہی ہے اور یہ مرحوم کے نیک نمونہ کا زبردست ثبوت ہے۔"[2]

انڈونیشیا کے دو مخلص احمدیوں کا انتقال

اس سال محمد یوسف صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پاڈانگ اور امیر کوتما جیسے سلسلہ احمدیہ کے فدائی اور شیدائی داغ مفارقت دے گئے۔ امیر کوتما عابد زاہد بزرگ تھے جو میدان کے ابتدائی مشہور مباحثات (منعقدہ ۱۹۳۷ء) کے بعد مولوی ابوبکر صاحب سماٹری اور مولوی محمد صادق صاحب کی تبلیغ سے اپنے پیر طریقت صوفی شیخ کامن سمیت احمدیت میں داخل ہوئے اور احمدیت کی خاطر ہمیشہ نہایت بشاشت سے مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ ایک دفعہ تین مخالفوں نے آپ پر ڈنڈے سے حملہ کر دیا۔ انہوں نے کمال بہادری سے تینوں کا ایسا کامیاب مقابلہ کیا کہ صبح ان میں سے دو کے منہ چوٹوں کی وجہ سے سُوج گئے تھے اور شکلیں بھیانک سی بنی ہوئی تھیں۔ مولوی محمد صادق صاحب کا بیان ہے

---

[1] اس کانفرنس کا ذکر اس باب کی فصل ششم میں آ رہا ہے (مؤلف)۔

[2] الفضل ۶ / اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۲ - ۴

کہ "امیر کوٗما لڑائی کے بعد کہہ رہے تھے کہ مومن بہادر ہوتا ہے اور خدا اس کا مددگار ہوتا ہے۔ ان کا چہرہ نہایت روشن تھا اور بہادری اور شجاعت کی وجہ سے وہ بڑے ہشاش بشاش نظر آتے تھے اور انہیں نہ پہلے کبھی خوف لاحق ہوا اور نہ اس واقعہ کے بعد ہی مَیں نے خوف و ہراس کے آثار ان میں دیکھے"

امیر کوٗما صاحب کو یہ فخر بھی حاصل تھا کہ انہوں نے سلسلہ احمدیہ کے قلمی جہاد میں نمایاں حصّہ لیا۔ چنانچہ وہ بعض اوقات ساری ساری رات مکرم مولوی محمد صادق صاحب کی تصانیف پر نظر ثانی کرنے اور اسے ٹائپ کرنے میں منہمک رہتے تھے اور مسلسل اور لگاتار محنت کے باوجود تھکان کا حرف تک زبان پر نہیں لاتے تھے۔

جنگ عظیم کے دوران جبکہ جاپانی حکومت انڈونیشیا پر قابض تھی مولوی محمد صادق صاحب نے جاپانی حکومت کو اسلام و احمدیت کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لئے ایک مفصّل تبلیغی خط لکھا تھا۔ اس مضمون پر مولوی صاحب اور امیر کوٗما نے ایک ساتھ دستخط کئے اور مضمون مغربی سماٹرا کے گورنر کی خدمت میں خود جا کر پیش کیا۔[1]

دمشق کے ایک مخلص احمدی کا انتقال

السید مصطفٰے نویلاتی جو جماعت احمدیہ دمشق کے ایک نہایت مخلص دوست تھے اور حضرت مولوی جلال الدین صاحب شمس مجاہد بلاد عربیہ کے ذریعہ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے تھے۔ ۱۰ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو رحلت فرما گئے۔[2]

احمد نگر میں سیدنا حضرت امیر المومنین کی تشریف آوری

۲۹ نبوت/ نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود بذریعہ موٹر ربوہ سے احمد نگر تشریف لائے۔ حضور کے ہمراہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے نسبتی بھائی الاستاذ احمد آفندی فائق الدمشقی، مولانا عبدالرحیم صاحب درد اور ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب بھی تھے۔

حضور نے یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے جامعہ احمدیہ و مدرسہ احمدیہ کے طلباء و اساتذہ سے ایک ایمان افروز خطاب فرمایا اور انہیں بتایا کہ "تم لوگ ہراول دستہ کے طور پر آئے ہو اور تم لوگ جنہوں نے

۱؎ الفضل ۱۳ ہجرت/مئی، ۳ احسان/جون، ۴ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء

۲؎ شیخ نور احمد صاحب منیر اور حضرت شمس صاحب نے ان کی وفات پر مضمون لکھے جو الفضل ۷ نبوت/نومبر اور ۷ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں شائع ہوئے۔

اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کی ہوئی ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اس اولاد کی طرح ہو جنہوں نے وادیٔ غیر ذی زرع میں بستی کو آباد کیا تھا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کو تو لاہور میں جگہ مل گئی اور ہائی سکول کو چنیوٹ میں مکان مل گیا۔ لیکن مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کو یہاں احمد نگر میں جگہ ملی جو ربوہ کا ہی حصہ ہے بلکہ یہ خدائی منشاء کے ماتحت ہے۔"

حضور نے اپنے قلم سے جامعہ احمدیہ کے رجسٹر پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی:۔

" مَیں وہی کہتا ہوں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد کے موقعہ پر فرمایا

اللہ اعلیٰ واجلّ "

ازاں بعد حضور نے احمد نگر کی زیر تعمیر احمدیہ مسجد میں مغرب کی نماز پڑھا کر اس کا گویا افتتاح کرا دیا۔[1] اس مسجد کا سنگ بنیاد دو ماہ قبل مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ و پریذیڈنٹ احمد نگر نے ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء بروز جمعۃ المبارک رکھا تھا۔ یہ احمد نگر کی پہلی احمدیہ مسجد ہے جو مشرقی پنجاب کے پناہ گزین احمدیوں کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔[2]

بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں

فلسطین مشن:۔ یہ سال احمدیہ مشن فلسطین کی تاریخ میں انتہائی پُر فتن اور پُر ابتلاء تھا۔ ارض مقدس میں بڑی بڑی طاقتوں کی سازش نے مسلمانان فلسطین کے سینے میں اسرائیلی حکومت کا خنجر گھونپ دیا اور اس علاقہ میں مشرقی پنجاب جیسے حالات پیدا ہو گئے۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ فلسطین کو توفیق بخشی کہ اس نے نہایت جانبازی اور سرفروشی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کا جھنڈا اس علاقہ میں بلند رکھا اور اس کے مرکز حیفہ کی مسجد میں پنجوقتہ اذانوں کی گونج سنائی دیتی رہی۔

چنانچہ مولوی محمد شریف صاحب انچارج مشن نے مشن کی ۱۹۴۷-۴۹ء کی رپورٹ میں لکھا:۔

" مارچ ۱۹۴۸ء سے ستمبر ۱۹۴۸ء تک یہاں قیامت برپا رہی۔ آج یہاں کے دس لاکھ مسلمان عربوں میں سے ساڑھے آٹھ لاکھ مسلمان عرب جلا وطن اور بے خانماں ہو کر بیرونی ممالک میں پناہ

۱؎ الفضل ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵

۲؎ " " ۵ اخاء/اکتوبر " " "

گزین وخیمہ زن ہیں اور عیسائی دنیا کی خیرات اور اسلامی ممالک کے صدقات پر بسر اوقات کر رہے ہیں۔

جولائی سے نومبر تک یہودیوں نے جلیل و نقب میں بالائی ہدایتوں کے مطابق جنگ جاری رکھی۔ اور اس وقت عربی ممالک کی فوجیں اپنے اپنے ممالک میں بس چکی ہیں اور سابقہ فلسطین کا ⅘ سے زیادہ حصہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔

یورپین نمائندوں سے یہاں اسرائیل کی مردم شماری یہودیوں نے ماہ جون ۱۹۴۸ء میں پہلی دفعہ کی۔ اس وقت ملک اسرائیل میں پچیس ہزار کے قریب غیر یہودی تھے جن میں سے دس ہزار کے قریب عرب تھے اور باقی دیگر اجنبی تھے اور یہ اس علاقہ کا حال ہے جہاں نومبر ۱۹۴۷ء میں ساڑھے چار لاکھ عرب رہتے تھے۔

گذشتہ حکومت نے مارچ ۱۹۴۸ء میں یہاں سلسلہ آمدورفت و رسل و رسائل بند کر دیا تھا۔ ریلیں بند کر دی تھیں اور سب لوگوں کو (سوائے یہودیوں کے کیونکہ ان کی حکومت کے اندر حکومت بن چکی تھی) اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں محصور کر دیا تھا۔ ۱۵ مئی سے جب یہودیوں نے حکومت اسرائیل قائم کرنا شروع کر دی۔ غیر یہودیوں کو جن کا نام موجودہ ایام میں B کلاس ہے، جنگ کے عذر سے اپنے اپنے جائے رہائش میں بند رکھا اور اب تک پابندی باقی ہے اور B کلاس پر ملٹری رول نافذ ہے۔ اپنے جائے رہائش سے دوسری جگہ جانے کے لئے ملٹری پرمٹ لینے کا حکم ہے۔ پرمٹ دو باتوں کے لئے بعد تحقیقات ملتا ہے۔ کوئی دوسری جگہ ملازمت یا مزدوری کرتا ہو یا قریب ترین خونی رشتہ دار کی ملاقات کے لئے۔

۲۳ اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے حیفہ فتح کر لیا۔ ۲۴ اور ۲۵ کو ملحقات حیفہ پر قبضہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں ۲۵ تاریخ کو ماؤنٹ کرمل پر واقعہ عرب آبادی کبابیر کی باری آ گئی صبح ہوتے ہی چاروں اطراف سے مسلح فوجوں نے محاصرہ کر لیا اور ہمارے سامنے دو شرطیں پیش ہوئیں۔ ہجرت کرنا چاہیں تو ہتھیار وغیرہ دے کر ہجرت کر جائیں۔ یہاں رہنا چاہیں، تو ہتھیار وغیرہ اور جس قدر سپاہی آپ کے پاس مقیم ہوں وہ ہمارے سپرد کر دیں۔ ہم نے

ارشادِ نبوی مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ پر عمل کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ سپاہی کوئی ہمارے ہاں آیا نہ تھا۔ مغرب تک گوشہ گوشہ کی تلاش و تفتیش کر کے ALL CLEAR دیئے گئے۔

۱۵ / اگست ۱۹۴۸ء سے جون ۱۹۴۹ء تک سارے اصلی اسرائیل میں صرف ہماری مسجد سیدنا محمود سے ہی پانچ وقت اذان بلند ہوتی رہی۔ باقی سب مساجد مہجور ہو گئیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے شہر گر گئے اور آبادیاں ویران ہو گئیں۔ ان ایام میں جبکہ ہمارے چاروں طرف گولیاں برستی تھیں اور ہر رات یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ صبح ہم پر طلوع ہوگی یا نہیں، دعوت احمدیت کا کام باوجود محصور ہونے کے جاری رکھا۔

اگرچہ بیرونی دنیا کے ساتھ مارچ ۱۹۴۸ء سے فروری ۱۹۴۹ء تک سلسلہ عام ڈاک منقطع رہا تاہم رسالہ "البشریٰ" باقاعدہ جاری رکھا گیا۔ جن ایام میں سلسلہ ڈاک منقطع تھا۔ بیرونی ممالک کو جس قدر رسالہ بھیجا جاتا تھا وہ محفوظ رکھا جاتا تھا اور مقامی طور پر جس قدر تقسیم کیا جا سکتا تھا، تقسیم کیا جاتا رہا۔

فروری ۱۹۴۹ء میں بہت سے ملکوں کے ساتھ سلسلہ عام ڈاک رواں ہوا۔ مگر تا حال سوائے عدن کے اس ملک کے جملہ اسلامی ممالک سے تعلقات کے منقطع ہونے کے باعث رسالہ بھیجا نہ جا سکا۔

رسالہ کے ہر نمبر کا مسودہ طبع کرنے سے پہلے ملٹری سنسر کو برائے حصول اجازت طباعت بھیجنا پڑتا ہے اور بعد طباعت بھی اس کی دو کاپیاں ارسال کرنی پڑتی ہیں اور یہی حکم دیگر مطبوعات کا ہے۔

بوقت تحریر ہذا مشرقی افریقہ، حبشہ، عدن، مغربی افریقہ، ارجنٹائن اور برازیل کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جس قدر عربی اخبارات و رسائل اس ملک میں شائع ہوتے تھے اب ان میں سے صرف ہمارا رسالہ ہی ہے جو جاری ہے۔ اگرچہ پہلے بھی سارے فلسطین میں سے کوئی بھی اسلامی دینی رسالہ شائع نہیں ہوتا تھا مگر اب تو ہر قسم کے رسائل، اخبارات و کتب پر بھی قیامت برپا ہو چکی ہے۔

اس سلسلہ میں رسالہ البشریٰ کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل و اشتہارات بھی شائع کئے گئے :-

۱۔ هيئة الامم المتحدة (قرار تقسیم فلسطین) ایک ہزار شائع کیا۔ یہ اشتہار حضرت اقدس کے مضمون فلسطین کا فیصلہ کا ترجمہ ہے۔ سلسلہ ڈاک کے بند ہونے سے چند روز پیشتر بلاد عربیہ کی احمدی جماعتوں کے علاوہ سب عربی اخبارات کے ایڈیٹروں کو ارسال کر دیا گیا۔ فلسطین کے روزنامہ "فلسطین" نے اس پر عمدہ نوٹ لکھا۔ دیگر قریبی اسلامی ممالک سے تو کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ سوڈان سے ایک خط کسی کا موصول ہو گیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں کے دو اخباروں نے اسے مِن وَعَن شائع کیا اور اچھے ریمارکس دیئے۔

۲۔ رسالہ كشف الغطاء عن وجه شريعة البهاء۔ ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ حجم ۴۲ صفحات۔ بہائیت کی مختصر تاریخ درج کرنے کے بعد بالمقابل دو کالموں میں اسلام کی تعلیم قرآن مجید سے اور بہائیت کی تعلیم کتاب اقدس سے درج کی گئی۔ اس رسالہ کے شروع میں حضرت اقدس کا چیلنج بنام زعیم بہائیت بھی درج کیا گیا۔ کہ دعا کے ذریعہ دونوں مذہبوں اسلام اور بہائیت کی حقانیت کسی آسمانی نشان سے ثابت کریں۔ اور یہ رسالہ بذریعہ رجسٹری دو مرتبہ زعیم بہائیت مسٹر شوقی کو ارسال کیا گیا۔ اس رسالہ کی اشاعت پر ۹ ماہ گذرنے پر اور زعیم بہائیت کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہونے پر ایک اور اشتہار چار صفحہ کا اتمام الحجة على زعيم البهائية شائع کیا گیا۔ مگر دوبارہ چیلنج کے باوجود وہ خاموش رہے۔ الاستاذ السید نور الدین سابق انسپکٹر مدارس جلیل ہمارے دار التبلیغ میں آئے اور ہمارے رسالہ کشف الغطاء اور چیلنج کی تعریف کی۔ انہوں نے پوچھا، کوئی جواب آیا۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا إِنِّي أَعْرِفُهُ أَنَّهُ جَاهِلٌ لَنْ يَتَكَلَّمَ أَبَدًا۔

جنگ عظمیٰ ثانیہ کے شروع میں حضور نے اس منشاء کا اظہار فرمایا کہ حمامة البشریٰ کی اشاعت کی جائے چنانچہ اس کے شائع کرنے کی توفیق ملی۔

زائرین مشن کی تعداد تقریباً تین سو ۳۰۰ ہے جو سب کے سب الا ماشاء اللہ یہودی تھے۔ یہودیوں

کے ساتھ عام طور پر مثیل موسیٰ کی پیشگوئی زیر بحث رکھی جاتی رہی مگر یہودی آجکل اپنی عارضی فتح کے نشہ میں سرشار ہیں اور ان کی طبائع بھی سیاسیات کی طرف مائل ہیں۔

جائے رہائش میں محصور ہونے اور سارے ملک میں قیامت برپا ہونے کے ایام میں کسی بیعت کی امید رکھنا بہت بڑی امید ہے۔ مگر تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ۹ اشخاص کو سلسلہ بگوش احمدیت ہونے کی توفیق بخشی۔

تحریک جدید کے چودھویں سال میں شامل ہونے کے لئے بھی احباب حیفا کو دعوت دی گئی۔ ابھی جماعت حیفا شہر کے سب احباب کی فہرست بھی مکمل نہ ہو سکی تھی کہ حیفا میں عربوں کو شکست ہو گئی اور ہمارے احمدی احباب حیفا سے ہجرت کر گئے۔ بہت لمبے عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ سب احباب سوائے ایک احمدی دوست السید محمد سعید کے جو راستہ میں فوت ہوئے، بخیریت دوسرے ملکوں میں پہنچ گئے۔ اس لئے جماعت کبابیر ہی جو حیفا شہر کا ہی ایک حصہ اور جبل کرمل پر واقع ہے، اس میں شریک ہو سکی اور چودھویں سال کے حساب میں ان کی طرف سے £ 96/14/- وصول ہوئے۔

اواخر ۱۹۴۷ء میں قادیان کی حفاظت کیلئے بھی یہاں سے جماعت کو دعوت دی تھی جس پر جماعت کبابیر کی طرف سے ۱۵۹ پونڈ ۱۰ شلنگ جمع ہوئے"[1]

مجاہد اردن کا دورہ شام ولبنان

ماہ ظہور، تبوک و اخاء ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں مجاہد شرق الاردن مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے شام ولبنان کا ایک کامیاب تبلیغی دورہ کیا۔ جس میں انہوں نے فلسطین کے احمدی پناہ گزینوں کو تلاش کرکے ان کو منظم کرنے کی کوشش کی اور علاوہ تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کے اُن ممالک کی بعض اہم اور ممتاز شخصیتوں سے ملاقات بھی کی۔ مثلاً السید شکری بک قوتلی (صدر جمہوریہ شام)، الشیخ عبدالقادر المغربی (رکن مجمع العلمی العربی)، الاستاذ خلیل مردم بے رئیس المجمع، جمیل مردم بے سابق وزیر اعظم شام، مسٹر جبریل مُر (وزیر داخلہ و قائم مقام وزیر اعظم جمہوریہ لبنان)۔ شام و لبنان کے پریس اور ریڈیو نے اس دورہ میں خاصی دلچسپی لی۔[2] عمان کے اخبار "وکالۃ الانباء العربیۃ" نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں آپ کی اردن میں واپسی کی خبر شائع کی۔

---

[1] الفضل ۱۲ صلح/جنوری ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء [2] سفر کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲-۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء

سیرالیون مشن :- ماسٹر محمد ابراہیم صاحب مجاہد اٹلی حضرت مصلح موعود کے حکم سے ۳ر امان/ مارچ ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو فری ٹاؤن میں وارد ہوئے۔[1] اور نہ صرف احمدیہ سکول کی نگرانی، اساتذہ کی راہ نمائی، مشن کی خط و کتابت اور ریکارڈ کی درستی وغیرہ میں مبلغ انچارج کا ہاتھ بٹانا شروع کیا بلکہ لٹریچر اور ملاقاتوں کے ذریعہ تبلیغ کو وسیع سے وسیع تر کرنے لگے۔ جس پر حضرت مصلح موعود نے ۲۲ر ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کی مشاورتی مجلس میں اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا کہ

"محمد ابراہیم صاحب نے پراپیگنڈا کا صحیح طریق اختیار کیا ہے"[2]

ماہ امان/مارچ میں امیر صاحب سیرالیون اور خلیل صاحب نے بو سے یتامہ اور لاگو مقامات کا دورہ کیا۔ لاگو میں ۴۰ نفوس کی نئی جماعت قائم ہوئی۔

افریقہ کے مغربی ساحل پر گیمبیا کی ریاست ہے جو سیرالیون سے قریباً چار سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سال ماہ امان/مارچ میں مجاہدین سیرالیون نے گیمبیا کے بعض دوستوں سے خط و کتابت جاری کی۔ لٹریچر بھجوایا اور اس کے مقامی اخبارات میں تبلیغی مضامین شائع کرائے۔ اس طرح اس ریاست میں احمدیہ مشن سیرالیون کے ذریعہ پہلی بار حق و صداقت کی آواز پہنچی۔[3]

نائیجیریا مشن :- نائیجیریا مشن کے دو ایمان افروز واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں :-

۱۔ وسط ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء میں ایک عرب نے جو "اہل مدینہ" کے نام سے موسوم تھا لیگوس میں احمدیت کے خلاف زہر اگلا اور مبلغ انچارج نائیجیریا مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی کو لکھا کہ اگر تم کسی اسلامی ملک میں ہوتے تو تمہارا سر قلم کر دیا جاتا۔ جناب سیفی صاحب نے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود کی خدمت میں اس کی اطلاع دی تو حضور نے تحریر فرمایا کہ

"اب[4] اس بات پر زور دیں کہ عرب ممالک کی کوشش تو سر ظفر اللہ احمدی کو خاص طور پر اپنا نمائندہ مقرر کرنے کی ہے اور ابن سعود کے صاحبزادے ان کو دعوتیں دیتے ہیں۔ شام کی حکومت ان کو سب سے بڑا تمغہ دیتی ہے اور اب بھی ان کو خاص طور پر شام بلوایا گیا ہے

---

[1] الفضل ۲۳ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵-۶ کالم ۱۔ [2] رجسٹر کارروائی مشاورتی اجلاس (رتن باغ)

[3] الفضل ۲۹ر احسان/جون ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

[4] نقل مطابق اصل۔ "آپ" ہوگا (مولف)

اور تم کہتے ہو، اسلامی حکومت ہوتی تو تم کو مارا جاتا۔ لیکن فرض کرو کہ مارا جاتا تو کیا مکہ میں صحابہؓ کو مارا نہیں جاتا تھا۔ مارا جانا تو اس امر کی علامت ہے کہ دلائل ختم ہو چکے اب ڈنڈے کے زور سے صداقت کا مقابلہ کیا جائے گا۔ مگر اس طرح صداقت نہیں دبا کرتی"

"اہل مدینہ" نے جناب نسیم سیفی صاحب کو عربی میں مناظرہ کا چیلنج دیا تھا جو جناب نسیم سیفی صاحب نے منظور بھی کر لیا تھا مگر وہ صاحب پہلو تہی کرتے رہے اور مباحثہ کئے بغیر واپس چل دئے۔

۲۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ اجے بوڈے کے ایک شخص نے مہدی و مسیح موعود ہونے کا اشتہار دیا اور جناب نسیم سیفی صاحب کو ان کے ایک تبلیغی خط کے جواب میں مناظرہ کی دعوت دی۔ ابھی یہ خط آیا ہی تھا کہ اس شخص پر مقامی حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور جرم ثابت ہو جانے پر حفظ امن کی ضمانت طلب کر لی گئی [۱]

مشرقی افریقہ مشن:- اس سال ماہ شہادت/اپریل کے آخر میں مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر اور (مقامی افریقی مبلّغ) معلّم فضل احمد صاحب کے ذریعہ الیمبوبے (ASEMBOBAY) میں ۵۴ نفوس پر مشتمل نئی جماعت کا قیام ہوا۔[۲]

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ایک لاکھ سواحیلی ٹریکٹ احمدیت و اسلام کی حقانیت اور ابطال عیسائیت پر شائع کر کے مشرقی افریقہ کے کونہ کونہ میں پھیلا دیئے جائیں چنانچہ اس سال یہ خواہش پوری ہوئی اور ماہ نبوت/نومبر میں مکرم شیخ مبارک احمد صاحب اور معلّم عمری عبیدی صاحب نے دس ٹریکٹ چھپنے کے لئے پریس میں بھجوا دیئے۔[۳]

امریکن احمدیوں کی پہلی سالانہ کانفرنس امریکن احمدی جماعتوں کی پہلی سالانہ کانفرنس ۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو بمقام ڈیٹن منعقد ہوئی جس میں شکاگو، پٹس برگ، انڈیانا پولس، کلیولینڈ، نیگس ٹاؤن، ڈکاٹن، ہوم سٹیڈ، نیویارک اور کنسس سٹی کے احباب نے شرکت کی۔[۴]

---

[۱] الفضل ۲۷ ظہور/اگست ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ÷ [۲] الفضل ۵ وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶ ÷

[۳] الفضل ۵ صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ÷ [۴] تفصیلی روداد کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۴-۲۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء ÷

مجاہدینِ احمدیت کی آمد اور روانگی

۱۔ مبلغ اسلام صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی امریکہ میں برسوں تک اعلائے کلمۃ الحق کرنے کے بعد ۲۸ ؍ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو واپس تشریف لائے۔[1]

۲۔ مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم ۴ ؍ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو ارجنٹائن میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے کے لئے لاہور سے روانہ ہوئے۔[2]

نئی مطبوعات

اس سال مندرجہ ذیل کتب اور پمفلٹ شائع ہوئے جن سے سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا :-

۱۔ تفسیر کبیر سورۃ فاتحہ و سورۃ بقرہ ابتدائی ۹ رکوع	(حضرت مصلح موعود)
۲۔ "قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں"	(〃)
۳۔ "آخر ہم کیا چاہتے ہیں"	(〃)
۴۔ "الکفر ملّۃ واحدۃ"	(〃)
۵۔ دیباچہ تفسیر القرآن (اردو ایڈیشن)	(〃)
۶۔ احمدیت کا پیغام 〃	(〃)
۷۔ "مظالم قادیان کا خونی روزنامچہ"	(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)
۸۔ QADIAN DIARY	(〃)
۹۔ استحکام پاکستان	(〃)
۱۰۔ اسماء القرآن فی القرآن	(حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی)
۱۱۔ قرآنی دعاؤں کے اسرار	(〃)
۱۲۔ تبلیغی خط	(مولانا جلال الدین صاحب شمس)

---

[1] الفضل ۹ ؍ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۔ کالم ۲ و ۳ ۔

[2] الفضل ۵ ؍ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۱ ۔

فصل چہارم

جرمن مشن کا احیاء

خلافت ثانیہ کا چھتیسواں سال ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء

جرمن مشن جو پہلی بار مولوی مبارک علی صاحب بنگالی اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کے ذریعہ سے دسمبر ۱۹۲۳ء میں قائم ہوا تھا اور مئی ۱۹۲۴ء سے بند تھا۔[1] ۲۰ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔اے واقف زندگی کے ہاتھوں جاری ہو گیا۔[2]

ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں

چوہدری صاحب نے ہمبرگ میں اپنا تبلیغی مرکز قائم کیا۔ شروع میں آپ کچھ عرصہ جرمن زبان سیکھتے اور اس دوران میں انگریزی سے کام چلاتے رہے۔

۲۴ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو آپ نے وسط شہر کی ایک سرکاری عمارت (DEBNICKE) کے وسیع ہال میں پہلا تبلیغی اجلاس منعقد کیا۔[3] علاوہ ازیں یونیورسل لیگ اور ہمبرگ سٹڈی کلب کے زیر اہتمام آپ کے لیکچر بھی ہوئے۔[4] چوہدری صاحب نے تقریر کے بعد تحریر کی طرف توجہ دی۔ زیورک سے حضرت المصلح الموعودؓ کی تالیف THE LIFE AND TEACHINGS OF PROFHET MOHAMMAD کا جرمن ترجمہ شائع کیا۔[5] یہ سلسلہ احمدیہ کی پہلی کتاب تھی جو مشن کے اس دور میں شائع ہوئی۔

جرمنی میں تحریک احمدیت کی داغ بیل

سوئٹزرلینڈ مشن کی مساعی سے بعض جرمن قبل ازیں قبول اسلام کر چکے تھے جن میں سے عبدالکریم ڈنکر نے نمایاں اخلاص کا ثبوت دیا اور وہ مبلغ جرمنی کے دست و بازو بن گئے۔ ۱۸ اخاء/اکتوبر کو مسٹر HANS

---

[1] جرمن مشن کے دور اول کی تفصیل پر "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۳۸۶ - ۳۸۸ پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

[2] الفضل ۲۱ صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۱۔ [3] الفضل ۲۶ احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[4] الفضل ۲۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ [5] الفضل ۲۵ ظہور/اگست ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۴۔

اور ۲۵ ؍نبوت/نومبر کو مسٹر NOWAK[1] اور DUNGER[1] حلقہ بگوش احمدیت ہوئے جن کا اسلامی نام بالترتیب عبدالحمید اور عبدالرحیم رکھا گیا۔[2] اس طرح پہلے سال ہی ایک مختصر سی جماعت کی داغ بیل پڑ گئی۔

مبلغ اسلام کی رہائشی مشکلات

چوہدری صاحب ابتداء میں ایک نومسلم مسٹر کھونے (KUHNE) کے یہاں رہتے تھے۔ مگر اس شخص نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے ملک میں آپ کا رہنا دوبھر کر دیا۔ جرمنی جنگ عظیم میں شکست کے بعد ان دنوں غیر معمولی حالات سے دوچار تھا اور کسی مکان کے میسر آنے کی بظاہر کوئی توقع نہ تھی مگر خدا تعالیٰ نے ایسی تائید و نصرت فرمائی کہ خود جرمنی حکومت نے مبلغ اسلام کے ہمبرگ میں رہائشی حقوق تسلیم کر لئے اور ان کے لئے رہائشی مکان کا بندوبست بھی کر دیا۔[3]

نیورمبرگ میں جماعت کا قیام

اب تک صرف ہمبرگ میں احمدیہ جماعت تھی لیکن ماہ تبلیغ ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء میں اس کا حلقہ نیورمبرگ تک ممتد ہو گیا۔ یہاں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے تین نفوس پر مشتمل ایک نئی جماعت قائم ہو گئی۔[4] بعد ازاں جناب عمر ہوفر (HOFFER) جرمن نومسلم دوست وہاں پر آنریری مبلغ متعین ہوئے جو ۱۹۶۸ء تک کمال اخلاص سے یہ خدمات بجا لاتے رہے۔

جرمن مستشرق ڈاکٹر ٹلٹاک کے بعض سوالات اور حضرت مصلح موعود کے ایمان افروز جوابات

جرمنی کے ایک مستشرق ڈاکٹر کرٹ ٹلٹاک (DR. CURT TILTACK) تحریک احمدیت کے بارہ میں ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ مبلغ جرمنی نے انہیں "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" مطالعہ کے لئے دی جس کی مدد سے انہوں نے خاصہ مواد جمع کر لیا۔ مزید راہنمائی اور وضاحت کے لئے انہوں نے یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کو بذریعہ مکتوب چار سوالات حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوائے:۔

۱۔ کیوں احمدیہ جماعت حقیقی اسلام ہے؟

---

[1] ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔

[2] الفضل ۱۶ ؍فتح/دسمبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳۔ الفضل ۱۰ ؍فتح/دسمبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء

[3] الفضل ۱۶ ؍فتح/دسمبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳۔

[4] الفضل ۱۰ ؍ہجرت/مئی ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صفحہ ۵

(۲) احمدی لوگ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، بدھؒ، زرتشتؑ اور مسیحؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟
۳۔ مذاہب کے لئے احمدیت کیا اہمیت رکھتی ہے اور معاشی اور سیاسی اعتبار سے وہ بنی نوع انسان کو کیا فائدہ بخشتی ہے؟
۴۔ احمدیت کی تاریخ، تنظیم، اشاعت اور اس کے معتقدوں کی تعداد کیا ہے؟

حضرت مصلح موعودؓ نے ان سوالات کے جواب میں ایک حقیقت افروز مکتوب تحریر فرمایا جس کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط مورخہ یکم دسمبر ۱۹۵۸ء ملا۔ آپ کے دریافت کردہ سوالات کے جواب مندرجہ ذیل ہیں:۔

پہلا سوال۔ کیوں احمدیہ جماعت حقیقی اسلام ہے؟

جواب۔ احمدیہ جماعت کی نسبت جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی اسلام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اس امر کا مدعی ہے کہ اس کی تعلیم آخری تعلیم ہے۔ جو حصہ اجتہاد کے لئے چھوڑا گیا ہے اس میں ماہرین اسلام کو اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے اور جمہور اسلام کو بھی اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن وہ اجتہاد ایسے لوگوں پر نہ حجّت ہے اور نہ ان کو پابند کر سکتا ہے جو اُس اجتہاد سے متفق نہیں۔ ہر شخص کے سامنے ایسا مسئلہ آجائے گا اگر اس کی عقل اُسے تسلیم کرے گی تو وہ مانے گا اگر عقل تسلیم نہیں کرے گی تو نہیں مانے گا۔ لیکن کچھ حصہ شریعت اسلام کا ایسا ہے جو بطور نصّ کے آیا ہے یعنی قرآن کریم یا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور اس کے متعلق ترجمہ یا تشریح کا تو سوال پیدا ہو سکتا ہے اجتہاد کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایسی تعلیم اسلامی نقطہ نگاہ سے غیر متبدّل ہے جو ایسی تعلیم کو نہیں مانتا اُسے یہ تو حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ قرآن کا ترجمہ غلط کر دیا گیا ہے جسے وہ لغت اور صرف و نحو کے قواعد سے ثابت کر سکتا ہے۔ لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہے کہ گو مفہوم لفظوں سے یہی نکلتا ہے مگر میں زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ

سے اس میں فلاں فلاں تبدیلی پسند کرتا ہوں۔

اس تشریح سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کی اس تعلیم کے بموجب اب کوئی نیا مذہب نہیں آسکتا۔ کیونکہ جیسا کہ بتایا گیا ہے اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس کی تعلیم دائمی ہے۔ پس اگر کوئی فرقہ نیا پیدا ہوتا ہے جو پُرانے فرقوں سے اختلاف رکھتا ہے اور اس کا اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے تو پُرانے عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید ان لوگوں نے اسلام سے باہر کوئی نیا مذہب نکالا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم لوگوں کو بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی نیا مذہب ہے۔ پس اس شُبہ کو دُور کرنے کے لئے یہ لکھا جاتا ہے، کہ احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ یعنی احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ جہاں وہ دوسرے فرقوں سے اختلاف کرتی ہے وہاں وہ یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ یہ اختلاف اسلام سے نہیں ہے بلکہ موجودہ فرقوں سے ہے۔ اسلام کی صحیح تشریح وہی ہے جو کہ احمدیت پیش کرتی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس کا دعویٰ کہاں تک سچ ہے سو اِس سوال کا فیصلہ اسی طرح کیا جائے گا جس طرح ہر سچائی کا کیا جاتا ہے۔ یعنی ہر انسان کو خدا تعالیٰ نے عقل دی ہے وہ اپنی عقل سے احمدیت کے دلائل کا موازنہ کرے گا اور پھر فیصلہ کرے گا۔ اگر احمدیت جو قرآن کی تشریح پیش کرتی ہے وہ قرآن کریم کی دوسری آیتوں کے مطابق ہے اور لغت عربی اور عربی گرامر دونوں اُس کی تصدیق کرتی ہیں یا اسے جائز قرار دیتی ہیں اور عقل بھی اور ضمیر انسانی بھی انہی معنوں کی تصدیق کرتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ احمدیت والی تشریح ہی درست ہے دوسری تشریح غلط ہے۔ اور چونکہ وہ تشریح ہے کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے اس لئے اگر وہ تشریح درست ہے تو پھر احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے اور جو لوگ اس کے خلاف عقیدہ بیان کرتے ہیں وہ درحقیقت اسلام سے دور جا پڑے ہیں اور اپنے خیالات کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

دُوسرا سوال۔ احمدی لوگ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، بدھؑ، زرتشتؑ اور مسیحؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب۔ یہ سوال جو آپ نے کیا ہے یہ بھی اُوپر والے سوال کا ایک حصہ ہے۔ اس سوال کے متعلق احمدیت جو تعلیم دیتی ہے وہ اِس وقت کے مسلمانوں کے لئے عجوبہ ہے

اور وہ اس تعلیم کی وجہ سے بھی احمدیوں کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ بتایا جائیگا یہ ان کی غلطی ہے۔ درحقیقت ان کا اپنا عقیدہ اسلام سے خارج ہے۔ جہاں تک ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا سوال ہے ان کے متعلق سب مسلمان متفق ہیں کیونکہ ان تینوں نبیوں کا نام قرآن کریم میں آیا ہے اور ان کی نبوت کا اقرار کیا گیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق احمدیت کو غیر احمدی مسلمانوں سے اتنا اختلاف ہے کہ احمدی عقیدہ کے مطابق قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (سورہ مائدہ آیت ۱۱۷ و آل عمران آیت ۵۵ و نساء آیت ۱۵۸) لیکن غیر احمدیوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور اب تک زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ عیسائیوں والا عقیدہ نہیں کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے اور اس پر فوت ہو گئے اور پھر زندہ کئے گئے۔ مسلمان اس کو نہیں مانتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے لئے یہودی اور گورنمنٹ کی پولیس پکڑنے کے لئے گئی تو خدا تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اُٹھا لیا اور یہودا اسکریوطی کو یا کسی اور یہودی کو (اس میں اُن کے اندر اختلاف ہے) مسیحؑ کی شکل دے دی گئی اور پولیس اور یہودیوں نے اس شخص کو مسیح سمجھ کر صلیب پر لٹکا دیا اور وہ اس پر مر گیا۔ احمدیہ عقیدہ یہ ہے کہ مسیحؑ صلیب پر لٹکایا گیا لیکن قرآن کریم کے رُو سے وہ صلیب پر مرا نہیں اور انجیل کے رُو سے وہ صلیب پر سے زندہ اُتار لیا گیا جیسا کہ صلیبی واقعات سے اور نیزہ مارنے کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ نیزہ مارنے پر سیّال خون نکلا ہے۔ مُردے میں سے خون نہیں نکلا کرتا۔ گو انجیل نے اس کو خون اور پانی کے لفظ سے بیان کیا ہے مگر خون اور پانی الگ الگ تو نکلا نہیں کرتے۔ درحقیقت سیّال خون کو ہی خون اور پانی کے لفظوں سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ہمیشہ زندوں میں سے نکلا کرتا ہے۔ اسی طرح خود مسیحؑ نے اپنے متعلق جو پیشگوئیاں کی ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہی صلیب سے اُتارا گیا اور زندہ ہی قبر میں رکھا گیا۔ کیونکہ اس نے اپنے صلیب کے واقعہ کو یونسؑ نبی کے مچھلی کے پیٹ میں جانے والے واقعہ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اور یونسؑ نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ ہی گیا تھا اور زندہ ہی نکلا تھا۔ پس اس پیشگوئی کے مطابق مسیحؑ بھی زندہ ہی قبر میں داخل ہوا اور زندہ ہی نکلا۔ اسی طرح

صاف لکھا ہے کہ مسیح نے تھوما کو کہا کہ میرے زخموں میں انگلیاں ڈال۔ مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق مسیح کا جسم تو انسان کا جسم تھا وہ آسمان پر نہیں گیا نہ وہ آسمان سے آیا تھا اور صلیب جسم کو دی گئی تھی نہ کہ رُوح کو۔ پس زخموں کا موجود ہونا اور تھوما سے اس میں اُنگلیاں ڈلوانا بتاتا ہے کہ مسیح اسی حیثیت سے دُنیا میں موجود تھا جس حیثیت سے وہ صلیب سے پہلے تھا۔ صرف صلیب سے زخم اس پر آ گئے تھے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ مسیح کہتا ہے کہ مَیں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں۔ لیکن صلیب سے پہلے تو مسیح کو گمشدہ بھیڑوں تک جانے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا۔ پس یقیناً وہ صلیب سے زندہ اُتارا گیا اور پھر گمشدہ بھیڑوں کی طرف یعنی ایران، افغانستان اور کشمیر کی طرف گیا جیسا کہ تاریخ سے ثابت بھی ہے۔ اِس کے متعلق آپ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" پڑھیں یا سلسلہ کے مبلّغ مولوی جلال الدین صاحب شمس کی کتاب "WHERE DID JESUS DIE?" دیکھیں۔

بُدھ اور زرتشت کے متعلق دوسرے مسلمانوں کا خیال یہی ہے کہ وہ جھوٹے تھے مگر احمدیت کہتی ہے کہ وہ بھی سچے نبی تھے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ صاف فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (سورۂ فاطر آیت ۲۴) کوئی قوم دُنیا میں ایسی نہیں جس میں نبی نہ آئے ہوں۔ یہی عقیدہ عقل کے مطابق ہے اور جب قرآن مانتا ہے کہ کئی قوموں کے نبیوں کا اُس نے ذکر نہیں کیا لیکن آئے وہ ضرور ہیں۔ اور جب ہمیں نظر آتا ہے کہ مختلف مُلکوں میں ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے اور باوجود اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ نہیں کیا اور بڑی بڑی جماعتیں اُن کے ذریعہ قائم ہوئی ہیں حالانکہ بائیبل اور قرآن کے رو سے جھوٹے نبی کامیاب نہیں ہوتے بلکہ تباہ کئے جاتے ہیں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ لوگ نبی تھے۔ اور اگر ہم اُن کو نبی نہ مانیں تو قرآن کریم کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے کہ ہر قوم میں نبی آئے تھے۔

غیر احمدی کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے نام نہیں لیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے قرآن نے نام نہیں لیا اور نہ وہ دُنیا کے سارے نبیوں کا نام لے سکتا تھا۔ وہ کوئی

STATISTICS کی کتاب نہیں ہے۔ لیکن جب وہ کہتا ہے کہ ہر قوم میں نبی آئے تو جو لوگ اُن قوموں میں ایسے پائے جاتے ہیں جن پر نبیوں کے حالات صادق آتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کی نبوّت کا اقرار نہ کریں۔

تیسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ مذاہب کے لئے احمدیت کیا اہمیت رکھتی ہے اور سوشل لحاظ سے اور پولیٹیکل لحاظ سے وہ بنی نوع انسان کو کیا فائدہ بخشتی ہے؟

اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے جیسا کہ اُوپر بتایا جا چکا ہے وہ TRUE اسلام ہے اس لئے سوشل اور پولیٹیکل WELFARE کے لحاظ سے جو اسلام دُنیا کو فائدہ بخش سکتا ہے وہی فائدہ احمدیت دنیا کو بخشتی ہے۔

PRACTICALLY یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اسلام کی تعلیم ان دونوں امور کے لئے ایک DEAD LETTER کے طور پر ہو چکی تھی۔ مسلمان ایک لمبے عرصہ کی کامیابیوں کے بعد مختلف قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے تھے اور چونکہ وہ مذہبی آدمی تھے ان کی کانشنس اُن کو ملزم کرتی رہتی تھی اور کانشنس کے الزام کو انسان زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اُن کے لئے دو ہی رستے کھلے رہ گئے تھے۔ یا تو وہ اپنی بداعمالیوں کو چھوڑ کر صحیح اسلامی تعلیم کی طرف واپس آجاتے۔ تب ان کی کانشنس ان کو الزام دینا چھوڑ دیتی مگر وہ اتنے سُست ہو چکے تھے اور صحیح عمل سے اتنے دُور ہو چکے تھے کہ وہ اس بات کو ناممکن پاتے تھے۔ دوسرا رستہ ان کے لئے یہ کھلا تھا کہ وہ مذہب کی تشریح ایسے رنگ میں کر دیں کہ وہ ان کی بداعمالیوں کو جائز قرار دے دے اور ان کی موجودہ حالت کو عین مذہبی حالت بنا دے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پھر بھی وہ ضمیر کی ملامت سے بچ جاتے تھے۔ یہ رستہ زیادہ آسان تھا انہوں نے اس رستہ کو قبول کر لیا۔ احمدیت نے آکر پھر صحیح اسلامی تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کر دی اور ضمیر کو اُن قیدوں سے آزاد کر دیا جو کہ گذشتہ صدیوں میں اس کے اُوپر لگا دی گئی تھیں۔ اب وہ پھر زندہ ہو گی اور ادھر اسلام کی تعلیم زندہ ہو گی۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ ضمیر اور عمل کی وہ جد و جہد جو قوموں کو ہمیشہ راہِ راست پر قائم رکھتی ہے احمدیت کی وجہ سے پھر جاری ہو جائے گی۔ اور چونکہ اسلامی تعلیم سوشل اور

پولیٹیکل WELFARE OF THE HUMAN RACE کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے وزناً ایک احمدی اس کی نقل کرنے پر مجبور ہوگا اور اسے دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کا بھی ایک حصہ۔ پس دنیا میں وہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم پھر قائم ہو جائے گی جس کو اسلام دُنیا کے فائدہ کے لئے لایا تھا۔ مثلاً موٹی مثال یہ لیجئے کہ احمدیت کے نزدیک قرآنی تعلیم یہ ہے کہ کسی کو کسی عقیدہ کے ماننے پر مجبور نہ کیا جائے اور ہر انسان کو کوئی بات اپنے ماں باپ سے سُن کر نہیں ماننی چاہئیے بلکہ دلیل کے ذریعہ ماننی چاہئیے۔ جب مسلمانوں کی قوتِ عملی مر گئی اور تبلیغ کی مشکلات برداشت کرنے کی طاقت ان میں نہ رہی تو انہوں نے اس اسلامی تعلیم کو بدل کر یہ تعلیم بنائی کہ غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانا جائز ہے اور اگر کوئی مسلمان اپنا عقیدہ چھوڑ دے تو اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔ اس طرح انہوں نے سمجھا کہ ایک طرف تو اسلام بالکل محفوظ ہو گیا اب اس میں سے کوئی شخص باہر نہیں جائے گا۔ دوسری طرف بغیر تبلیغ کی مشکلات برداشت کرنے کے ہم کبھی کبھار غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے ایک طرف تو مسلمانوں کا مذہب عقل اور محبت کا مذہب نہ رہا بلکہ ڈر اور بیوقوفی کا مذہب ہو گیا۔ دوسری طرف غیر قوموں اور مسلمانوں کے تعلقات بگڑ گئے۔ اب احمدیت نے اس تعلیم کو درست کیا ہے جب غیر قوموں کو معلوم ہوگا کہ اسلام تبلیغ اور دلائل کے ذریعہ سے سچائی کو پیش کرتا ہے اور تمام اقوام کو اپنا بھائی قرار دیتا ہے تو یقیناً پولیٹیکل تعلقات اور سوشل تعلقات اچھے ہو جائیں گے اور تلوار سے مسلمان بنانے کی بجائے مسلمان تبلیغی جدو جہد کرے گا اور اس میں قربانی اور ایثار اور صبر کا مادہ پیدا ہوگا اور ہر مسلمان جب یہ سمجھیگا کہ مَیں آزادی سے اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہوں تو جہاں وہ غیر مذاہب سے متعلق تحقیقات کریگا وہاں وہ اپنے مذہب کے متعلق بھی تحقیقات کرے گا اور آئندہ وہ ورثہ کا مسلمان نہیں ہوگا بلکہ ایک محقق کی حیثیت پیدا کر لے گا اور نہ صرف اس کا اپنا مذہب مضبوط ہوگا بلکہ وہ انسانی سوسائٹی کا نہایت مفید اور کارآمد وجود ہو جائے گا۔

مَیں اس مضمون کے متعلق زیادہ تفصیل سے نہیں لکھتا اس لئے کہ مَیں بتا چکا ہوں کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ اس بارہ میں جو اسلام کی تعلیم ہے وہی احمدیت کی تعلیم

ہے۔ اگر آپ نے میری کتاب " احمدیت " دیکھی ہے تو آپ اِن دونوں امور کے متعلق جو اسلام کی تعلیم اس میں لکھی ہے اسے دیکھ لیں۔ گو مختصر ہے مگر بہر حال اِن دونوں مضامین پر وہ روشنی ڈالتی ہے اور جو روشنی وہ ڈالتی ہے وہی فائدہ احمدیت پولیٹیکل اور سوشل لحاظ سے دُنیا کو پہنچائے گی۔

چوتھے سوال کا جواب آپ کو بعد میں بھجوایا جائے گا[1]۔

چونکہ یہ پہلا خط ہے جو آپ کی طرف سے ہمیں موصول ہوا اس لئے ہم پوری طرح یہ نہیں سمجھ سکتے کہ حقیقتاً آپ کے سوالات کی بیک گراونڈ کیا ہے۔ اس لئے اس خط کو پڑھنے کے بعد آپ دلیری سے اپنے خیالات کا اظہار کریں اور جو کچھ آپ کے دل میں سوالات پیدا ہوں وہ ہمیں تفصیل سے لکھیں۔ ہم آپ کے ہر سوال کا خوشی سے جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔"

ہمبرگ میں احمدیہ یورپین مشنز کی چوتھی کانفرنس

جرمنی میں تحریک احمدیت کا ایک انقلابی قدم جس نے اس ملک کو اسلام کی زندہ اور زبردست طاقت کا پہلا احساس دلایا اور ایک نمایاں حرکت پیدا کر دی، ہمبرگ میں احمدی یورپین مشنوں کی چوتھی کانفرنس کا انعقاد ہے جو ۱۸ تا ۲۰ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء میں ہوئی اور جس میں انگلستان، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور سپین کے احمدی مجاہدین نے شرکت کی۔

اس کانفرنس کا پریس میں بہت چرچا ہوا۔ اخباروں نے اس کے فوٹو دیئے، خبریں شائع کیں اور اداریتی نوٹ بھی لکھے۔ سب سے دلچسپ اور فکر انگیز تبصرہ جرمنی کے ایک عیسائی اخبار کا تھا جس نے لکھا کہ:-

"**عیسائی مشن اور چرچ کیلئے ایک اہم سوال**

یہ سوال عیسائی دُنیا کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ اسلام نہ صرف اپنی اشاعت کے اوّلین دَور میں عظیم روحانی اہمیت رکھتا تھا بلکہ اِس زمانہ میں اپنے تبلیغی مشنوں کے ذریعہ یورپ میں بہت اہمیت اختیار کر رہا ہے۔ انہی دنوں اسلامی مشنوں کے انچارج ہمبرگ میں جمع ہوئے تھے تاکہ وہ اسلام کو کامیاب طور پر یورپ میں پھیلانے کے ذرائع پر غور کر سکیں۔ جرمنی، انگلینڈ، ہالینڈ،

---

[1] چوتھا سوال یہ تھا کہ احمدیہ جماعت کی تاریخ، نظام، تبلیغ اور تعداد کی وضاحت فرمائیں۔

سوئٹزرلینڈ اور سپین میں اسلام کی تبلیغ آئندہ تقاریر اور لٹریچر کے ذریعہ زیادہ زور شور سے کی جائے گی۔ جرمنی میں اسلام کی کامیابی کا میدان زیادہ وسیع ہے۔ چند سال کے اندر اندر ہمبرگ میں مسجد بھی تعمیر کی جائے گی۔ ان واقعات سے ہمیں آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے اس بارہ میں احتجاج بلند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسلام گذشتہ تیرہ صدیوں میں اتحاد باہمی اور مؤثر اشاعت کے ذریعہ اپنے آپ کو ایک عالمی طاقت ثابت کر چکا ہے۔ ان حالات میں عیسائی دُنیا کو ایک بہت بڑا اور مشکل ترین مرحلہ درپیش ہے" [1]

حضرت مصلح موعود کا جرمنی میں ورود حضور کا ایمان افروز خطاب اور دوسری اہم دینی مصروفیات

جرمن مشن کی تاریخ میں وسط ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء کا دور ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ کیونکہ اس میں حضرت مصلح موعود نے سفر جرمنی اختیار فرمایا۔ اور ۲۵ تا ۲۹ ماہ احسان/جون تک اس مُلک میں رونق افروز رہے۔

دوران قیام ۲۶ ماہ احسان کو ڈاکٹر ٹلٹاک حضور کے دست مبارک پر بیعت کر کے مشرف باسلام ہوئے جن کا اسلامی نام حضور نے زبیر تجویز فرمایا۔ بعد ازاں ہمبرگ کے ایک نامور جرمن مستشرق ڈاکٹر ABEL ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور ان سے عربی میں گفتگو فرماتے رہے۔

اسی روز حضور کے اعزاز میں ۷½ بجے شام جماعت احمدیہ ہمبرگ نے ایک استقبالیہ تقریب کا انتظام کیا جس میں احمدیوں کے علاوہ دیگر معززین اور نمائندگان پریس نے بھی شرکت کی۔ عبدالکریم صاحب ڈُنکر نے حضور کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں حضور نے کھڑے ہو کر ایک غلص ولولہ اور رُوحانی کیفیت کے ساتھ نصف گھنٹہ تک تقریر انگریزی میں فرمائی۔ جس میں پہلے تو احمدی احباب کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد ربوہ مرکز احمدیت کی تعمیر کی تفاصیل بیان فرمائیں۔ اور پھر فرمایا کہ جرمن قوم کا کیریکٹر بلند ہے اور انہوں نے ہمبرگ شہر کو اتنی جلد تعمیر کر لیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ جرمن قوم اس زندہ رُوح کے ساتھ ضرور جلد از جلد اسلام کو جو خود اسی رُوح کو بلند کرنے کے لئے تعلیم دیتا ہے قبول کرے گی۔ حضور نے فرمایا کہ میں اس نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کا پیروکار ہوں جس نے دُنیا میں امن اور رواداری کو قائم کرنے کی پوری کوشش کی اور اپنے مخالفین جنہوں نے مسلمانوں کو تہ و تیغ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

---

[1] الفضل ۸ صلح/جنوری ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱

نہ کیا، کو فاتح ہونے کی حیثیت میں کس طرح معاف کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ اسلام اس رواداری کی تعلیم کا حامل ہے اور اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام قومیت اور رنگ و نسل کی تمیز سے بالا ہے اور دُنیا میں عالمگیر برادری اور اخوت کو قائم کرنے کے لئے زریں اصول پیش کرتا ہے۔ حضور کی اس محبت بھری تقریر کا جرمن ترجمہ مبلغ جرمنی نے بعد میں کیا۔ حاضرین نے خدا کے فضل سے حضور کی تقریر کو بہت پسند کیا۔ ہمبرگ کے ایک روزنامہ HAMBURGER ANZEIGER نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۸ جون میں حضور کی اس تقریر اور ہمبرگ گورنمنٹ کی طرف سے خوش آمدید کا ذکر ایک فوٹو کے ساتھ حسب ذیل الفاظ میں کیا:-

"

امیرالمومنین ٹاؤن ہال میں

احمدیہ جماعت کے امام حضرت مرزا محمود احمد صاحب کو کل ٹاؤن ہال میں MINISTER VON FLSENNE نے خوش آمدید کہا۔ ۶۶ سال کی عمر کے امیرالمومنین نے کل جماعت کی طرف سے دی گئی دعوت چائے کے موقعہ پر بیان کیا کہ ربوہ کی تعمیر کس طرح ۱۹۴۸ء میں مخالف حالات میں ہوئی۔ ایک بے آب و گیاہ گاؤں کس طرح ایک بڑا شہر بنا جس میں اب مختلف تعلیمی ادارے اور ایک مشنری کالج تعمیر ہو چکے ہیں۔ اسلام صلح اور امن کا مذہب ہے اور عالمگیر اخوت کو قائم کرنے کے اصول پیش کرتا ہے۔ اس لئے اسلام ہی آپ کے لئے مناسب حال مذہب ہے اور خاص طور پر جرمنی کے لئے عالمگیر مذہب ہونے کی بنا پر اسلام کا مستقبل جرمنی میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی رُوح جرمنی میں زندہ ہے۔ احمدیہ جماعت کا جرمنی میں مرکز ہمبرگ ہے اور اس کے تبلیغی مشن مختلف ممالک میں موجود ہیں"

علاوہ ازیں نہ صرف ہمبرگ بلکہ جرمنی کے بیسیوں اخبارات میں حضور کی آمد کی خبر حضور کے فوٹو کے ساتھ شائع ہوئی۔

ہمبرگ میں مسجد کی تعمیر اور افتتاح حضرت مصلح موعود نے قیام ہمبرگ کے دوران ۲۶ احسان/ جون ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء کو جرمنی میں جلد مسجد تعمیر کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔[1] سو اللہ تعالیٰ نے حضور کی یہ مبارک خواہش دو سال کے اندر اندر پوری کر دی۔ چنانچہ ۲۲ تبلیغ/

---

[1] الفضل ۱۵ وفا/ جولائی ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۳

فروری ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء کو ہمبرگ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا[1] اور ۲۲ر احسان/جون ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء کو چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر اس کا افتتاح فرمایا۔

افتتاحی تقریب کا آغاز تلاوت قرآن عظیم سے ہوا جو حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ نے کی پھر چودھری عبداللطیف صاحب انچارج مشن نے مختصر تقریر میں مسجد کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی ازاں بعد صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے جو حضرت امیرالمومنین کے نمائندہ کی حیثیت میں تشریف لے گئے تھے، حضور پُرنور کا مندرجہ ذیل پیغام انگریزی میں پڑھ کر سُنایا:-

"برادران اہل جرمنی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مَیں ہمبرگ کی مسجد کے افتتاح کی تقریب میں شمولیت کے لئے اپنے بیٹے مرزا مبارک احمد کو بھجوا رہا ہوں۔ افتتاح کی تقریب تو انشاء اللہ عزیزم چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب ادا کرینگے مگر مرزا مبارک احمد میرے نمائندے کے طور پر اس میں شامل ہوں گے۔ میرا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ مدد کرے تو یکے بعد دیگرے جرمنی کے بعض اور شہروں میں بھی مساجد کا افتتاح کیا جائے امید ہے کہ مرزا مبارک احمد مولوی عبداللطیف صاحب سے مل کر ضروری سکیمیں اس کے لئے بنا کر لائیں گے تاکہ جلدی مساجد بنائی جاسکیں۔

خدا کرے کہ جرمن قوم جلد اسلام قبول کرے اور اپنی اندرونی طاقتوں کے مطابق جس طرح وہ یورپ میں مادیات کی لیڈر رہی ہے روحانی طور پر بھی لیڈر بن جائے۔ فی الحال اتنی بات تو ہے کہ ایک جرمن نومسلم زندگی وقف کر کے امریکہ میں تبلیغ اسلام کر رہا ہے مگر ہم ایک مبلغ یا درجنوں نومسلموں پر مطمئن نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں مبلغ جرمنی سے پیدا ہوں اور کروڑوں جرمن باشندے اسلام کو قبول کریں تا اسلام کی اشاعت کے کام میں یورپ کی لیڈری جرمن قوم کے ہاتھ میں ہو۔ اللّٰھم آمین۔

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی"[2]

---

[1] الفضل ۲۷ر تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۱

[2] الفضل ۲۶ر احسان/جون ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۱

اس روح پرور پیغام کا چوہدری عبداللطیف صاحب نے ترجمہ کیا۔ جس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے ایک اثر انگیز تقریر کی جس کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی چوہدری عبداللطیف صاحب نے کیا۔[۱]

آخر میں چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے ایک پُر مغز اور ایمان افروز تقریر فرمائی[۲] جس کا جرمن ترجمہ محترم عبدالکریم صاحب ڈُنکر نے کیا۔ تقریر کا ترجمہ ہونے کے بعد آپ نے اجتماعی دُعا کرائی اور مسجد کے دروازہ پر تشریف لے جا کر دروازہ کھولا۔

آخر میں چوہدری عبداللطیف صاحب نے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرا کر پڑھائیں اور اس طرح یہ مبارک اہم اور تاریخی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

اس اجتماع میں شمولیت کے لئے یورپ کے مبلغین میں سے مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب ہالینڈ سے، مکرم شیخ ناصر احمد صاحب سوئٹزرلینڈ سے، مکرم مولود احمد صاحب انگلینڈ سے اور مکرم سید کمال یوسف صاحب سویڈن سے تشریف لائے۔ اعلیٰ لوکل حکام، ہندوستان لبنان اور ہالینڈ کے کونسل جنرل اور دیگر معززین شہر، پریس اور ٹیلی ویژن کے نمائندے شریک ہوئے۔[۳]

ہمبرگ مسجد اور مسیحی پریس

ہمبرگ مسجد کی تعمیر سے جہاں تبلیغ اسلام کی سرگرمیوں میں نمایاں اضافہ ہو گیا وہاں جرمن مسیحی پریس میں تشویش و اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بعض اخبارات کی آراء ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ اخبار "LANDES ZEITUNG" نے اپنے ۱۱ جون ۱۹۵۸ء کے شمارہ میں "ہمبرگ کی مسجد ایک خطرے کا الارم" کی سرخی دے کر لکھا کہ اب اسلام میں نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے۔ اور اس مذہب کے پیروؤں نے ہمبرگ میں اپنی پہلی مسجد بھی تعمیر کر لی ہے۔[۴]

۲۔ اخبار "WURZBURG" نے لکھا:۔

"ہمبرگ میں مسجد کی تعمیر عیسائی دنیا کی سُستی اور اپنے مذہب سے بے رُخی اور بے دلی پر دلالت کرتی ہے نہ کہ رواداری پر"

---

[۱] یہ تقریر الفضل ۲۷ شہادت/ اپریل ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

[۲] " " ۲۸ احسان/ جولائی ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء " " " " "

[۳] الفضل ۴ وفاء/ جولائی ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۳-۴۔

[۴] رسالہ تحریک جدید جنوری ۱۹۶۸ء صفحہ ۵۸۔

۳۔ ایک مذہبی اخبار " THE CHURCH " نے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا:۔

" عیسائیت اور اسلام کے درمیان HOLY WAR کا مرکز ہمبرگ بن چکا ہے۔ یہ اب ہم پر منحصر ہے کہ ہم کس طرح مسجد کی تعمیر کے ساتھ وابستہ خطرات کا مقابلہ کرتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کا جرمنی کے لئے مبلغ مسٹر عبداللطیف ۱۹۴۹ء میں ہمبرگ آیا اور ۱۹۵۷ء میں مسجد کی تعمیر اس کی آٹھ سالہ کامیاب جدوجہد پر دلالت کرتی ہے۔"

۴۔ BILEFELD کے ایک اخبار کے ایک نامہ نگار نے " مساجد ہمارے ملک میں " کے عنوان کے ماتحت لکھا:۔

" میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ مجھے اپنے ہمبرگ کے قیام کے دوران بتایا گیا کہ ہمبرگ میں ایک مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ مزید تحقیق کرنے پر مجھے اس بات کا علم حاصل کر کے اور بھی حیرانی ہوئی کہ جماعت احمدیہ ہمبرگ کی مسجد کے علاوہ جرمنی کے دیگر اہم مقامات پر بھی بادی باری مساجد کی تعمیر کا ارادہ رکھتی ہے " [1]

جرمن ترجمہ قرآن کی اشاعت

شروع ۱۳۳۳ ہش / ۱۹۵۴ء میں احمدیہ مسلم مشن سوئٹزرلینڈ نے جرمن ترجمہ قرآن چھپوایا تو سوئٹزرلینڈ کے علاوہ جرمنی میں بھی اس کی اشاعت کی گئی۔ اس ترجمہ نے اس ملک کے علمی طبقہ پر گہرا اثر ڈالا۔ جرمن پریس میں بھی اس ترجمہ کی بڑی شہرت ہوئی اور جرمن رسائل و جرائد نے اس پر عمدہ ریویو کئے۔ اس ترجمہ کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

جرمن مشن میں فریضۂ تبلیغ بجالانیوالے مجاہدین احمدیت

جرمن مشن میں اب تک جن مجاہدین اسلام کو تبلیغ اسلام کا فریضہ بجالانے کا موقع ملا ہے اُن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب۔ (۲۰ صلح / جنوری ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء تا ۲۴ ظہور / اگست ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء، ۱۴ تبوک / ستمبر ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء تا ۱۴ فتح / دسمبر ۱۳۴۱ ہش / ۱۹۶۲ء، ۲۵ صلح / جنوری ۱۳۴۲ ہش / ۱۹۶۳ء تا آخر ۱۳۴۸ ہش / ۱۹۶۹ء۔

۲۔ الحاج مرزا لطف الرحمٰن صاحب (۴ شہادت / اپریل ۱۳۳۸ ہش / ۱۹۵۹ء تا ۲ فتح / دسمبر ۱۳۳۹ ہش / ۱۹۶۰ء۔ اس تاریخ کو جرمنی سے ٹوگولینڈ مغربی افریقہ میں تشریف لے گئے) اور ٹوگولینڈ مشن کی بنیاد رکھی

---

[1] الفضل ۱۵ تبوک / ستمبر ۱۳۳۷ ہش / ۱۹۵۸ء صفحہ ۴

۳۔ مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی (۲۸ امان/مارچ ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء تا ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۴۳ ہش/۱۹۶۴ء، ۲۷ صلح/جنوری ۱۳۴۷ ہش/۱۹۶۸ء تا ۲۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۵۱ ہش/۱۹۷۲ء)

۴۔ مکرم مولوی محمود احمد صاحب چیمہ (۲۱ وفا/جولائی ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء تا ۱۳۴۵ ہش/۱۹۶۶ء)

۵۔ مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (۷ احسان/جون ۱۳۴۳ ہش/۱۹۶۴ء تا ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۴۶ ہش/۱۹۶۷ء، ۱۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۵۱ ہش/۱۹۷۲ء کو دوبارہ ربوہ سے عازم جرمنی ہوئے اور اس وقت مشن انچارج کی حیثیت سے مصروف عمل ہیں۔

۶۔ مکرم مولوی بشیر احمد صاحب شمس (۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۴۵ ہش/۱۹۶۶ء تا ۷ فتح/دسمبر ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء)

۷۔ مکرم قاضی نعیم الدین احمد صاحب (۱۹ وفا/جولائی ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء سے جرمنی میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر رہے ہیں)

مسجد فرانکفورٹ کی تعمیر و افتتاح

مسجد ہمبرگ کے افتتاح پر ابھی دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جرمن مشن کو دوسری مسجد تعمیر کرنے کی توفیق دے دی۔[1] جس کے لئے مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب ہالینڈ سے تشریف لائے۔ علاوہ ازیں یورپ کے مبلغین میں سے مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب، مکرم شیخ ناصر احمد صاحب، مکرم عبدالحکیم صاحب اکمل، الحاج مرزا لطف الرحمٰن صاحب، مکرم عبدالشکور صاحب کنزے، مکرم خان بشیر احمد صاحب رفیق اور مکرم کمال یوسف صاحب بھی شامل ہوئے۔

افتتاح کی کارروائی تین بجے بعد دوپہر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی زیر صدارت شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن کریم حافظ قدرت اللہ صاحب نے کی۔ مبلغ جرمنی نے اپنی تقریر کے ذریعہ حاضرین کو خوش آمدید کہا اور اس مبارک کام میں حصہ لینے والے احباب کا شکریہ ادا کیا۔ فرانکفورٹ کے چیف میئر کے ذاتی نمائندہ (MR. ALBRECHT) نے کہا کہ انہیں امید ہے کہ یہ مسجد امن اور رواداری کے اصولوں کو بروئے کار لانے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔ آخر میں مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نائب صدر عالمی عدالت انصاف نے اسلام کے عالمگیر پیغام پر نہایت ایمان افروز اور دلچسپ پیرایہ میں صدارتی تقریر انگریزی زبان میں فرمائی جس کا جرمن ترجمہ ایک جرمن نومسلم عبدالشکور کنزے نے کیا۔

---

[1] الفضل ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۳۷ ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔

اس کے بعد مکرم چوہدری صاحب نے دُعا کروائی اور مسجد کا دروازہ کھول کر پہلے رسم افتتاح ادا فرمائی پھر ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ یوم افتتاح کے موقع پر بوقت دو بجے مبلغ جرمنی کا انٹرویو ریکارڈ ہوا۔ انٹرویو سے قبل مبلغ جرمنی کی خواہش کے مطابق اذان بھی ریکارڈ کی گئی جو حافظ قدرت اللہ صاحب نے خوش الحانی سے دی۔ یہ انٹرویو اسی روز پونے سات بجے ایک اہم پروگرام کے آخر میں نشر ہوا۔ اور اس طرح فرانکفورٹ کی تاریخ میں پہلی دفعہ اذان کے الفاظ فضا میں گونجتے ہوئے سنائی دئے۔ اس انٹرویو کے دوران مبلغ جرمنی نے مسجد کی اہمیت کو بیان کیا اور اسلام کے بارہ میں بعض غلط فہمیوں کو دُور کیا۔ انٹرویو کے دوران جماعت کی تبلیغی مساعی کے بارہ میں بھی بعض امور مختصر طور پر بیان کئے۔ علاوہ ازیں سوس (SWISS) ٹیلی ویژن نے بھی افتتاح کی تقریب کے بعض ضروری حصے دکھائے۔

جرمنی کے تقریباً چالیس اخبارات نے مسجد اور افتتاح کی کارروائی کے بعض مناظر کے مختلف فوٹو بھی شائع کئے۔ نیز جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی پر عمدہ رنگ میں تبصرہ کیا۔ مثلاً اخبار MANNHEIM MORGEN نے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء کو "اسلام یورپ کی طرف بڑھ رہا ہے" کی سرخی کے ساتھ مسجد کی افتتاحی تقریب کا فوٹو دیا اور لکھا:۔

"محمدؐ کے پیرو اس سے قبل تلواروں اور نیزوں کی مدد سے جنوبی فرانس تک آئے۔ موجودہ زمانہ میں یہ کام روحانی ہتھیاروں سے ہو رہا ہے۔ بہت سے اسلامی ممالک کے لوگ یورپ آتے ہیں جو ساتھ ساتھ اسلام پھیلانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح مختلف تبلیغی فرقے جن میں سے ایک فرقہ نے جو خاص طور پر مرزا غلام احمد (صاحب) قادیانی کا ہے اور ۱۸۹۰ء میں پنجاب میں قائم ہوا مختلف جگہوں پر مساجد بنائی ہیں۔" [1]

رسالہ "اسلام" کا اجراء

جرمن زبان میں ماہنامہ "DER ISLAM" کا اجراء اگرچہ ۱۹۴۸ء میں سوئٹزرلینڈ مشن سے ہوا تھا مگر ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء میں اس رسالہ کی اشاعت کا کام بھی جرمن مشن کے سپرد ہوا۔ اور یہ ہمبرگ سے چھپنے لگا۔ ۱۹۷۰ء میں جب جرمن مشنوں کا مرکز ہمبرگ سے فرانکفورٹ میں منتقل ہو گیا تو رسالہ "اسلام" کی اشاعت بھی

---

[1] الفضل ۸/۱۰ نومبر ۱۹۵۹ء۔ رسالہ تحریک جدید جنوری ۱۹۶۸ء

فرانکفورٹ سے ہونے لگی۔ یہ رسالہ خدا تعالیٰ کے فضل سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور یورپ کے جرمن زبان بولنے والے علاقوں یعنی سوئٹزرلینڈ، آسٹریا اور جرمنی میں واحد اسلامی رسالہ ہے جو اِن ممالک میں ربع صدی سے اسلام کے رُوحانی، علمی، تاریخی، معاشی اور ثقافتی نظام کی ترجمانی کے فرائض بجا لا رہا ہے۔ جرمنی میں اس رسالہ کی ادارت کے فرائض چوہدری عبداللطیف صاحب ادا کرتے رہے اور ۱۹۷۰ء میں جناب مسعود احمد صاحب جہلمی مدیر اوّل اور جناب ڈاکٹر محمد عبدالہادی کیوسی صاحب مدیر معاون کے طور پر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ادارہ تحریر میں مبلّغ سوئٹزرلینڈ جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بھی شامل کر دیئے گئے۔

اکتوبر ۱۹۷۲ء میں جناب مسعود احمد صاحب جہلمی کی پاکستان واپسی پر جناب مولوی فضل الٰہی صاحب انوری بحیثیت مبلّغ انچارج رسالہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

یہ رسالہ اپنی طباعت اور مضامین ہر دو لحاظ سے معیاری ہے۔ جرمن بولنے والے ممالک کی مشہور لائبریریوں اور یونیورسٹیوں اور مستشرقین کو بھجوایا جاتا ہے۔ اسی طرح یورپ کے ممالک ہالینڈ اور ڈنمارک وغیرہ میں بھی کثیر تعداد میں جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام بیرونی مرکزی مشنوں میں بھی بھجوایا جاتا ہے۔

جرمنی کے علمی حلقوں میں یہ رسالہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جرمنی کی ایڈمنسٹریٹو ہائیکورٹ کے چیف جسٹس پروفیسر ڈاکٹر کلز (PROF. DR. KULZ) نے اپنے ایک خط میں رسالہ کے معیار کی تعریف کی اور لکھا کہ وہ ہر ماہ اس کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ اسی طرح فرانکفورٹ کے میئر DR. W. FAY جب اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوئے تو انہوں نے ایڈیٹر رسالہ کو کہا کہ یہ رسالہ جو بطور میئر کے انہیں دفتر میں بھجوایا جاتا تھا اب اُن کے ذاتی پتہ پر ارسال کیا جائے۔

جرمنی کے مشہور ترین اخبار FRANKFURTER ALLGEMEINE کے ایڈیٹر MR. HARALD VOCKE نے رسالہ کے بھجوائے جانے کی خواہش کی اور مبلّغ جرمنی کو بتایا کہ وہ رسالہ کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ جرمنی میں

۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء میں مغربی جرمنی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم

صاحبہ نے (جو مسجد زیورک وسوئٹزرلینڈ کے سنگ بنیاد کے سلسلہ میں تشریف لے جا رہی تھیں) ۱۹ تا ۲۲ ظہور ہمبرگ دارالتبلیغ میں قیام فرما رہیں۔ جرمن پریس نے آپ کی آمد کی خبر نمایاں طور پر شائع کی اور اسلام میں عورتوں کے بلند مقام پر بھی روشنی ڈالی[1]

ہمبرگ مشن کی عمارت میں توسیع

ہمبرگ مشن کی عمارت میں توسیع کا سنگ بنیاد ۱۹۶۴ء کی عیدالاضحیہ کے موقعہ پر رکھا گیا۔ جرمنی کے مشہور اخبار DIE WELT نے ہر دو تقاریب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

"صرف یہ ایک واحد جماعت ہے جو دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہی ہے"[2]

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا مغربی جرمنی کی طرف پہلا سفر

جرمنی میں اسلام کے رُوحانی انقلاب کی بنیادی اینٹ حضرت مصلح موعود کے مقدس ہاتھوں سے رکھی جا چکی تھی۔ اس بنیاد کو پہلے سے زیادہ مضبوط مستحکم اور وسیع کرنے کے لئے مہدی مسعود کے نافلہ موعود سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے مشہور عالم دورۂ یورپ (۱۳۴۶ہش / ۱۹۶۷ء) کے دوران مغربی جرمنی میں بھی تشریف لے گئے[3] حضرت امیر المومنین ۸ سے ۱۰ وفا/جولائی تک فرانکفورٹ میں رونق افروز رہے۔

۹ وفا/جولائی کو جماعت احمدیہ جرمنی کی طرف سے حضور کے اعزاز میں وسیع پیمانے پر ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں جرمنی کے احمدی مخلصین کے علاوہ شہر کے دوسرے معززین مثلاً پادری، وکلاء اور پروفیسر بھی شامل ہوئے۔ اس موقع پر چوہدری عبداللطیف صاحب انچارج مبلغ نے سپاسنامہ پڑھا جس کے جواب میں حضور نے ایک پُراثر انگریزی خطاب فرمایا۔ جس میں جرمنوں کو یہ پُرشوکت پیغام دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تائید اور نصرت کے لئے اپنے ایک موعود بندے کو اس زمانہ کا مصلح اور مسیح موعود اور مہدی بنا کر بھیجا ہے جس نے دُنیا کو چیلنج دیا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل ہونے کی حیثیت میں کثرت سے میرے ہاتھ پر نشان ظاہر کئے ہیں۔ اگر عیسائیوں میں سے کوئی یہ ثابت کر کے دکھائے کہ مسیحؑ کے معجزات کیفیت اور کمیت میں میرے معجزات سے بڑھ

---

[1] الفضل ۱۷؍صلح/جنوری ۱۳۴۲ہش / ۱۹۶۳ء صفحہ ۳ ۔ [2] ملخصاً از رپورٹ مبلغ مرسلہ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۶۴ء ۔

[3] حضور ایدہ اللہ تعالیٰ زمانہ طالبعلمی میں بھی جرمنی تشریف لائے تھے مگر زمانہ خلافت کا یہ پہلا سفر تھا۔

کریں تو مَیں اسے ایک زرِ کثیر انعام دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس تعلق میں حضور نے فرمایا۔ اس مسیح موعود کے تیسرے خلیفہ کی حیثیت میں وہی چیلنج دنیا کے سامنے پھر دُہراتا ہوں۔ اگر دوسرے مذاہب کے رہنما میرے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں تو ہمیں خوشی ہوگی کیونکہ اس طرح پر دُنیا اسلام اور بانیٔ جماعت احمدیہ کی سچّائی پر روشن نشان دیکھ لے گی۔[1]

آخر میں حضور نے فرمایا۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کا خدا ایک زندہ خدا ہے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک زندہ نبی اور مسیح موعود آپ کے فرزند جلیل ہیں حضور کے اس خطاب کا ترجمہ محمود اسمٰعیل زوش نے کیا۔

فرانکفورٹ میں حضور پُر نور کا قیام مشن ہاؤس میں تھا۔ اس موقع پر علاوہ جرمن نومسلموں کے بہت سے دوسرے احمدی بھی اپنے آقا کی زیارت کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ دوران قیام مسٹر والٹر ہلز نے دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اطالوی مستشرق ڈاکٹر کیوسی بھی بغرض ملاقات حاضر ہوئے

حضور نے فرانکفورٹ میں جرمن قوم کے متعلق اپنا ایک پُرانا مبشّر خواب سُنایا کہ ایک جگہ ہے وہاں ہٹلر بھی موجود ہے اور وہ حضور سے کہتا ہے کہ آئیں مَیں آپ کو اپنا عجائب خانہ دکھاؤں۔ چنانچہ وہ حضور کو ایک کمرہ میں لے گیا جہاں مختلف اشیاء پڑی ہیں۔ کمرہ کے وسط میں ایک پان کی شکل کا پتھر ہے جیسے دل ہوتا ہے۔ اس پتھر پہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے حضور نے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمن قوم اگرچہ اُوپر سے پتھر دل یعنی دین سے بیگانہ نظر آتی ہے مگر اس کے دلوں میں اسلام قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔[2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ فرانکفورٹ کے بعد ۱۶ تا ۱۹ ؍ وفا / جولائی ہمبرگ میں بھی رونق افروز رہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ ملک بھر میں حضور کی آمد کا غیر معمولی چرچا ہوا اور لاکھوں افراد تک اسلام کا پیغام پہنچا۔ اندازاً ساٹھ ستّر لاکھ نفوس کو ٹیلی ویژن کے ذریعہ تعارف کا موقعہ ملا جو خالص خدائی تصرّف تھا۔[3]

ہمبرگ میں بھی حضور کے اعزاز میں شاندار استقبالیہ تقاریب منعقد کی گئیں جس میں معززین شہر

---

[1] الفضل ۔ ارظہور / اگست ۱۳۴۶ ہش / ۱۹۶۷ء صفحہ ۴ ÷ [2] الفضل ۔ ارظہور / اگست ۱۳۴۹ ہش / ۱۹۷۰ء صفحہ ۳-۴ ÷

[3] الفضل ۲۷ ؍ وفا / جولائی ۱۳۴۶ ہش / ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ ÷

کے علاوہ نمائندگانِ حکومت بھی شامل ہوئے۔ اٹلانٹک ہوٹل میں وسیع پیمانے پر ایک پریس کانفرنس کا انعقاد بھی عمل میں آیا جس میں ملکی اخبارات کے نمائندوں کے علاوہ خبر رساں ایجنسیوں کے نمائندے، مختلف ریڈیو سٹیشنوں اور مقالہ نگار (فیچر رائٹر) ۳۵ کی تعداد میں شامل ہوئے۔ حضرت امیرالمومنین نے اس کانفرنس میں باقاعدہ اخباری بیان جاری کرنے کی بجائے سوال و جواب کے طریق کو ترجیح دی۔ اس موقع پر نامہ نگاروں اور نمائندوں نے نہایت کثرت سے سوالات دریافت کئے جن کے جوابات حضور نے رُوح القدس کی تائید سے نہایت درجہ بشاشت اور بے تکلفی سے ایسے پُرزور اور مدلّل رنگ میں دیئے کہ سب پر اسلامی دلائل کی معقولیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس کانفرنس نے نہ صرف ہمبرگ کے عوامی حلقوں میں ہی زبردست تہلکہ مچا دیا بلکہ اخبارات نے بھی حضور کے سفر ہمبرگ اور پریس کانفرنس کی خبریں نمایاں طور پر شائع کیں۔[۲]

کتابوں کی عالمی نمائش میں مشن کی نمائندگی

۱۹۶۷ء میں کتابوں کی مشہور عالمی نمائش کے موقعہ پر اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ ربوہ کی نمائندگی میں فرانکفورٹ مشن نے ایک سٹال لگایا اور اس کے جملہ انتظامات مولوی فضل الٰہی صاحب انوری مبلّغ اسلام نے سرانجام دیئے۔ ۱۹۶۸ء سے پاکستان بھی اس نمائش میں حصہ لے رہا ہے اور ۱۹۶۹ء سے ہمارے جرمن نومسلم احمدی دوست ہدایت اللہ صاحب ہیوبش مستقل طور پر نمائش کے تمام ایام میں پاکستانی سٹال کی امداد کر رہے ہیں۔

صدر جمہوریہ سینیگال کو اسلامی لٹریچر کی پیشکش

اس عالمی نمائش کے موقعہ پر ایک خاص تقریب منعقد ہوتی ہے جس میں انعام امن (PEACE PRIZE) دیا جاتا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں یہ انعام جمہوریہ سینیگال کے صدر جناب سینگور کو دیا گیا۔ مبلّغ جرمنی نے صدر موصوف کو فرانسیسی زبان میں شائع شدہ اسلامی کتب کا ایک سیٹ پیش کیا۔

ایک مشہور مسیحی مُناد کو قبولیت دُعا میں مقابلہ کرنے کی دعوت اور اُس کا واضح انکار

۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء کا ایک نہایت اہم واقعہ جس سے جرمنی میں اسلام کو نمایاں رُوحانی فتح نصیب ہوئی، انچارج احمدیہ مسلم مشن فرانکفورٹ کی طرف

۱؎ الفضل ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء صفحہ ۱۔
۲؎ الفضل ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء صفحہ ۴۔

سے دُنیائے عیسائیت کے مشہور مسیحی مُناد ـــــ ڈاکٹر سیموئل ڈاکٹریان[ل] کو قبولیت دُعا میں مقابلہ کرنے کی دعوت اور اُن کا واضح انکار ہے۔

ڈاکٹر سیموئل ماہ جُون ۱۹۶۸ء کے دوران فرانکفورٹ میں تشریف لائے تو فری کرسچن چرچ نے ایک با اثر مقامی اخبار میں ڈاکٹر سیموئل کی تصویر کے ساتھ بڑے طمطراق سے اعلان شائع کیا کہ آپ فرانکفورٹ شہر میں ہر شام مسلسل پندرہ روز تک لیکچر دیں گے۔ نیز لکھا کہ زمانہ حاضر کے عظیم مسیحی مناد ڈاکٹر سیموئل خداوند یسُوع کے عظیم تصرف کے ساتھ انجیل کی منادی کرتے ہیں اور ان کی تقاریر سے مشرق وسطیٰ، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں زبردست بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں

مبلغ اسلام مسعود احمد صاحب جہلمی نے ۱۷ رجون کو ڈاکٹر صاحب کا لیکچر سُنا جس میں انہوں نے مسیح کے خون، دُنیا کی نجات اور الوہیت مسیح وغیرہ مسائل بیان کئے اور بڑے پُرجوش انداز میں اپنے مشن اور اپنے دَوروں کی کامیابی کا ذکر کیا۔ مبلغ اسلام مسعود احمد صاحب جہلمی نے اگلے روز اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے بذریعہ خط پادری صاحب کو دعوت دی کہ وہ حق و باطل کا

ل ڈاکٹر سیموئل بیروت کے بائبل لینڈ مشن کے انچارج اور مسیحی دُنیا کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ آپ آرمینیا کے عیسائی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں مگر ابتدائی تعلیم یروشلم میں پائی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان آخری ایام میں یسُوع مسیح کی آمد ثانی سے قبل آسمانی باپ نے انہیں رُوح القدس کی زبردست رُوحانی قوت کے ساتھ تمام دُنیا اور خصوصاً مشرق وسطیٰ کے ممالک کو بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصُوف اپنی کتاب سموئیل ڈاکٹریان کی کہانی (THE STORY OF SAMUEL DOCTORIAN) میں اپنی زندگی کے مختصر حالات بیان کرتے ہوئے "خداوند یسُوع مسیح" سے اپنی ملاقاتوں اور رُوح القدس کی زبردست طاقت سے معمور ہونے کا جابجا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں برازیل کے ایک میڈیکل ڈاکٹر کی شہادت بھی درج ہے کہ دُنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کی زندگی کے حالات خالی از دلچسپی ہوں لیکن سیموئیل ڈاکٹریان کی زندگی نہ صرف دلچسپ بلکہ خدائی رُوح اور اس کے تصرف کا عظیم مظہر ہے۔

پادری ڈیوڈ گارڈنر نے کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر سیموئیل کے دورۂ لندن (۱۹۶۳ء) کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ برطانیہ کے کئی عیسائی جو سالہا سال سے عیسائیت کی تجدید کے لئے دعائیں کر رہے تھے انہیں اپنی دُعائیں خدا کے شکر میں وقف کر دینی چاہئیں کیونکہ تجدید کا آغاز یقیناً ہو چکا ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں رُوح القدس کی عظیم تحریک کے آثار نمایاں ہیں ۔

فیصلہ کرنے کے لئے مرد میدان بنیں اور دوستانہ فضا میں تبادلہ خیالات کرنے کے علاوہ قبولیت دُعا کا اُن سے رُوحانی مقابلہ بھی کر لیں۔ جناب مسعود احمد صاحب جہلمی نے اس دعوت مقابلہ کے سلسلہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں دُعا کے لئے لکھا جس پر حضور نے تحریر فرمایا:۔

" آپ کا خط مورخہ ۴/۴ ۱۹ مئی مع نقل چھٹی بنام ڈاکٹر سیموئیل صاحب ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

اگر اس نے دعوت مقابلہ کو قبول کیا تو شکست کھائے گا۔ انشاءاللہ۔ آپ جرأت سے مقابلہ کریں۔ اگر ضرورت محسوس کریں تو زیورک سے چوہدری مشتاق احمد صاحب کو بھی بُلا لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تائید و نصرت فرمائے۔ آمین "

اس خط پر دستخط فرماتے ہوئے حضور نے اپنے قلم مبارک سے مزید لکھا۔ "انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا"

ڈاکٹر سیموئیل کی طرف سے ہفتہ بھر جواب کا انتظار کیا گیا۔ لیکن جواب نہ آنا تھا نہ ہی آیا۔ انتظار کا وقت ختم ہونے پر خط کا جرمن ترجمہ خاص تعداد میں شائع کر دیا گیا اور اس پر نمایاں حروف میں لکھا گیا۔

"ڈاکٹر سیموئیل کے نام ایک خط جس کے جواب کا ابھی تک انتظار ہے"

اور پروگرام یہ بنایا گیا کہ پندرہ روزہ تقاریر کے آخری دو ایام مورخہ ۲۹ - ۳۰ جون یعنی ہفتہ اور اتوار کے روز جبکہ حاضرین کی تعداد بھی نسبتاً زیادہ ہوتی تھی یہ خط خیمۂ تقریر کے باہر تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ مورخہ ۲۹ جون کو جناب مسعود احمد صاحب امام مسجد فرانکفورٹ اور احمدی احباب وقت مقررہ سے نصف گھنٹہ قبل ہی خیمۂ تقریر کے باہر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے اور مطبوعہ خط کی تقسیم شروع کر دی جس سے ہر طرف ایک زبردست ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ خیال تھا کہ اپنی تقریر میں پادری صاحب اس دعوت کا ذکر کریں گے لیکن باوجود اس کے کہ سامعین میں سے تقریباً ہر شخص کے ہاتھ میں خط تھا پادری صاحب نے قطعاً خط کا ذکر نہ کیا۔ البتہ اُن کی تقریر میں وہ پہلا سا جوش و خروش نہ تھا۔ تقریر کا اکثر حصہ اسلامی ممالک کے متعلق من گھڑت قصّے سُنا کر ختم کر دیا۔

اگلے روز ۵ بجے شام پادری صاحب کی خیمہ کے اندر تقریر تھی۔ احمدی احباب دوبارہ خیمہ کے قریب جا کھڑے ہوئے کہ اسی اثناء میں ڈاکٹر سیموئیل کی موٹر کار کچھ فاصلہ پر آ کر رُکی مبلغ احمدیت مسعود احمد صاحب جہلمی آگے بڑھے اور ڈاکٹر صاحب سے خط کے جواب کی بابت دریافت کیا۔ وہ چلتے چلتے کہنے لگے " میری تقریر سُنیں " انہوں نے کہا۔ جناب تقریریں تو ہم نے آپ کی پہلے بھی سُنی ہیں ان میں تو آپ

نے ہمارے خط کا ذکر تک نہیں کیا۔ اتنے میں وہ خیمہ کے اندر داخل ہو گئے۔ مبلغ جرمنی نے سوچا کہ اب مزید بات چیت مناسب نہیں۔ لیکن ایک عرب احمدی دوست ابراہیم عودہ تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب کے پاس چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مصروفیت کا عذر پیش کر کے ٹیلیفون پر وقت مقرر کرنے کو کہا لیکن السید عودہ کے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ابھی میں نے بعض لوگوں کو دعا کے لئے بلایا ہے۔ دعا سے فراغت کے بعد آپ مل لیں۔ کوئی پون گھنٹہ تک دعا جاری رہی۔ اس کے بعد ملحقہ چھوٹے خیمہ میں ڈاکٹر صاحب برادرم عودہ کے پاس بیٹھ گئے۔ عودہ نے انہیں نہایت مؤثر رنگ میں تحریک کی کہ یہ فیصلہ کی بڑی آسان راہ ہے۔ آپ یہ دعوت مقابلہ قبول فرمالیں مگر ڈاکٹر صاحب نے دو ٹوک جواب دیا کہ

> جس دن سے مجھے یہ خط ملا ہے میں اس دن سے مقابلہ کی اجازت کے لئے خداوند یسوع مسیح سے دعا کر رہا ہوں لیکن ہر روز جواب آتا ہے "نہیں"۔ اب کل ہی جب انہوں نے یہ خط تقسیم کیا تو میں نے پھر دعا کی لیکن جواب ملا "نہیں تم اپنا کام کرتے جاؤ ان کی طرف مت دھیان دو۔"

اس پر عودہ صاحب نے کہا تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ کو اس امر کا قطعاً یقین نہیں کہ خدا آپ کی دعائیں سُنے گا۔

اس پر ڈاکٹر صاحب نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا دیکھیں۔ آپ نے دس منٹ کا مطالبہ کیا تھا اور اب نصف گھنٹہ ہونے کو ہے اور مجھے اور بھی مصروفیات ہیں۔ اس طرح یہ بلند و بانگ دعاوی کرنے والے "عظیم مسیحی مناد" اسلام اور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے خادموں اور غلاموں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکے اور اپنے عمل سے صداقت اسلام پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔[1]

قیامِ مشن فرانکفورٹ کی دس سالہ تقریب

تعمیر مسجد نور فرانکفورٹ اور قیامِ مشن پر خدا تعالیٰ کے فضل سے دس سال کا کامیاب عرصہ گزرنے پر ۸ / شہادت / اپریل ۱۳۴۸ہش / ۱۹۶۹ء کو فرانکفورٹ میں ایک پُر وقار تقریب کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس بابرکت تقریب کے روحِ رواں مکرم چودھری ظفر اللہ خان صاحب تھے۔ آپ تین روز تک مشن ہاؤس میں قیام فرما رہے۔ اپنے عرصۂ قیام کے دوران آپ فرانکفورٹ میوزیم کے وسیع ہال سنکن برگ میں "عصرِ حاضر کا مذہب" (RELIGION TODAY)

---

[1] الفضل ۱۸/۱۷ تبوک / ستمبر ۱۳۴۷ہش / ۱۹۶۸ء صفحہ ۳-۴۔

کے عنوان پر معرکۃ الآراء لیکچر دیا۔ اس کے علاوہ فرانکفورٹ میں بین الاقوامی شہرت کے کیتھولک دینی ادارہ فلاسفیکل تھیولوجیکل انسٹی ٹیوٹ سینٹ جارج میں "مسیح کی آمدِ ثانی" کے موضوع پر مدلّل اور دلولہ انگیز تقریر فرمائی۔ بعد ازاں فرانکفورٹ کے مشہور ٹاؤن ہال میں چودھری صاحب موصوف کے اعزاز میں میئر صاحب فرانکفورٹ کی طرف سے استقبالیہ دعوت دی گئی۔

اس پروگرام کا اہم ترین حصہ مسجد نور میں استقبالیہ تقریب تھی جس میں ہالینڈ، سپین، سویڈن اور برطانیہ کے سفارتی نمائندوں نے شرکت کی۔ فرانکفورٹ کے میئر ڈاکٹر فانی کے علاوہ بلدیہ کے بعض اہم افسران، سیاسی پارٹی CDU کے سربراہ، DR. H. VON MOOG، مقامی مجسٹریٹ DR. VOLDE، لیبر آفس کے سربراہ DR SCHMIDT، ریلوے کے پریذیڈنٹ DR. WENDLER اور جرمنی کے بین الاقوامی شہرت کے ممتاز قانون دان PROF. DR. JANIKE نمائندہ بشپ اہم کیتھولک پادری DR. BAUM وغیرہ اسماء قابل ذکر ہیں۔

مبلغ اسلام جناب مسعود احمد صاحب جہلمی نے حاضرین کو خوش آمدید کہا۔ نو مسلم احمدی دوست محمود اسمٰعیل زوش نے دس سالہ مساعی کا جائزہ لیتے ہوئے احمدیت کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ فرانکفورٹ کے میئر نے تقریر کرتے ہوئے مشرق و مغرب میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے بارے میں مشن کی مساعی کو سراہا اور آئندہ ہر رنگ میں تعاون کا یقین دلایا۔ جناب چودھری صاحب موصوف نے سامعین کو اپنے مخصوص انداز میں مذہب کی طرف توجہ کرنے کی تلقین کی۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو نے اس تقریب کی خبریں نشر کیں۔ فرانکفورٹ کے تینوں اہم اخبارات نے شاندار تبصرے لکھے۔ فرانکفورٹ سے شائع ہونے والے جرمنی کے اہم ترین اخبار FRANKFURTER ALLGEMEINE کی اشاعت مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کے لمبے مضمون میں سے ایک اقتباس درج ذیل ہے:۔

"جماعت احمدیہ اسلام کی ایک تبلیغی جماعت ہے جو تجدید و احیائے اسلام کے ساتھ ساتھ عیسائی و غیر عیسائی اقوام اور اسلام کے مابین صلح و رواداری کے اصولوں کے تحت بہتر فضا اور خوشگوار ماحول پیدا کرنے کی علمبردار ہے۔

جرمنی میں ہیمبرگ کے بعد فرانکفورٹ جماعت احمدیہ کا دوسرا مشن ہے۔ اسلام کے متعلق بیشمار تقاریر اور مذاکرات کے ذریعہ زبردست بیداری کے پیدا ہونے سے اس مشن کے کام کی غمازی

ہوتی ہے۔ سکولوں، مذہبی اداروں اور دیگر سوسائٹیوں کی طرف سے بڑی کثرت کے ساتھ اس مشن کو اسلام کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے دعوت نامے ملتے ہیں۔ یونیورسٹی اور میونسپل لائبریریوں کو یہاں سے کتب مہیا کی گئی ہیں۔

ترجمہ و تصنیف کے دیگر کاموں کے علاوہ جو اس مشن سے وابستہ ہیں اسپرانٹو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو اس کے گہرے اشتراکِ عمل سے معرضِ وجود میں آیا ہے اس کے علاوہ مسجد نور فرانکفورٹ میں اسلامی ممالک سے آنے والے زائرین، طلباء، تاجروں اور سیاحوں وغیرہ کے لئے رُوحانی مرکز ہی نہیں بلکہ اس اجنبی ملک میں ان کے لئے وطن کی فضا مہیا کرتی ہے" [1]

اسپرانٹو زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی اشاعت و مقبولیت

وسط ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء میں مشہور اطالوی مستشرق، آٹھ زبانوں کے فاضل اور جرمنی میں انشورنس کی بین الاقوامی کمپنی — جنرل انشورنس — کے جنرل مینیجر پروفیسر ڈاکٹر اطالو کیوسی ایک لمبی تحقیق اور دعاؤں اور استخارہ کے بعد جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسلامی نام محمد عبدالہادی تجویز فرمایا۔ [2] [3]

---

[1] الفضل ۱۴/۱۳ احسان/جون ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء ۔ [2] الفضل ۴ تبوک/ستمبر ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۴ ۔

[3] ڈاکٹر محمد عبدالہادی صاحب کیوسی احمدی ہونے کے بعد رسالہ " DER ISLAM " کے مدیر بنے۔ ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء میں پہلے آپ نے قادیان کی زیارت کی۔ پھر جلسہ سالانہ ربوہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ پھر حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور واپسی پر اپنے روحانی تاثرات اور قلبی واردات و مشاہدات رسالہ مذکور میں شائع کئے جو بہت رُوح پرور تھے۔ ان مضامین کا ترجمہ مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی مبلغ جرمنی نے الفضل ۷/ صلح/جنوری و ۲۹/ ہجرت/مئی و ۱۳/ احسان/جون ۱۳۵۰ہش/۱۹۷۱ء میں بھی شائع کرایا۔ ان مضامین کے شروع میں مکرم عبدالہادی صاحب کیوسی کے متعلق ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:۔

۱۹۷۲ء میں آپ کو حج بیت اللہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ واپس آکر آپ نے حج بیت اللہ کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے جو ڈائری کی صورت میں ہے اور بطور رہنمائے حج جرمن زبان میں نہایت مستند اور واحد کتاب ہے جس میں بیت اللہ شریف اور دوسرے مقامات مقدسہ کے متعلق نہایت فاضلانہ اور مستند

پروفیسر ڈاکٹر اطالوکیوسی تقریباً پانچ چھ سال سے احمدیہ مشن جرمنی کے ساتھ گہرا رابطہ رکھتے تھے اور اسلام اور قرآن مجید کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ابتدائی دو سال آپ نے عربی زبان سیکھنے اور اسلام کے بارے میں اپنی معلومات وسیع کرنے میں صرف کئے اور اس سلسلہ میں مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری مبلغ فرانکفورٹ نے آپ کی ہر ممکن امداد اور رہنمائی کی۔ عربی کا ضروری علم سیکھنے اور اسلامی تعلیمات سے اچھی طرح متعارف ہونے کے بعد آپ نے صرف ایک سال کے اندر بین الاقوامی زبان اسپرانٹو[لہ] (ESPERANTO) میں قرآن کریم کا ترجمہ مکمل کر لیا۔ اس دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی دُعائیں اور توجہات آپ کے شامل حال رہیں۔ اسپرانٹو ترجمہ قرآن کا دیباچہ چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے تحریر فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) معلومات ہیں۔ اس کے علاوہ اسپرانٹو زبان میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی ایک گراں قدر تصنیف بعنوان " ہادی برحق صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں " ڈنمارک کے مطبع میں زیر طبع ہے۔ اس کتاب کا نصف حصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس سوانح پر مشتمل ہے اور بقیہ نصف حصہ میں ایک سو احادیث رسول کا ترجمہ اور تشریح مع عربی متن کے ہے۔ اسپرانٹو زبان کے ایک مشہور رسالہ (BIBLICAL REVIEW) میں اسلام کے متعلق اکثر ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

سنہ ۱۹۷۰ء سے آپ اسپرانٹو کی مرکزی اکیڈمی کے ممبر منتخب ہو گئے ہیں۔ آپ کو اسپرانٹو جاننے والے حلقوں میں خدا تعالیٰ نے تبلیغ کی بڑی مؤثر توفیق بخشی ہے۔ سنہ ۱۹۶۹ء سے آپ کو ہر سال اسپرانٹو کی عالمی کانگرس میں اسلام پر تقریر کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۷۰ء سے آپ کو بحیثیت نمائندۂ اسلام شمولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں آسٹریا کے دارالحکومت وی آنا میں اور سنہ ۱۹۷۱ء میں لنڈن میں آپ نے کانگرس کے اجتماعات میں اسلام کی حقانیت پر پُر مغز مقالے پڑھے۔ سنہ ۱۹۷۲ء میں کانگرس کے اجلاس امریکہ میں تقریر کے علاوہ ایک یونیورسٹی میں آپ کو اسلام پر تقاریر کی دعوت ملی جس میں آپ کا مقالہ اسپرانٹو اکیڈمی کے سیکرٹری صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔ تاریخ وفات ۹/۸ جون ۱۹۷۳ء

لہ یہ زبان جسے پروفیسر ڈاکٹر زامن ہوف (DR. L. L. ZAMENHOF) نے بین الاقوامی رابطہ کی غرض سے سنہ ۱۸۸۷ء میں رائج کی تھی اب یورپین اور دوسرے متعدد ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ دُنیا کی اہم مذہبی علمی اور سیاسی کتابوں کے تراجم اس زبان میں ہو چکے ہیں مگر اس میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی سعادت پہلی مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر اطالوکیوسی ہی کو حاصل ہوئی ہے۔

قاہرہ کے ڈاکٹر ناسف اسحاق نے (جو اسپرانٹو کے عالم اور اسپرانٹو عربی لغت کے مصنّف ہیں) ترجمہ کی صحت کا جائزہ لیا اور اسپرانٹو کی عالمی تنظیم کے صدر پروفیسر ڈاکٹر لیپینے (LAPENNA) نے اس پر ادبی نقطۂ نگاہ سے نظرِ ثانی کی اور اسپرانٹو لٹریچر شائع کرنے والے کوپن ہیگن کے ایک پبلشر TORBEN KEHLET نے غیر معمولی دلچسپی اور محبت کے ساتھ اس ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا اور جماعت احمدیہ کی طرف سے وکالت تبشیر تحریک جدید ایک خطیر رقم بطور عطیہ مذکورہ اشاعتی ادارہ کو دی جس کے باعث اصل لاگت سے بھی کم قیمت بطور ہدیہ مقرر کی گئی اور اسپرانٹو زبان میں شائع ہونے والے رسائل میں اس ترجمہ کا خوب چرچا ہوا۔ اور ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور دوسرا ایڈیشن شائع ہو کر قریب الاختتام ہے۔ اس ترجمہ کی اشاعت سے اسپرانٹو زبان جاننے والوں کا رجحان اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے۔[۱]

وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر کو جرمن ترجمہ قرآن کی پیشکش

۵ ظہور/اگست ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء کو جرمن مشن کی طرف سے وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر ڈاکٹر گسٹاف ہینے من (Dr. GUSTAF HEINEMANN) کو جرمن ترجمۃ القرآن کا آسمانی تحفہ دیا گیا۔ یہ پیشکش ایک احمدی وفد نے کی جس کی قیادت مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب انچارج مشن نے کی[۲]

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا دوسرا سفر مغربی جرمنی

۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے مغربی افریقہ کے سفر کے دوران زیورک سے بذریعہ گاڑی ۹ شہادت/اپریل ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء کو دوبارہ فرانکفورٹ تشریف لے گئے اور ۱۱ شہادت/اپریل کو بذریعہ ہوائی جہاز لیگوس (نائیجیریا) کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور کے پروگرام میں فرانکفورٹ شامل نہ تھا۔ لیکن زیورک جا کر اچانک پروگرام میں تبدیلی ہوگئی اور فرانکفورٹ جانے کا بھی پروگرام بن گیا۔ جرمن احمدی غیر متوقع طور پر اپنے پیارے امام کو اپنے درمیان پا کر فرطِ عقیدت سے آبدیدہ ہوگئے۔ حضور نے فرانکفورٹ میں مجلس علم و عرفان میں اپنے خدام کو قیمتی ہدایات دینے کے علاوہ ایک بصیرت افروز خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرمایا[۳]۔ حضور کے اس مختصر قیام نے جماعت جرمنی کو ایک زندہ

---

[۱] الفضل ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۸۔ [۲] الفضل ۱۷ ظہور/اگست ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۴۔

[۳] الفضل ۲۲ شہادت/اپریل ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء صفحہ ۲-۳۔

ایمان اور تازہ ولولہ بخشا۔ نماز جمعہ میں ایک زیر تبلیغ جرمن نوجوان بھی شامل ہوئے جن کو حضور کی روحانی توجہ نے اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ بیعت کر کے اسلام جیسی نعمت سے مشرف ہوئے اور ہدایت اللہ کا نام پایا۔[ل]

جرمن مشن کا مرکز فرانکفورٹ میں

اب تک احمدیہ مشن کا مرکز ہمبرگ تھا جو جرمنی کے انتہائی شمال میں واقع ہے لیکن ماہ شہادت / اپریل ۱۳۴۹ہش / ۱۹۷۰ء سے یہ ہمبرگ سے فرانکفورٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ تبدیلی حضرت فاتح الدین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ورود فرانکفورٹ سے صرف ایک روز قبل عمل میں آئی۔ چونکہ فرانکفورٹ جرمنی بلکہ یورپ کے وسط میں واقع ہے اس لئے یہاں مرکز کے قیام سے تبلیغ اسلام کے میدان میں وسعت پیدا ہو چکی ہے۔

ل نو مسلم احمدی مکرم ہدایت اللہ صاحب جن کا جرمن نام (P. G. HÜBSCH) ہیوبش ہے قبول اسلام سے قبل بائیں بازو کے طلباء کے ایک لیڈر اور ہپی موومنٹ کے ایک گروپ کے بانی تھے۔ آپ کا شمار جرمنی کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص فضل کے تحت انہیں اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی اور حضور کے ۱۹۷۰ء میں فرانکفورٹ میں ورود مسعود سے کچھ ہی عرصہ قبل انہوں نے مسجد میں آنا شروع کیا تھا۔ حضور کی دعا اور روحانی توجہ کے طفیل جلد ہی اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا اور اسلام کو قبول کرنے کے بعد انہوں نے اخلاص اور روحانیت میں جس تیزی سے بے مثال ترقی کی ہے وہ بہتوں کے لئے قابل ستائش ہے۔ ہر روز مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا ان کی روحانی غذا ہے اپنی علمی اور قلمی اور شعری تمام قوتوں کو انہوں نے اسلام کے لئے ہمہ تن وقف کر رکھا ہے۔ اپنے خرچ پر اسلام کے متعلق ایک سہ ماہی رسالہ شائع کر کے ہپی تحریک سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کی شاعری جو اس سے قبل پراگندہ خیالی کی آئینہ دار تھی اب اسلام اور ہادی برحق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کے لئے وقف ہے۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر ان کے متعدد انٹرویو اور مضامین اسلام کے حق میں نشر ہو چکے ہیں۔ شہر سار برکن کے ریڈیو کی فرمائش پر اپنی زندگی کے حالات پر مشتمل مقالہ انہوں نے سپرد قلم کیا جس میں ہپی ازم سے اسلام کی طرف آنے کی روداد درج تھی۔ یہی مضمون میونخ کے ریڈیو نے بھی نشر کیا۔ اور پھر ایک ناشر نے اسے شائع کرنے کی اجازت چاہی۔ قبول اسلام کے بعد آپ نے اپنی تمام آمد کا ۱/۳ حصہ چندہ کے طور پر مشن کو ادا کر دیا۔

٭ ٭ ٭

جرمن مشن کی اسلامی مطبوعات

دار التبلیغ جرمن کے قیام کو قریباً ربع صدی ہو رہی ہے۔ اس عرصہ میں مشن نے نہایت شاندار لٹریچر پیدا کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-

1. Der Heilige Quran Arabisch-Deutsch

۱۔ قرآن مجید (عربی جرمن)

2. Islam Order Christentum

۲۔ اسلام یا عیسائیت (اقتباس از دیباچہ تفسیر القرآن مصنفہ حضرت مصلح الموعودؓ)

3. Die gesellschaftliche Bedeutung des Islam

۳۔ اسلامی تعلیمات کی معاشرتی اہمیت (از محترم چودھری ظفر اللہ خاں صاحب)

4. Der Islam und internationale Beziehungen

۴۔ اسلام اور بین الاقوامی تعلقات (از چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

5. Warum ich an den Islam glaube!

۵۔ میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں (نشری تقریر حضرت مصلح الموعودؓ)

6. Mein Glaube

۶۔ میرا مذہب (از چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

7. Die geschichtliche Bedeutung des Islam fur die abendlandische kultur

۷۔ مغربی تمدن میں اسلام کی تاریخی اہمیت (مصنفہ ڈاکٹر ٹلٹاک)

8. Jesus - Leben, Auftrag, Tod

۸۔ مسیح۔ ان کی زندگی، مشن اور وفات

9. Die wirtschaftliche Aufbau der der islamichen Gesellschaftsordnung

۹۔ اسلام کا اقتصادی نظام (از حضرت مصلح الموعودؓ)

10. Muhammad - der ideale Mensch

۱۰۔ محمد۔ انسانِ کامل (ترجمہ مضمون حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ)

11. Jesus in Kaschmir

۱۱۔ مسیح کشمیر میں (از چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب)

12. Unsere Lehre

۱۲۔ ہماری تعلیم (اقتباس از کشتی نوح)

13. Eine Warnung an die Welt - Botschaft des Friedens zugleich

۱۳۔ دنیا کو ایک انتباہ اور امن کا پیغام (از حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

14. Der Islam als Glaube an den Eine Gott

۱۴۔ اسلام بحیثیت دین توحید (از چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ مبلغ سوئٹزرلینڈ)

15. Die Gnade Allahs

۱۵۔ اللہ کی رحمت۔ اسلامی عقائد و تعلیمات کا تعارف (از مسعود احمد صاحب جہلمی مبلغ جرمنی)

16. Das Haus in Mekka

۱۶ مکہ کا گھر۔ تفصیلات مناسک حج۔ (از جناب ڈاکٹر محمد عبدالہادی کیوسی)

مشن کی سنہری خدمات دوسروں کی نظر میں

یہ مشن یورپ اور بالخصوص مغربی جرمنی میں اشاعتِ اسلام کا بھاری مرکز بن چکا ہے اور ہمبرگ اور فرانکفورٹ میں جہاں مساجد تعمیر ہو چکی ہیں انوارِ قرآنی کی تجلیات کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ اس تعلق میں بطور ثبوت صرف چار آراء درج ذیل کی جاتی ہیں:۔

۱۔ سویڈن کے ایک مشہور علمی رسالہ "TIDENS TECKEN" نے ۱۹۵۸ء کے SPRING EDITION میں ایک مفصل مضمون شائع کیا۔ یہ طویل مضمون اس انٹرویو کی رپورٹ پر مشتمل تھا جو اس کے ایڈیٹر نے ہمبرگ میں چوہدری عبداللطیف صاحب سابق مبلغ جرمنی سے لیا تھا۔ اس مضمون میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی اور ان کے اثرات پر مفصل روشنی ڈالنے اور عیسائیت کی تباہی اور اسلام کے غالب آنے کے متعلق ان پیشگوئیوں کا بالتفصیل ذکر کرنے کے بعد جو بانی سلسلہ احمدیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہیں، عیسائی دُنیا کو بایں الفاظ خبردار کیا گیا کہ

"اسلام میں رونما ہونے والے اس مسیح موعود کا وجود، اس کی قائم کردہ جماعت اور اس کے تبلیغی

مشن یہ سب چیزیں ہمارے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں اس امر پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا کہ ہم عیسائیوں میں وہی جذبہ وہی سچائی وہی رُوح القدس موجود ہے جو ہمارے مسیح کی ابتدائی جماعت میں کار فرما تھا۔ اگر نہیں تو پھر ہم نے عیسائیت کے مقصد اور اس کی غرض و غایت کو فراموش کر دیا ہے۔ بیشک ہمارے گرجے وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری جماعتیں اور تنظیمیں جگہ جگہ موجود ہیں لیکن سچائی کی رُوح کے بغیر ہمارا مذہب، ہمارے عقائد اور ہماری تنظیمیں سراسر غیر مفید اور بلیسود ہیں اور ایک بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہر چند کہ اس اسلامی جماعت کے مشن عیسائیت کے لئے خطرناک نہیں کہلا سکتے لیکن ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ جماعت ایشیا، امریکہ، یورپ اور افریقہ میں جارحانہ طور پر عیسائیت پر حملہ آور ہے۔ اس کے پیش کردہ دلائل ٹھوس مضبوط اور قوی ہیں۔ ان حالات میں جب ہم ان نتائج پر غور کرتے ہیں جو اس تبلیغی جدوجہد کے نکل سکتے ہیں تو ہم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ کیا ہم عیسائیوں میں وہ رُوحانی طاقت موجود ہے جس سے ہم اس جارحانہ تحریک کا مقابلہ کر سکیں۔ کیا ہم عیسائیوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ ہم اسلام کے اس چیلنج کا اپنے صحیح عقائد دُعا اور رُوح القدس کی برکت سے جواب دینے کے قابل ہو سکیں"۔ ؎[۵]

۲۔ پاکستان کے روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۰ء کی اشاعت خاص (علمی ادبی ایڈیشن) میں "جرمنی میں مسلمانوں کی سرگرمیاں" کے زیر عنوان ایک نوٹ شائع ہوا۔ اس نوٹ کا متعلقہ حصہ مندرجہ ذیل ہے:۔

"مغربی جرمنی کے ایک کثیر الاشاعت پرچے میں محمد امین عبداللہ کا ایک مضمون چھپا تھا جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ بون کے لاٹ پادری کے اخبار میں کچھ عرصہ پیشتر بتایا گیا تھا کہ آٹھ سو جرمن مسلمان ہو گئے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں جرمنوں کے مسلمان ہونے سے یہ خیال پیدا ہوا کہ آیا جرمنی میں آباد مسلمانوں کی کوئی منظم تحریک موجود ہے۔ اس سوال کا جواب مغربی جرمنی کی حکومت کے بلیٹن میں یُوں دیا گیا ہے۔

"مغربی جرمنی میں اسلام کی تین طریقے سے نمائندگی ہوتی ہے۔ پہلا یہ کہ مغربی جرمنی میں مُسلم

---

[۵] الفضل ۸ شہادت / اپریل ۱۳۳۷ہش / ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۔

ممالک کے سفارت خانوں کے مسلمان ملازم جرمنی میں موجود ہیں۔ ان میں مسلم ممالک کے طالب علم اور تاجر بھی شامل ہیں اور مسلمانوں کا یہ گروپ سب سے بڑا ہے۔ اگرچہ ہمبرگ اور آخن میں مسلمانوں نے ایک ایک مسجد تعمیر کر لی ہے۔ مگر سفارتی نمائندوں، طالب علموں اور تاجروں کو کسی منظم اسلامی تحریک کا حصہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے جو باہمی اجلاس ہوتے رہتے ہیں ان کا مقصد اسلام کی تبلیغ کرنا نہیں ہے مگر مذہبی، ثقافتی اور قومی روایات کو برقرار رکھنا ہے۔ دوسرا گروپ مہاجرین کا ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی جرمنی میں آباد ہو گئے ہیں۔ اور اب بظاہر مغربی جرمنی ہی ان کا وطن ہے۔ ان مسلمانوں کا ثقافتی مرکز میونخ ہے۔ میونخ میں مسجد کی تعمیر کے لئے وفاقی حکومت اور باویریہ کی حکومت ان مسلمانوں کی امداد کر رہی ہے۔ ان دونوں گروپوں میں ایک چیز مشترک ہے۔ وہ یہ کہ پہلے گروپ کے مسلمان تو کچھ عرصہ کے لئے یہاں آتے ہیں۔ انہیں اپنی واپسی کا یقین ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے گروپ کے مسلمان اگرچہ اتنی دیر سے یہاں آباد ہیں مگر وہ اب بھی سوچتے رہتے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے اپنے وطن کو واپس لوٹ جائیں گے۔ تیسرا گروپ جو اسلام کی تبلیغ کے لئے یہاں آیا ہے اس گروپ کا تعلق **احمدیہ** جماعت سے ہے۔ اور یہ گروپ گذشتہ دس سال سے مغربی جرمنی میں سرگرم کار ہے۔"

۳۔ حکومت مغربی جرمنی کی طرف سے شائع ہونے والے ایک ہفتہ وار عربی خبرنامہ "المرسالة" نے ۴ فروری ۱۹۶۶ء کو لکھا:-

"اس ضمن میں یہاں ایک اہم اور تعجب خیز حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جرمنی اور باقی مغربی یورپ کے ممالک میں دعوت اسلام اور دیگر اسلامی کام صرف اور صرف جماعت احمدیہ کی مساعی کے مرہون منت ہیں اور صرف یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں . . . . اسی طرح جماعت احمدیہ ہی وہ پہلی تنظیم ہے جس نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد قرآن کریم کا جرمن ترجمہ اصل عربی متن کے ساتھ شائع کیا ہے" [۱]

۴۔ ۱۹۷۰ء میں مغربی پاکستان کے تمام اہم اخبارات نے جرمنی کی مساجد پر ایک مضمون شائع کیا جس میں مقالہ نگار نے فرانکفورٹ اور ہمبرگ کی احمدیہ مساجد کا باتصویر تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:-

---

[۱] رسالہ "تحریک جدید" ربوہ بابت ماہ صلح / جنوری ۱۳۴۷ھش / ۱۹۶۸ء صفحہ ۵۸ - ۵۹۔

"قدرتی طور پر مشورے اور امداد کا ہر متلاشی مسلمان سب سے پہلے اپنی قدیم ترین مسجد کا رُخ کرتا ہے۔ اُن کے امام بھی مقتدیوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں بہت سی مشکلات کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ نو وارد مسلمان جرمن زبان سے ناواقف ہوتا ہے یہ مشکل امام مسجد کی مدد سے حل ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرانکفورٹ کی نُور مسجد کے امام مسعود احمد پانچ زبانیں جانتے ہیں اور وہ فرانکفورٹ کے قرب وجوار میں بسنے والے مسلمانوں سے اُن کی علاقائی زبانوں میں بات چیت کر لیتے ہیں۔ ہر ہفتے فرانکفورٹ اور اس کے قرب وجوار کی بستیوں سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کی چھوٹی سی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے پہنچتی ہے بہت سے مسلمانوں کے لئے خواہ وہ مراقش کے ہوں یا انڈونیشیا کے، مشرقی افریقہ کے ہوں یا مغربی افریقہ کے، مسعود احمد مشفق والد، ہمدرد، بہی خواہ، ترجمان اور پیر و مرشد سبھی کچھ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرانکفورٹ کی نُور مسجد کے اس نوعمر امام کو اس بات کی بھی خوشی ہے کہ جرمن لوگوں میں اسلامی ثقافت و نظریات سے دلچسپی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر ڈاکٹر ہائنے من سے ان کی ملاقات نے بھی مسعود احمد صاحب کے ان خیالات کو تقویت پہنچائی ہو۔" [۱]

فصل پنجم

مسقط مشن کی بُنیاد

عمان جزیرہ عرب کی ایک مسلم ریاست ہے جو قطر اور حضرموت کے درمیان عرب کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ مسقط اس ریاست کا دارالسلطنت اور خلیج فارس کی بڑی اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعلیمی اور مذہبی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے اور ان پر ایک جمود طاری ہے مگر عیسائیوں نے

---

[۱] "نوائے وقت" لاہور ۲۹ جنوری ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۰

جگہ جگہ ہسپتال کھول رکھے ہیں جہاں وہ کھلے بندوں صلیبی مذہب کا پرچار کرتے ہیں اور سینکڑوں مسلمانوں کو حلقہ بگوش عیسائیت کر چکے ہیں۔

اگرچہ احمدیہ مسلم مشن عدن ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء سے عرب کے مغربی ساحل کو عیسائیوں کی یلغار سے بچانے کے لئے ٹھوس خدمات بجا لا رہا تھا مگر مشرقی ساحل میں ان کی سرگرمیوں کا نوٹس لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اور عربوں کی نئی نسل صلیبی مذہب سے متاثر ہو رہی تھی۔ اور مشکل یہ تھی کہ ان علاقوں میں داخلہ پر سخت پابندیاں تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک احمدی دوست محمد یوسف صاحب بی۔ ایس۔ سی جو اُن دنوں مسقط حکومت کے فوڈ آفیسر تھے لاہور آئے تو حضرت مصلح موعود کے حکم سے مولوی روشن الدین صاحب فاضل واقفِ زندگی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ وہ ریاست میں ذریعہ معاش تلاش کریں۔ انہیں اپنے اور اپنے بچوں کے اخراجات خود برداشت کرنا ہوں گے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف ۲ / تبلیغ / فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو مسقط العرب میں پہنچے اور یوں نہایت بے بضاعتی کے عالم میں مسقط مشن کی بنیاد پڑی۔ آپ کے تشریف لے جانے سے قبل مسقط میں تین احمدی تھے۔[1]

---

[1] محمد عبد الحق صاحب احمدی پنشنر پروپرائٹر حق کیفی بینک روڈ مردان کا بیان ہے کہ

"میرا تبادلہ اگست ۱۹۳۴ء کو پشاور سے مسقط ہوا تھا۔ بیت الفلج ایک مقام ہے جو مسقط سے کچھ فاصلہ پر ہے اور یہاں سلطان مسقط کی انفنٹری ہے۔ میرا دفتر بھی وہیں تھا۔ مَیں سب سے پہلا احمدی تھا جو وہاں گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے ذریعہ سے سلطان کی فوج کے دو افراد احمدی ہوئے۔ (۱) میاں فتح محمد صاحب جو اس وقت سلطان کی فوج کے آمر تھے اور جو سیالکوٹ میں جہاں تک مجھ کو یاد پڑتا ہے اوجی ٹبی کے رہنے والے تھے پہلے احمدی ہوئے تھے اور ان کے ذریعہ ان کی اہلیہ صاحبہ بھی سیالکوٹ میں احمدی ہوئی تھیں۔ یہ صاحب اب فوت ہو چکے ہیں۔ (۲) جناب محمد اعظم صاحب جو اُن دنوں سلطان کی فوج کے ہیڈ کوارٹر میں ہیڈ کلرک تھے . . . . مسقط سے ۳۶-۱۹۳۵ء میں میرا تبادلہ شارجاہ، مسقط اور کویت کے درمیان ایک قصبہ میں ہوا۔ ان دنوں مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری حیفا میں تھے۔ آپ سے رسالہ البشریٰ منگوا کر یہاں لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ شارجہ میں ایک صاحب غلام احمد صاحب احمدی رہتے تھے۔ یہ صاحب سونی پت کے باشندہ تھے اور پہلی جنگ عظیم میں شیراز سے ہوتے ہوئے وہیں آباد ہو گئے تھے اور وہیں شادی بھی کی تھی۔ مگر افسوس ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ

مسٹر محمد یوسف بی ایس سی نے ابتدائی خرچ کے طور پر کچھ رقم مولوی صاحب کو پیش کی اور کہا کہ کچھ اور رقم مرکز سے لے کر تجارتی کاروبار شروع کرنا چاہیئے نیز حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود کی خدمت اقدس میں بھی لکھ دیا کہ اگر کچھ روپیہ مرکز سے بھی ہمیں مل جائے تو مولوی صاحب کو تجارت پر لگا دیں مگر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تجارت میں کام زیادہ کرنا پڑتا ہے اور تبلیغ کے لئے وقت نہیں ہوتا ان کو ملازمت کروائیں۔ چنانچہ کچھ جدوجہد کے بعد مولوی صاحب کو ملازمت مل گئی لیکن تبلیغ حق کی پاداش میں فارغ کر دیئے گئے۔ اور یہ صورت کئی بار پیش آئی اور تعصب کی وجہ سے کئی رکاوٹیں پیدا کی گئیں مگر آپ صبر و استقامت کے ساتھ دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ ملازمت کے دوران جب آپ کو معقول مشاہرہ مل جاتا تو آپ مرکز کو اطلاع دے دیتے کہ میں گھر والوں کو یہاں سے خرچ روانہ کر دوں گا۔ مگر جب حالات قابو سے باہر ہو جاتے تو مرکز خود ان کے بال بچوں کی مالی ذمہ داریاں سنبھال لیتا اور یہ صورت آپ کے پورے عرصہ قیام عمان تک قائم رہی۔

مسقط میں ایک لمبے عرصہ تک تربیتی و تبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد آپ ۱۵ تبلیغ/فروری ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء کو دوبئی منتقل ہو گئے اور جماعتی تربیت کے ساتھ ساتھ پیغام حق پہنچاتے رہے اور بالآخر ۹ ظہور/اگست ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء کو واپس مرکز احمدیت ربوہ میں تشریف لے آئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکیم صاحب کے نام پر مشہور تھے اور حکمت کا کام کرتے تھے۔ ایک بار رسالہ البشریٰ کی تقسیم کی رپورٹ شیخ آف شارجاہ کو پہنچی تو انہوں نے دھمکی دی کہ میں یہ سلسلہ تبلیغ بند کر دوں ورنہ مجھ کو وہاں سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ میں نے یہ رپورٹ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھی بھجوا دی تھی"

(چٹھی مرقومہ ۲۳ تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء مشمولہ فائل مسقط مشن تحریک جدید)

تیسرا باب

ربوہ کے پہلے سالانہ جلسہ سے لیکر سیّدنا حضرت مُصلح موعود کی دارالہجرت میں بغرض رہائش تشریف آوری تک

— فصل اوّل —

ربوہ کا پہلا سالانہ جلسہ

ربوہ میں پہلا سالانہ جلسہ ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا۔ یہ مثالی جلسہ دُنیائے احمدیت میں ایک منفرد و مخصوص تاریخی عظمت و شان کا حامل تھا اور قیامت تک پُرسوز اور پُردرد اجتماعی اور عاجزانہ دُعاؤں کی وجہ سے دُعاؤں کے جلسہ کے نام سے یاد رہے گا۔

جلسہ کا رُوحانی پس منظر سیّدنا المصلح الموعودؓ نے جلسہ لاہور (منعقدہ دسمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء) میں اعلان فرمایا تھا کہ ہمارا مرکزی سالانہ جلسہ ربوہ میں ایسٹر کی تعطیلات کے دوران ہوگا۔ اس فیصلہ پر جماعت کے بعض مرکزی کارکنوں کے علاوہ بیرونی جماعتوں کی طرف سے بھی حضور کی خدمت میں بکثرت خطوط پہنچے کہ ان دنوں جلسہ کا ہونا سخت دشوار اور مشکل ہوگا۔ جلسہ کے لئے ہر چیز باہر سے پہنچانا ہوگی اور زمیندار اصحاب جن کی ہمارے یہاں بھاری اکثریت ہے فصلوں کی کٹائی کے باعث بہت کم شریک

جلسہ ہو سکیں گے۔ اس لئے یا تو جلسہ کی تاریخیں بدل دی جائیں یا جلسہ ہی لاہور میں منعقد کیا جائے۔ مگر حضور نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ اُسوۂ انبیاءؑ و خلفاء کے عین مطابق اور ربّ کریم کے فرمان فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ کی تعمیل میں قطعی ارشاد فرمایا کہ یہ جلسہ بہرحال مقررہ تاریخوں پر ربوہ ہی میں ہوگا۔ اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ موعود اولُوالعزم خلیفہ نے اپنے نور فراست و بصیرت کی بناء پر جو فیصلہ کیا وہی صحیح مناسب اور مبارک تھا۔

جلسۂ ربوہ کا پسِ منظر کیا تھا اور اس کے ربوہ میں منعقد کئے جانے کی کیا حکمتیں کار فرما تھیں، حضرت اقدس نے اس پہلو پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:-

"جب کوئی شخص سمندر میں کودتا ہے یا کوئی جہاز غرق ہوتا ہے اور اس کی سواریاں سمندر میں گر جاتی ہیں تو آخر انہیں ساحل کی تلاش کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس ساحل کی جستجو میں خطرات بھی ہوتے ہیں اور اس کی جستجو میں خوف بھی لاحق ہوتے ہیں۔ جب کوئی جہاز ڈوبتا ہے تو چاروں طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے اور انسان نہیں جانتا کہ مَیں دائیں گیا تو مجھے خشکی ملے گی یا بائیں گیا تو مجھے خشکی ملے گی، سامنے کی طرف گیا تو مجھے خشکی ملے گی یا پیچھے کی طرف گیا تو مجھے خشکی ملے گی۔ یہ بھی انسان نہیں جانتا کہ اگر خشکی مجھ سے بہت دُور ہے اور مَیں کسی طرح بھی ساحل تک نہیں پہنچ سکتا تو اگر دائیں طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی یا بائیں طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی، آگے کی طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی یا پیچھے کی طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی۔ ان آٹھوں باتوں میں سے اُسے کوئی بات بھی معلوم نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ ایک جگہ پر کھڑا نہیں رہتا۔ بظاہر اس کا جگہ پر کھڑا رہنا یا ان چاروں جہات میں سے کسی ایک کا خشکی پر پہنچنے یا جہاز اور کشتی حاصل کرنے کے لئے اختیار کرنا برابر معلوم ہوتا ہے مگر باوجود اس کے کہ یہ سب باتیں برابر معلوم ہوتی ہیں۔ انسان پھر بھی جدوجہد کرتا ہے اور ساحل یا کشتی کی تلاش میں دائیں بائیں یا آگے پیچھے ضرور جاتا ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی ساحل یا جہاز کے لئے جو بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہمارے لئے مقدر ہے، جستجو اور تلاش کی ضرورت ہے اور جلد سے جلد کسی ایسے طریق کار کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو اپنے اندر ایک استقلال اور پائداری رکھتا ہو۔ اس وقت تک جو کچھ خدا تعالےٰ کی مشیّت ظاہر

ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ربوہ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا یہ منشأ ہے کہ ہماری جماعت دوبارہ اپنا مرکز بنائے۔ اور جب کوئی نئی جگہ اختیار کی جاتی ہے تو اس کے لئے دعائیں بھی کی جاتی ہیں، اس کے لئے صدقہ و خیرات بھی کیا جاتا ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت بھی طلب کی جاتی ہے، اور یہ بہترین وقت ہمیں جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہی میسر آسکتا ہے کیونکہ اس موقعہ پر وہاں ہزاروں ہزار افراد جمع ہوں گے اور ہزاروں ہزار افراد کے جمع ہونے سے طبیعتوں پر جو اثر ہو سکتا ہے اور ہزاروں ہزار افراد کی متحدہ دُعائیں جو تاثیر اپنے اندر رکھتی ہیں وہ صرف چند افراد کے جمع ہونے سے نہ اثر ہو سکتا ہے اور نہ اُن کی دُعائیں خواہ وہ سچے دل سے ہی کیوں نہ ہوں اتنی تاثیر رکھ سکتی ہیں جتنی ہزاروں ہزار افراد کی دُعائیں اثر رکھتی ہیں ..... انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ ہم ربوہ کا افتتاح جلسہ سالانہ سے کریں اور خدا تعالیٰ سے اس مقام کے بابرکت ہونے کے لئے متحدہ طور پر دُعائیں کریں۔ بے شک ان شامل ہونے والوں میں غافل بھی ہوں گے، سُست بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے، لیکن ان لوگوں میں چُست بھی ہوں گے، مخلص بھی ہوں گے، سلسلہ کے فدا کار اور جانثار بھی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بھی ہوں گے اور چُستوں اور فدا کاروں کی آواز کے ساتھ جب کمزوروں اور ناقص دُعا کرنے والوں کی آواز خدا تعالیٰ کے سامنے "ہم" کہتے ہوئے پہنچے گی تو یقیناً اس "ہم" میں جو برکت ہو گی وہ صرف چند افراد کے جا بسنے سے نہیں ہو سکتی۔ پس بجائے اس کے کہ ربوہ کا کوئی افتتاح نہ کیا جاتا اور بجائے اس کے کہ چند افراد جو وہاں بس رہے ہیں انہی کا بسنا ربوہ کے افتتاح کے لئے کافی سمجھ لیا جاتا مَیں نے چاہا کہ ہمارا اس سال کا سالانہ جلسہ ربوہ میں ہو تا کہ جب ہماری جماعت کے ہزاروں ہزار افراد اس جلسہ میں شامل ہونے کے لئے آئیں تو ہمارا جلسہ بھی ہو جائے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک بہت بڑی تعداد میں اکٹھے ہو کر ہم متحدہ طور پر دُعائیں کریں کہ وہ اس مقام کو احمدیت کے لئے بابرکت کرے اور اسے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا ایک زبردست مرکز بنا دے۔ مَیں جانتا ہوں کہ منتظمین کو تکلیف ہو گی اور مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ شاید ہمیں پورا سامان بھی میسر نہ آسکے۔ یہاں اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو فوری طور پر مہیا ہو

سکتی ہے لیکن وہاں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً لاہور میں سینکڑوں باورچیوں کی دُکانیں ہیں۔ اگر کسی وقت کھانا کم ہو جائے اور دو تین سو افراد کو کھانا مہیا کرنے کی ڈیوٹی پر لگا دیا جائے تو مَیں سمجھتا ہوں دو تین گھنٹہ میں دس پندرہ ہزار آدمی کا کھانا آسانی سے مہیا ہو سکتا ہے۔ لیکن جو مقصد میرے سامنے ہے وہ اس رنگ میں پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ لاہور کی بجائے ربوہ میں اس جلسہ کا انعقاد کیا جائے۔ باقی رہا تکلیف کا سوال، سو یہ بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اُس وادی غیر ذی زرع میں جس میں شور پانی نکلتا ہے، اُس وادی غیر ذی زرع میں جس میں چالیس چالیس پچاس پچاس میل تک کھیتی کا کہیں نشان تک نظر نہیں آتا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک لوگ بڑے بڑے وسیع جنگلوں میں سے گذرتے ہوئے، ایسے جنگلوں میں سے جو صرف درندوں کے مسکن تھے، ایسے جنگلوں میں سے جہاں بعض دفعہ سو سو میل تک پانی کا ایک قطرہ تک میسّر نہیں آتا تھا پیدل یا اُونٹنیوں پر سوار اپنے مشکیزوں میں پانی اُٹھائے حج کے لئے دوڑتے چلے آتے تھے، اور دنوں نہیں، مہینوں نہیں، سالوں نہیں، صدیوں نہیں ہزاروں سال تک وہ برابر ایسا کرتے چلے گئے۔

ہماری جماعت کو ایسا بے ہمت تو نہیں ہونا چاہیئے کہ اگر صرف ایک دفعہ انہیں یہ کام کرنا پڑے تو وہ گھبراہٹ کا اظہار کرنے لگ جائیں۔ اس صورت میں بھی تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکو گے کہ عرب کے قبل از اسلام لوگوں نے جو کام دو ہزار چار سو دفعہ کیا وہ ہم نے بھی ایک دفعہ کر لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ ۲۴سَو سے ۲۴سَو سال تک کا ہے اور ہر سال حج ہوتا ہے۔ اس لئے اگر صرف حج کو ہی لے لیا جائے عمرہ کو جانے دیا جائے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ چوبیس سو دفعہ یہ کام ان لوگوں نے کیا حالانکہ ان لوگوں میں سے اکثر وہ تھے جو زمانہ نبوت کے بہت دُور تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتدائی چند نسلوں اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو مستثنٰے کرتے ہوئے درمیان میں صرف کُفر اور تاریکی اور بے دینی کا زمانہ تھا۔ اس کفر کے زمانہ میں، اس تاریکی کے زمانہ میں، اس بے دینی اور الحاد کے زمانہ میں جو کام انہوں نے ۲۴سو دفعہ کیا بلکہ اگر عمرے بھی

شامل کر لئے جائیں تو جو کام انہوں نے ۲۴ ہزار دفعہ کیا ہمیں اگر ویسا ہی کام صرف ایک دفعہ کرنا پڑے تو ہمارے نفسوں پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ ہم بھی ہو لنگا کو شہیدوں میں مل گئے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے ہر کام میں حکمتیں ہوتی ہیں اور اس کی حکمتیں نہایت وسیع ہیں۔ دُنیا ان چیزوں کو نہیں دیکھتی جن کو خدا دیکھ رہا ہوتا ہے یا جن کو خدا کے دکھانے سے اس کے فرشتے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے بیج دنیا میں بوئے جاتے ہیں مگر ان بیجوں کے اچھا ہونے کے باوجود، زمینوں کے اچھا ہونے کے باوجود، نگرانی اور دیکھ بھال کے اچھا ہونے کے باوجود الٰہی مصلحت اور الٰہی تدبیر ان بیجوں کو نہ اُگنے دیتی ہے نہ بڑھنے دیتی ہے نہ پھل پیدا کرنے دیتی ہے۔ مگر کئی بیج دُنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو سنگلاخ زمینوں اور شور بیابانوں میں بوئے جاتے ہیں۔ ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ان کو پانی دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ مگر خدا تعالیٰ کی مصلحتیں اور اس کی تقدیر ان بیجوں کو بڑھاتے بڑھاتے بہت بڑے درختوں کی صورت میں بدل دیتی ہے۔ اتنے بڑے درخت کہ ہزاروں ہزار لوگ اُن کے پھل کھاتے اور ان کے آرام دہ سایہ میں ہزاروں سال تک پناہ حاصل کرتے ہیں۔ خدا کے کام خدا ہی جانتا ہے۔ انسانی عقلیں اور تدبیریں خدا تعالیٰ کی مصلحتوں اور تدبیروں پر حاوی نہیں ہوسکتیں۔ ہم بھی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک شور زمین میں اپنا مرکز بنائیں۔ عرش پر بیٹھنے والا خدا اور آسمان میں رہنے والے فرشتے ہی جانتے ہیں کہ ہماری اس ناچیز حقیر اور کمزور جدّ وجہد کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ ہمارے لئے مشکلات بھی ہیں۔ ہمارے راستہ میں روکیں بھی ہیں۔ ہمارے سامنے دشمنیاں اور عداوتیں بھی ہیں۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے اور انسانی عقل اور انسانی تدبیر آخر بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں۔ بلکہ ہم سمجھتے اور یقین ہی نہیں رکھتے ہم اپنی رُوحانی آنکھوں سے وہ چیز دیکھ رہے ہیں جو دُنیا کو نظر نہیں آتی۔ ہم اپنی کمزوریوں کو بھی جانتے ہیں، ہم مشکلات کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے راستہ میں حائل ہیں، ہم مخالفت کے اس اُتار چڑھاؤ کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے سامنے آنے والا ہے۔ ہم ان قتلوں اور

غارتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہمیں پیش آنے والے ہیں۔ ہم ان ہجرتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہماری جماعت کو ایک دن پیش آنے والی ہیں۔ ہم ان جسمانی اور مالی اور سیاسی مشکلات کو بھی دیکھتے ہیں جو ہمارے سامنے رُونما ہونے والی ہیں۔ مگر ان سب دُھندلکوں میں سے پار ہوتی ہوئی اور ان سب تاریکیوں کے پیچھے ہماری نگاہ اس اُونچے اور بلند تر جھنڈے کو بھی انتہائی شان وشوکت کے ساتھ لہراتا ہوا دیکھ رہی ہے جس کے نیچے ایک دن ساری دُنیا پناہ لینے پر مجبور ہوگی۔ یہ جھنڈا خدا کا ہوگا۔ یہ جھنڈا محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ یہ جھنڈا احمدیت کا ہوگا۔

اور یہ سب کچھ ایک دن ضرور ہو کر رہے گا۔ بیشک دنیوی مصائب کے وقت کئی اپنے بھی یہ کہہ اُٹھیں گے کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور کیا ہوگیا۔ مگر یہ سب چیزیں ملتی چلی جائیں گی۔ مٹتی چلی جائیں گی۔ آسمان کا نور ظاہر ہوتا چلا جائے گا اور زمین کی تاریکی دُور ہوتی چلی جائے گی اور آخر وہی ہوگا جو خدا نے چاہا۔ وہ نہیں ہوگا جو دُنیا نے چاہا"

انتظاماتِ جلسہ کے لئے حضرت امیرالمومنین کی زرّیں ھدایات

ربوہ اُن دنوں چونکہ لق و دق صحرا کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جہاں رہائشی مکانات کا نام و نشان تک موجود نہ تھا اور جس جگہ وسیع پیمانے پر کسی جلسہ کا انعقاد صرف اسی صورت میں ممکن خیال کیا جا سکتا تھا جبکہ جملہ ضرریات لاہور، لائل پور، سرگودھا یا چنیوٹ وغیرہ سے بہم پہنچائی جائیں اور ان کو زیر استعمال لانے کے لئے منظم طریق پر انتظامات کئے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کے اوائل ہی سے اس طرف خصوصی توجہ فرمائی اور منتظمینِ جلسہ کو عارضی انتظامات کے بارے میں نہایت پُرحکمت اور تاکیدی ہدایات جاری فرماتے رہے جن میں سے بعض بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں:-

(ہدایات فرمودہ ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء[1])

۱- جلسہ سالانہ کے لئے مندرجہ ذیل اشیاء فراہم کی جائیں:-

مٹی کے تیل کے کنستر = ۴۰ عدد، لالٹینیں = ۴۰۰ یا ۵۰۰ عدد

---

[1] الفضل ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳-۵

موم بتیاں جن کی لمبائی ۴ انچ اور موٹائی ۱/۴ ہو = ۳۰۰ بنڈل

۲۔ ڈھائی سو بوری آٹا پسوایا جائے اور بوقتِ ضرورت دو سو بوری آٹا پسوانے کا انتظام رکھا جائے۔

۳۔ پانی جمع کرنے کے لئے ۵۰ ڈیزل آئیل کے خالی ڈرم فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور سے حاصل کئے جائیں اور ۱۰۰ سیکنڈ ہینڈ ڈرم اور حسب ضرورت گھڑے خرید لئے جائیں۔

۴۔ فولڈنگ کینوس ٹینک (FOLDING CANVAS TANK) کی فراہمی کی کوشش کی جائے اور ٹینکر (TANKER) کرایہ پر لینے کی کوشش کی جائے۔ یہ مہیا نہ ہوں تو چنیوٹ میں سقوں کا انتظام کیا جائے۔

۵۔ روزانہ پچاس ہزار کچی اینٹ تیار کرانے کی کوشش کی جائے۔

۶۔ ۲۳؍امان/مارچ کو حضرت مصلح موعود کی خدمت اقدس میں حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب ناظر دعوت و تبلیغ نے عرض کیا کہ کیا ہندوستان کے مبلغ جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے پاکستان آجائیں۔ فرمایا۔ صرف اس صورت میں آنے کی اجازت ہے جبکہ یہاں سے واپس جانے کا پرمٹ بھی ساتھ لے کر آئیں

حضور نے ہدایت دی کہ عورتوں کی جلسہ گاہ مردوں کے پنڈال سے ۲۰۰ فٹ پرے ہٹا کر بنائی جائے اور اس کے گرد قناتیں لگائی جائیں۔ گیلریاں اگر موجود ہیں تو مردوں کے لئے استعمال کی جائیں۔

جلسہ کی کارروائی صبح و شام اور رات کو ہو، دوپہر کو نہ ہو۔

پوسٹر شائع نہ کئے جائیں۔ اگر لوائے احمدیت اس موقعہ پر لگایا جائے تو ساتھ ہی اتنا ہی اونچا پاکستان کا جھنڈا بھی نصب کیا جائے۔[1]

اس کے ساتھ ہی مہمانوں کی قیام گاہوں کے لئے ایسی طرز پر بیرکیں بنانے کا حکم دیا جو جلسہ کے بعد مناسب تبدیلی کے ساتھ شہر کی پختہ تعمیر کے آغاز تک دفاتر اور کارکنوں کے رہائشی مکانوں کے طور پر استعمال کی جاسکیں۔[2]

---

[1] رجسٹر روداد اجلاس ہائے رتن باغ لاہور۔

[2] چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیر کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ ۸؍ماہ شہادت/اپریل تک مہمانوں کی سب بیرکیں پایہ تکمیل تک پہنچ گئیں۔ اسی طرح حضور کی عارضی رہائش گاہ بھی قریباً مکمل ہو چکی تھی۔ البتہ ناظر صاحبان کے اٹھارہ کمروں کا سیٹ ابھی زیر تعمیر تھا۔

۷۔ ۴؍ماہ شہادت/اپریل کو حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ دفتروں نے جلسہ کے موقعہ پر ربوہ جانا ہے اور افسران نے دن رات کام کرنا ہے ان کے لئے تین سو چارپائیوں کا انتظام کر لینا چاہیئے تاکہ ان کو کام کے بعد آرام کا موقع مل سکے۔ نیز پچیس ہزار روپیہ کہیں سے قرض لے لیا جائے اور آہستہ آہستہ کر کے بجٹ میں رکھ کر اس کو اُتار دیا جائے اور اس رقم کے ذریعہ برتن اور دیگر سامان غرباء کے لئے خرید کر ربوہ میں کام کرنے والے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔ ایسا سامان جو ربوہ میں جائے گا اُس کے انتظام کے لئے بابو فضل الدین صاحب سے گفتگو کی جائے۔ اگر وہ کام کر سکیں تو سامان کا چارج ان کو دیا جائے اور جب کوئی وہاں جائے تو وہ سامان ان کو دیں اور پھر واپس لیں۔[1]

حضرت مصلح موعود کا معائنہ انتظامات کی خاطر ربوہ کا خصوصی سفر

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے صرف ہدایات جاری کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بنفس نفیس معائنہ انتظامات اور مزید راہ نمائی کے لئے ۲۴؍ماہ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش ۱۹۴۹ء کو لاہور سے ربوہ تشریف لائے۔ اس خصوصی سفر کی تفصیلات حضور ہی کے مبارک الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہیں۔ حضور نے ۲۵؍امان/مارچ کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"جلسہ سالانہ کے متعلق جو وہاں انتظامات ہو رہے ہیں۔ مَیں کل ان کو دیکھنے کے لئے ربوہ گیا تھا۔ چونکہ اس جگہ پر کوئی رہائشی مکانات نہیں ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ ہمیں وہاں رہائش کے لئے عارضی انتظامات ہی کرنے ہوں گے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے مَیں نے انجنیئروں سے مشورہ کرنے کے بعد ساڑھے تیرہ ہزار روپے کی منظوری عارضی شیڈ بنانے کے لئے دے دی ہے اور اس میں پچاس شیڈ بنائے جا رہے ہیں۔ ہر شیڈ ۹۶ فٹ لمبا اور ۱۶ فٹ چوڑا ہے درمیان میں ستون ہیں۔ اس طرح ہر شیڈ دو حصوں پر منقسم ہو جاتا ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ ہر شیڈ میں ۱۲۵ یا ۱۳۰ آدمی آ سکتے ہیں۔ اس طرح ۵۰ شیڈ میں تقریباً چھ ہزار آدمی کی گنجائش ہے۔ ان میں سے بیس۲۰ شیڈ مستورات کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں جن میں ۲½ ہزار کے قریب مستورات کے رہنے کی گنجائش ہو گی لیکن چونکہ جلسہ سالانہ کے ایام آنے تک موسم گرم ہو جائے گا اور لوگ غالباً پسند کریں گے کہ وہ باہر نکل کر سوئیں اس لئے

[1] رجسٹر روداد اجلاس رتن باغ لاہور۔

خیال ہے کہ یہ عمارت ۳۰ - ۴۰ بلکہ ۵۰ ہزار آدمی کے لئے کافی ہوگی۔ کیونکہ صرف اسباب اندر رکھنا ہوگا۔ سونے کے لئے لوگ باہر لیٹنا زیادہ پسند کریں گے۔ اسباب کی حفاظت کو مدّنظر رکھتے ہوئے اگر الگ الگ جماعتوں کو رکھا جائے۔ تب بھی ہمارا خیال ہے کہ یہ شیڈ ۱۲۔ ۱۵ بلکہ بیس ہزار آدمی کے لئے کافی ہوں گے۔ چونکہ جماعت جب جلسہ پر آتی ہے تو بالعموم اپنے چندے بھی ساتھ لاتی ہے اور بالعموم وہ ان ایام میں اپنے گذشتہ حسابات بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف دفاتر سے لوگوں کو مختلف کام ہوتے ہیں۔ بعض کو اپنے جھگڑوں اور تنازعات کے سلسلہ میں امورعامہ کے دفتر سے کام ہوتا ہے یا رشتہ ناطہ کے لئے وہ شعبۂ رشتہ ناطہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں یا بیت المال والوں سے وہ اپنے بجٹ کے سلسلہ میں ملنا چاہتے ہیں یا دفتر محاسب میں وہ اپنی امانتیں رکھوانا یا اپنی امانتیں نکلوانا چاہتے ہیں اس لئے ان دفاتر کے لئے بھی وہاں مکانات بنانے ضروری تھے چونکہ مَیں نے انجنیئروں سے مشورہ کرنے کے بعد اس غرض کے لئے عارضی طور پر بارہ کمرے بنانے کا حکم دے دیا ہے۔ اور وہیں خزانہ بنانے کی ہدایت بھی دے دی ہے۔ اسی طرح جو مستقل افسر ہیں اور جن کو جلسہ سالانہ کے ایام میں رات دن کام کرنا پڑے گا ان کے لئے بھی علیحدہ انتظام کی ضرورت تھی چنانچہ اس کے لئے بھی مَیں نے چھ مکانات الگ بنوانے کا فیصلہ کیا ہے اور متعلقہ کارکنان کو اس کے متعلق ہدایت دے دی ہے۔ یہ تمام مکانات صرف عارضی طور پر بنائے جائیں گے ان پر تقریباً ۱۸۔ ۲۰ ہزار روپیہ صرف ہوگا لیکن اس میں سے خرچ کا کچھ حصہ سلسلہ کو واپس مل جائے گا۔ مثلاً جب یہ مکانات توڑے جائیں گے تو اُن کی کچی اینٹیں کچھ تو ضائع ہو جائینگی لیکن انجنیئروں کا خیال ہے کہ دو تہائی اینٹیں آئندہ کی ضروریات کے لئے بچ جائیں گی اسی طرح ان مکانات میں جو لکڑی استعمال کی جائے گی وہ بھی بچ جائے گی۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ نصف کے قریب خرچ واپس مل جائے گا اور صرف دس ہزار روپیہ ایسا ہوگا۔ جو جلسہ کی خاطر خرچ ہوگا۔ مَیں نے یوں بھی اندازہ لگایا ہے کہ انجمن کے جو دفاتر ہیں وہ قادیان کی نسبت اب بہت بڑھ گئے ہیں۔ قادیان میں ہمارا سو کے قریب کلرک تھا لیکن اِس وقت غالباً زیادہ ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی دفتر لاہور میں ہے کوئی چنیوٹ

میں ہے اور کوئی احمد نگر میں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے دفاتر اب دو ملکوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ گویا ہمارے دفتر کا کام پہلے کی نسبت بہت بڑھ گیا ہے۔ بلکہ اب تو ایک مستقل دفتر حفاظت مرکز کے لئے ہی قائم ہو چکا ہے اور اس کا کام یہی ہے کہ قادیان کے متعلق جو مشکلات پیدا ہوں اُن کا ازالہ کرے۔ گورنمنٹ سے خط و کتابت کرے۔ جماعتوں کو قادیان کے حالات سے باخبر رکھے اور ہر قسم کا ضروری ریکارڈ جمع کرتا رہے۔ پھر چونکہ قادیان کی صدر انجمن بھی قائم ہے اس کے دفاتر الگ ہیں۔ مگر ان دفاتر کا صرف خرچ کے ساتھ تعلق ہے۔ ربوہ میں مکانات کی تعمیر یا صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح تحریک جدید کے بہت سے کارکنان ہیں۔ ان سب کارکنوں کو اگر ملایا جائے تو ہزار بارہ سو تک ان کی تعداد پہنچ جاتی ہے اور ان کی رہائش کے لئے کم سے کم اڑھائی تین سو مکانات کی ضرورت ہے۔ اب تو ہمارے تین مکان لاہور میں ہیں۔ کالج بھی یہیں ہے۔ کچھ مکانات چنیوٹ میں ہیں۔ ۴۰-۵۰ مکانات احمد نگر میں ہیں اور کچھ حصہ کارکنوں کا خیموں میں رہتا ہے۔ جب دفاتر اکٹھے ہوں گے تو ہمیں ضرورت ہو گی کہ ان کے لئے اڑھائی سو خیمہ لگوایا جائے۔ اور اگر اڑھائی سو خیمہ لگوا دیا جائے تب بھی اوّل تو خیموں میں وہ آرام میسر نہیں آسکتا جو مکانات میں ہوتا ہے۔ دوسرے اگر اڑھائی سو خیمہ خریدا جائے تو سوا لاکھ روپیہ میں آتا ہے۔ ان خیموں کو اگر دوبارہ مکانات بننے پر بیچ بھی دیا جائے تب بھی ساٹھ ستر ہزار کا نقصان ہمیں برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اگر اڑھائی سو خیمہ کرایہ پر لیا جائے تو اٹھارہ روپیہ ماہوار پر ایک خیمہ ملتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ۴۵۰۰ روپیہ ماہوار صرف کرایہ پر صرف ہوگا۔ اگر یہ خیمے ایک سال تک رکھے جائیں جب تک ہماری عمارتیں مکمل نہ ہو جائیں تو ۵۴ ہزار روپیہ سالانہ صرف کرایہ پر خرچ آجائے گا۔ اور پھر ان خیموں کے پہنچانے اور واپس لانے میں جو خرچ ہوگا وہ بھی چار چار یا پانچ پانچ روپے فی خیمہ سے کم نہیں ہو سکتا۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں نے یہ سمجھا کہ اگر ہم ان عارضی عمارتوں کو جو جلسہ سالانہ کے لئے بنائی جا رہی ہیں بعد میں توڑیں نہیں بلکہ اسی طرح رہنے دیں تو ہمارا بیس ہزار روپیہ جو ان عمارتوں پر خرچ ہوگا۔ اس میں سے دس ہزار روپیہ تو یقیناً جلسہ سالانہ کے لئے خرچ ہونا تھا، باقی دس ہزار روپیہ جو لکڑی اور اینٹوں کی صورت میں ہمیں واپس مل سکتا تھا وہ ان عمارتوں کو سال بھر قائم رکھ

کہ ہمارے دفاتر اور کارکنوں کو اکٹھا رکھنے میں کام آسکتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ فی بیرک چھ چھ مکان بن سکتے ہیں۔ اور چونکہ پچاس بیرکیں ہیں اس لئے بعد میں بڑی آسانی سے تین سو مکان بن سکتا ہے۔ اگر ہم ان مکانات کو سال بھر رہنے دیں تو دس ہزار روپیہ کا نقصان اُٹھانے کی بجائے ہمیں کم سے کم چالیس ہزار روپیہ کی بچت ہو گی۔ اگر ہم خیمے لگائیں تو ہمیں پچاس ہزار روپیہ سالانہ کرایہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور اگر ہم خیمے خرید کر سال بھر کے بعد بیچیں تو ہمیں ساٹھ ستر ہزار روپے کا گھاٹا برداشت کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر یہ شیڈ اور مکانات اسی طرح پر کھڑے رہیں اور چھ چھ مکان فی بیرک بنا دیئے جائیں تو تین سو مکان بن جائے گا۔ ان پچاس شیڈوں کے علاوہ جو عارضی مکانات وہاں جلسہ سالانہ کے لئے بنائے جا رہے ہیں جن میں دفاتر بھی ہوں گے۔ ناظروں کے لئے مکانات بھی ہوں گے پرائیویٹ سکرٹری کا بھی دفتر ہو گا اور میرا مکان بھی ہو گا۔ اس پر ہمارے اخراجات کا اندازہ چار ہزار روپیہ ہے۔ کیونکہ بہرحال کسی چھوٹی سی جگہ میں یہ سارے دفاتر نہیں آسکتے۔ دس بارہ افسروں کے لئے جگہ کی ضرورت ہو گی۔ دفتر پرائیویٹ سکرٹری کے لئے جگہ کی ضرورت ہو گی اور پھر میری رہائش کے لئے جگہ کی ضرورت ہو گی۔ اس کے لئے ہم نے جو نقشہ تجویز کیا ہے اس کے مطابق چار ہزار خرچ کا اندازہ ہے۔ اور اگر اس خرچ کو پورے سال پر پھیلا دیا جائے تو ۱/۲ ۳ سو روپے ماہوار کا خرچ ہے جو سلسلہ کو برداشت کرنا پڑے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر جلسہ سالانہ کے فوراً بعد ہم دفاتر وہاں منتقل کرنا شروع کر دیں اور موجودہ عارضی عمارات کو قائم رکھیں تو بجائے نقصان کے ہمیں تیس چالیس ہزار روپیہ کا فائدہ رہے گا اور پھر مزید فائدہ یہ ہو گا کہ سب کارکن اکٹھے رہیں گے اور کام میں پہلے کی نسبت زیادہ ترقی ہو گی۔" [1]

ربوہ اسٹیشن کی منظوری اور گاڑیوں کی باقاعدہ آمد و رفت

حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر میاں غلام محمد صاحب اختر عرصہ سے ربوہ اسٹیشن کی منظوری کے لئے مسلسل دوڑ دھوپ کر رہے تھے جو خدا کے فضل و کرم سے جلسہ کے قریب آ کر کامیاب ہو گئی

[1] الفضل ۱۳؍شہادت / اپریل ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۳-۴۔

اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ۲۵؍ مارچ کو ربوہ ہالٹنگ سٹیشن کی منظوری دے دی۔[۱]

ازاں بعد مورخہ ۳۱؍ امان؍ مارچ کی شام تک ربوہ کا نیا سٹیشن مکمل ہوگیا اور پلیٹ فارم اور بکنگ آفس بن گیا نیز سٹیشن کا تمام عملہ بھی ربوہ میں پہنچ گیا۔ پہلے اسٹیشن ماسٹر چوہدری محمد صدیق صاحب آف نارووال مقرر ہوئے۔ یکم ماہ شہادت؍ اپریل کو گاڑیوں کی باقاعدہ آمد و رفت شروع ہوگئی۔ پہلی گاڑی جو سرگودھا کی طرف سے آئی صبح سات بجکر بیس منٹ پر کھڑی ہوئی۔ اس موقعہ پر ربوہ کے تمام احمدیوں کے علاوہ احمد نگر کے بھی اکثر احباب نیز جامعہ احمدیہ کے طلباء قطار در قطار کھڑے تھے۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب ناظر ضیافت نے گاڑی آنے سے پہلے نہایت رقت انگیز دُعا کرائی جنگل میں پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان اجتماعی دُعا کا یہ نظارہ بڑا ہی پُرکیف اور عجیب تھا جس سے الہام "جنگل میں منگل" کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ دُعا کے بعد دُور لالیاں کی طرف سے گاڑی آتی دکھائی دی تو تمام دوستوں نے فرطِ مسرت سے بے اختیار پُرجوش نعرے بلند کئے۔ ربوہ اسٹیشن سے پہلا ٹکٹ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب معتبر آڈیٹر تحریک جدید نے خریدا۔ اور سب سے پہلی ٹرین پر تئیس روپے سات آنے کے ٹکٹ فروخت ہوئے۔ ٹکٹ لینے والے دوست گاڑی میں سوار ہوئے اور گاڑی نعرہائے تکبیر میں چل دی۔

دوسری گاڑی اس کے معاً بعد چنیوٹ سے ربوہ آئی جس سے تعلیم الاسلام ہائی سکول اور جماعت چنیوٹ کے بیسیوں احباب کے علاوہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی تشریف لائے۔ حضرت مفتی صاحب نے جملہ حاضرین سے مصافحہ کیا۔ جس کے بعد یہ گاڑی بھی روانہ ہوگئی۔ اس طرح خدا کے فضل و کرم سے ربوہ اسٹیشن کا بابرکت افتتاح عمل میں آیا۔[۲] اور اس وادیٔ غیر ذی زرع کا رابطہ ریلوے نظام کے اعتبار سے پورے ملک سے قائم ہوگیا جس سے زائرین ربوہ کو بے انداز سہولت ہوگئی۔ چنانچہ پہلے تاریخی جلسہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اکثر و بیشتر مہمان بذریعہ گاڑی ہی ربوہ کی مقدس سرزمین میں تشریف لائے۔

---

۱ بذریعہ چٹھی 89/C.G/32 مورخہ ۲۵؍ مارچ ۱۹۴۹ء

۲ الفضل ۱۵؍ شہادت؍ اپریل ۱۳۲۸ ہش؍ ۱۹۴۹ء صفحہ ۶

صدر مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے تربیت یافتہ رضاکاروں کیلئے اپیل

چونکہ جلسہ کے انتظامات کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے سینکڑوں رضاکاروں کی اشد ضرورت تھی۔ اس لئے صدر مجلس خدام الاحمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے بذریعہ الفضل اپیل کی کہ خصوصاً فرقان فورس کے تربیت یافتہ نوجوان جو نظام سلسلہ کے تحت کام کر چکے ہیں زیادہ سے زیادہ جلسہ میں شامل ہوں اپنا خیمہ نصب کرنے کا سامان ہمراہ لائیں۔ اور ۱۳ ماہ شہادت/اپریل کو ربوہ پہنچ کر دفتر خدام الاحمدیہ میں اطلاع دیں تا اُن کی ڈیوٹی لگائی جا سکے۔[۵]

اس اپیل پر بہت سے نوجوان ربوہ پہنچ گئے۔

جلسہ ربوہ کا افتتاح اور حضرت سیدنا المصلح الموعود کا ایمان افروز خطاب

۱۵ ماہ شہادت/اپریل کو بوقت نو بجے صبح ربوہ کی سرزمین میں جماعت احمدیہ کا پہلا مبارک اور تاریخی سالانہ جلسہ حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز تقریر اور ہزارہا مومنین کی درد و کرب اور سوز و گداز سے بھری ہوئی عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کے رُوح پرور ماحول میں شروع ہوا۔

اس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے جو افتتاحی خطاب فرمایا۔ اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ حضرت امیرالمومنین نے تشہد و تعوذ کے بعد سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرمائی جس میں الحمد للہ ربّ العالمین کا خصوصیت کے ساتھ تین بار تکرار فرمایا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

"یہ جلسہ تقریروں کا جلسہ نہیں۔ یہ جلسہ اپنے اندر ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی تاریخی حیثیت جو مہینوں یا سالوں یا صدیوں تک نہیں جائے گی بلکہ بنی نوع انسان کی اس دُنیا پر جو زندگی ہے اس کے خاتمہ تک جائے گی۔ اس میں شامل ہونے والے لوگ ایک جلسہ میں شامل نہیں ہو رہے بلکہ رُوحانی لحاظ سے وہ ایک نئی دُنیا، ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کے بنانے میں شامل ہو رہے ہیں۔ پس اس جلسہ کو تقریروں کا جلسہ مت سمجھو۔ تقریریں ہوں یا نہ ہوں۔ مختلف مضامین پر لیکچر سُننے کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ اس کا کوئی سوال نہیں جو اصل مقصد ہے وہ ہمارے سامنے رہنا چاہئیے۔ اور جو اصل مقصد ہے اس کو ہمیں ہر چیز پر اہمیت دینی چاہئیے۔ مَیں اب قرآن کریم کی کچھ آیتیں پڑھوں گا اور آہستہ آہستہ کئی

---

[۵] الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶

ربوہ کے پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے بعض ایمان افروز اور روح پرور مناظر

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ جلسہ گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔

دفعہ دہراؤں گا۔ پڑھے ہوئے، اور اَن پڑھ جس قدر دوست یہاں موجود ہیں وہ بھی میرا ساتھ دے سکتے ہیں اور انہیں ساتھ دینا چاہیئے۔ یعنی جب مَیں وہ آیتیں پڑھوں تو جماعت کے دوست کیا مرد اور کیا عورتیں ساتھ ساتھ ان آیتوں کو دہراتے چلے جائیں۔

(اس موقعہ پر حضور نے ہدایت فرمائی کہ کوئی کارکن جاکر عورتوں کی جلسہ گاہ سے پوچھ لے کہ ان کو آواز آرہی ہے۔ یا نہیں تاکہ وہ محروم نہ رہ جائیں)

عورتوں میں سے جو عورتیں ایسی ہیں کہ ان پر ان ایام میں ایسی حالت ہے کہ وہ بلند آواز سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں، اُن کو چاہیئے کہ وہ دل میں ان آیتوں کو دہراتی چلی جائیں۔ اور جن عورتوں کے لئے ان ایام میں قرآن کریم پڑھنا جائز ہے وہ زبان سے بھی ان آیتوں کو دہرائیں بہرحال جن عورتوں کے لئے ان ایام میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں وہ زبان سے پڑھنے کی بجائے صرف دل میں ان آیتوں کو دہراتی رہیں۔ کیونکہ شریعت نے اپنے حکم کے مطابق جہاں مخصوص ایام میں تلاوت قرآن کریم سے عورتوں کو روکا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ دل میں بھی ایسے خیالات نہ لائیں یا دل میں بھی نہ دہرائیں، بلکہ صرف اتنا حکم ہے کہ زبان سے نہ دہرائیں۔ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک صرف قرآن کریم کو ہاتھ لگانا منع ہے مگر احتیاط یہی ہے کہ کثرت سے جس بات پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اسی پر عمل کیا جائے۔ پس بجائے زبان سے دہرانے کے وہ دل میں ان آیتوں کو دہراتی چلی جائیں۔

مَیں نے بتایا ہے کہ مَیں کئی دفعہ آیات کو پڑھوں گا۔ ممکن ہے مَیں پہلی دفعہ جلدی پڑھوں تاکہ ان کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ اگر لفظوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو اور انسان مضمون سے پہلے واقف نہ ہو تو آہستگی سے پڑھنے کے نتیجہ میں مضمون بجائے اچھا سمجھ آنے کے کم سمجھ آتا ہے۔ مگر جو شخص اس کے ترجمہ سے واقف ہوتا اور مضمون سے آگاہ ہوتا ہے اس کا دلی جوش اور جذبہ بعض دفعہ اسے جلدی پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لئے پہلی دفعہ کی تلاوت مَیں اپنے لئے مخصوص کروں گا۔ یعنی میں اس طرح پڑھوں گا جس طرح میرا اپنا دل چاہتا ہے۔ اس کے بعد جب میں تلاوت کروں گا تو اس امر کو مدنظر رکھوں گا کہ پڑھا ہوا اور اَن پڑھ، عالم اور جاہل، بڑی عمر کا اور چھوٹی عمر کا ہر شخص لفظاً لفظاً اگر وہ چاہے

اور اگر اس کے دل میں ارادہ اور ہمت ہو تو میرے پیچھے پیچھے چل سکے اور ہر لفظ کو دہرا سکے۔"

ان تمہیدی الفاظ کے بعد حضور نے نہایت رقّت آمیز رنگ میں قرآن کریم کی وہ دُعائیں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو وادیٔ مکّہ میں چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کی تھیں۔ جماعت کے تمام دوست کیا مرد اور کیا عورتیں سب کے سب حضور کے ساتھ ساتھ ان دُعاؤں کو دُہراتے چلے گئے۔

یہ دُعائیں جس طرح بار بار حضور نے پڑھیں اسی طرح ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ حضور نے ابراہیمی دُعاؤں کو منتخب کرتے ہوئے اس موقع پر نہایت درد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:۔

رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ

رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ

اس کے بعد دوبارہ حضور نے انہی دُعاؤں کو اس رنگ میں دہرایا۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ۔ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ

وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ٭

اس کے بعد حضور نے فرمایا :-

آج سے قریباً ۴۵ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو حکم ہوا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر ڈالے۔ یہ رؤیا اپنے اندر دو حکمتیں رکھتی تھی۔ ایک حکمت تو یہ تھی کہ اس وقت سے پہلے انسانی قربانی کو جائز سمجھا جاتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ لوگ اپنی اولاد کو خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے یا اپنے بتوں کو خوش کرنے کیلئے قربان کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے فیصلہ کیا کہ اب بنی نوع انسان کو اس مہیب اور بھیانک فعل سے باز رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ انسانی دماغ اب اتنی ترقی کر چکا ہے کہ وہ حقیقت اور مجاز میں فرق کرنے کا اہل ہو گیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو جس کا نام ابراہیمؑ تھا یہ رؤیا دکھائی۔ اس رؤیا میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک حکمت یہ تھی کہ آئندہ انسانی قربانی کو روک دیا جائے۔ اور دوسری حکمت یہ تھی کہ خدا تعالیٰ انسان سے حقیقی قربانی کا مطالبہ کرنا چاہتا تھا جو مطالبہ اس سے پہلے انسان سے نہیں ہوا تھا۔ بہرحال جب سے انسان اس قابل ہوا کہ اس پر الہام نازل ہو کسی نہ کسی صورت میں لوگ خدا تعالیٰ کی عبادت کیا ہی کرتے تھے۔ لیکن ابھی ایسا زمانہ انسان پر نہیں آیا تھا کہ کچھ لوگ اپنی زندگیوں کو کُلّی طور پر

خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں۔ نماز تو لوگ پڑھتے تھے، روزہ بھی رکھتے تھے۔ ذکرِ الٰہی بھی لوگ کرتے تھے کیونکہ ان چیزوں کے بغیر رُوحانیت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر آدمؑ ایک رُوحانی انسان تھا تو نوحؑ اور آدمؑ اور اُن کے متبع یقیناً نماز بھی پڑھتے تھے۔ ذکرِ الٰہی بھی کرتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے کیونکہ رُوح بغیر ان چیزوں کے جلا نہیں پاتی۔ اور رُوح کے جلا پائے بغیر خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کا وصال حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر اس قربانی اور اُن قربانیوں میں کیا فرق تھا؟ فرق یہ تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے طور پر نمازیں ادا کرتا تھا۔ اور کوئی ایسا شخص بھی ہوتا تھا جس کو خدا تعالیٰ چُن لیتا تھا اور اسے مقرر کرتا تھا کہ تم اپنی زندگی میں میری طرف سے مامور کی حیثیت رکھتے ہو۔ تم بنی نوع انسان کو مخاطب کرو اور انہیں میری طرف لانے کی کوشش کرو۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے مگر ان کے علاوہ کوئی ایسے گروہ نہیں ہوتے تھے جو اپنی زندگیوں کو کسی مخصوص مقام سے وابستہ کر دیں اور دن اور رات ذکرِ الٰہی کے شغل کو جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ جہاں وہ اس غیر حقیقی قربانی کو منسوخ کر دے جو چھُری کے ذریعہ سے بیٹوں کو قتل کر کے ادا کی جاتی تھی وہاں وہ اس حقیقی قربانی کی بنیاد ڈال دے کہ دُنیا کو چھوڑ کر انسان اپنی زندگی محض خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا کرے۔ چھُری انسانی زندگی کو ایک منٹ میں ختم کر دیتی ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ جنہوں نے اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے دی اور چھُریوں اور نیزوں سے اپنے آپ کو قربان کروا دیا اگر وہ ایک سال اَور زندہ رہتے تو مرتد ہو جاتے ایک سال اَور زندہ رہتے تو اُن کے ایمان کمزور ہو جاتے۔ ایک سال اور زندہ رہتے تو اُن کے اندر عبادت کے لئے وہ جوش و خروش باقی نہ رہتا جو اس وقت انہوں نے دکھایا تھا۔

پس چھُری کے ساتھ انہوں نے اپنے مشتبہ انجام کو چھپایا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنی مرضی سے اپنی زندگی کو قربان کرتا ہے یا جو شخص اپنی مرضی سے اپنی اولاد کو قربان کرتا ہے وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ ڈرتا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد لمبے امتحانوں میں سے گذرتے ہوئے ناکام نہ رہ جائے۔ اور وہ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے ہی اپنی زندگی یا اپنی اولاد کی زندگی کو ختم کر دیتا ہے مگر جو شخص ساری عمر قربان ہوتا رہتا ہے، موت کے ذریعہ نہیں بلکہ ترکِ منہیات سے،

ذکرِ الٰہی کی پابندی اختیار کرنے سے، تبلیغ اسلام کو اختیار کرنے سے، بنی نوع انسان کی تربیت کی ذمہ داری لینے سے، وہ دلیرانہ اس سمندر میں کودتا ہے۔ وہ اپنا خاتمہ موت سے نہیں کرتا بلکہ وہ اپنا ایمان اپنی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے۔ مرنے والے کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ایماندار رہتا۔ مگر جس نے زندہ رہ کر اپنے ایمان کو ثابت کر دیا اور جس نے مدت تک اپنے ایمان کو سلامت لے جا کر عملی طور پر اس کے سچا ہونے کا ثبوت دے دیا، اس کے متعلق دشمن سے دشمن کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس نے اپنے عہد کو سچا ثابت کر دیا۔ میں نے کہا کہ جو شخص اپنی مرضی سے اپنی زندگی کو ختم کرتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو مستثنےٰ کر دیا ہے جو اپنی مرضی سے اپنی زندگی ختم نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کی مشیّت سے ان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو شہداء کہتے ہیں۔

پس جو دلیل میں نے تلوار یا نیزہ سے اپنے آپ کو ختم کرنے والوں کے خلاف دی ہے وہ شہداء کے خلاف نہیں پڑتی اس لئے کہ شہداء نے خود اپنے آپ کو مار کر زندگی کی جد و جہد سے آزاد ہونے کی کوشش نہیں کی بلکہ خدا تعالیٰ کی مشیّت نے ان کے زندہ رہنے کی خواہش کے باوجود یہ چاہا کہ ان کی مادی زندگی کے دور کو ختم کر دے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

پس جو دلیل میں نے اپنی زندگی ختم کرنے والوں کے خلاف دی ہے وہ شہداء کے خلاف نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ وہ خود نہیں مرتے بلکہ ان کو دشمن مارتا ہے۔ ورنہ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ دشمن کو مار کر اپنے ایمانوں کو اور بھی قوی کریں۔ اس امر کا ثبوت کہ وہ اپنی زندگی ختم کر کے میدانِ جد و جہد سے بھاگنا نہیں چاہتے ایک حدیث سے بھی ملتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت مقرب صحابیؓ تھے جب شہید ہو گئے تو ان کے بیٹے حضرت جابرؓ کو ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت افسردہ حالت میں سر جھکائے دیکھا۔ آپؐ نے جابرؓ سے فرمایا۔ جابر! تمہیں اپنے باپ کی موت کا بہت صدمہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ باپ بھی

بہت نیک تھا جس کی وفات کا طبعی طور پر مجھے سخت صدمہ ہے مگر میری افسردگی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اور اب اس کا تمام بار میرے کمزور کندھوں پر آپڑا ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جابر! اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہارے باپ کا کیا حال ہوا تو تم کبھی افسردہ نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ جابر! جب عبداللہؓ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے کہا۔ عبداللہؓ کی روح کو میرے سامنے لاؤ۔ جب عبداللہؓ کی رُوح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ سے فرمایا کہ عبداللہ ہم تمہارے کارنامے پر اور اسلام کے لئے تم نے جو قربانی پیش کی ہے اس پر اتنے خوش ہوئے ہیں کہ تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگو۔ ہم تمہاری ہر خواہش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی جنت کے فلاں مقام پر مجھے رکھا جائے۔ اس پر عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی مجھے ایسی ایسی حُوریں دے عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی مجھے جنّت غلمان خدمت کے لئے دے۔ عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی مجھے ایسے ایسے باغات مل جائیں بلکہ عبداللہؓ نے اگر کہا تو یہ کہا کہ اے میرے رب اگر تو مجھے کچھ دینا چاہتا ہے۔ تو میری خواہش یہ ہے کہ تُو مجھے پھر زندہ کر دے تاکہ مَیں پھر تیرے دین کی خدمت کرتا ہوا مارا جاؤں۔

اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ شہید ہونے والا اپنی مرضی سے مرنا نہیں چاہتا۔ وہ خطرے کے مواقع پر اپنی جان ضرور پیش کرتا ہے مگر اس کا دل چاہتا ہے کہ مَیں زندہ رہ کر ان تمام مشکلات کا مقابلہ کروں جو اسلام یا دینِ حقّہ کو مخالفوں کی طرف سے پیش آنے والی ہیں۔ پس مَیں نے جو اعتراض خودکشی کرنے والوں یا جھوٹے جان دینے والوں پر کیا ہے وہ شہداء پر نہیں پڑتا۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دینِ حقّہ کے لئے ایسے قربانی کرنے والے پیدا کرے جو اپنی جان کو مار کر اس دُنیا کی جدوجہد سے بھاگنا نہیں چاہتے بلکہ دُنیا میں زندہ رہ کر دُنیا کی کشمکشوں میں سے گذر کر دُنیا کی مصیبتوں کو جھیل کر دُنیا کی تکالیف کو برداشت کرکے اپنی مردانگی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کا بندہ دُنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے

ڈرا نہیں کرتا۔ یہی وہ حقیقی قربانی ہے جو شاندار ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ کا نام لے کر سینہ میں خنجر مار لینا کوئی قربانی نہیں۔ وہ بُزدلی ہے، وہ کمزوری ہے، وہ دُون ہمتی ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ایک قربانی کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ ورنہ وہ خوب جانتا ہے کہ مَیں بُزدل ہوں۔ مَیں اس لئے مَر رہا ہوں کہ دُنیا میں رہ کر مَیں مصیبتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ سمجھتا ہے کہ چند مصیبتیں آنے کے بعد ہی میرا ایمان کمزور ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اپنی زندگی کو ختم کر دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذریعہ اس قربانی کی بنیاد ڈالے جو زندہ رہ کر اور دُنیا کی کشمکشوں کا مقابلہ کر کے اور دُنیا کی مصیبتوں کو برداشت کر کے انسان پیش کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا سب سے بڑا کارنامہ درحقیقت یہی تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ رؤیاء دکھائی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اکلوتے بیٹے کو جو یقیناً اسماعیلؑ تھے ذبح کر رہے ہیں تو چونکہ اس وقت لوگ اپنے بیٹوں کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ نے سمجھا کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ مَیں بھی اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو جن کی عمر اُس وقت تاریخ سے سات سال کی معلوم ہوتی ہے بتایا کہ مَیں نے ایسی ایسی رؤیا دیکھی ہے۔ اسمٰعیلؑ جو اپنے باپ کی نیک تربیت کے ماتحت دین کو سمجھتا تھا اور جس میں یہ حِس تھی کہ خدا تعالےٰ کے لئے قربانی کرنی چاہیئے اس نے فوراً حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس بات کو قبول کیا کہ خدا تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے آپ اس پر عمل کریں۔ مَیں اسے حضرت اسمٰعیل کی ذاتی نیکی نہیں سمجھتا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو یقیناً وہ نیک ثابت ہوئے اور انہوں نے اپنے عمل اور طریق سے خدا تعالےٰ کو اتنا خوش کیا کہ اس نے انہیں نبوّت کے مقام پر فائز کر دیا۔ مگر اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَ لَوْ کَانَ نَبِیًّا۔ بچہ بچہ ہی ہے خواہ وہ بعد میں نبی ہی کیوں نہ بن جائے سات سال کی عمر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا یہ نمونہ دکھانا یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی بیوی اور دوسرے رشتہ داروں کی نیکی کا مظاہرہ تھا حضرت اسمٰعیل کی ذاتی خوبی نہیں تھا۔ مجھے اپنے گھر کا ایک واقعہ یاد ہے۔ میرا ایک بچہ جس کی عمر پانچ چھ سال تھی ایک دفعہ

نچلی منزل کی سیڑھی پر کھڑا تھا اور مَیں اُوپر تھا۔ اس کے ایک دو بھائی جو بڑی عمر کے تھے وہ اس کے پاس کھڑے اُسے ڈرا رہے تھے اور میرے کان میں ان کی آوازیں آرہی تھیں۔ مجھے ان کی باتیں کچھ دلچسپ معلوم ہوئیں اور مَیں غور سے سُننے لگا۔ مَیں نے سُنا۔ ان میں سے ایک نے اُسے کہا۔ اگر تم کو رات کے وقت جنگل میں اکیلے چھوڑ آئیں تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو گے۔ مَیں نے دیکھا کہ اس بات کے سُنتے ہی بچے پر دہشت غالب آگئی۔ وہ ڈر گیا اور اس نے کہا۔ نہیں۔ اس کے بعد دوسرے نے کہا۔ اگر مَیں تم کو کہوں کہ تم رات کو اکیلے جنگل میں چلے جاؤ اور وہیں رہو تو کیا تم میری بات مانو گے؟ اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر انہوں نے کسی اَور کا نام لے کر کہا کہ اگر وہ کہے تو پھر بھی مانو گے یا نہیں۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کسی اَور کا نام لیا کہ اگر وہ ایسا کہے تو کیا پھر بھی تم مانو گے یا نہیں۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر انہوں نے میرا نام لیا اور کہا کہ اگر ابا جان کہیں تو کیا تم جنگل میں چلے جاؤ گے۔ اس نے پھر کہا۔ نہیں۔ آخر انہوں نے کہا۔ اگر خدا کہے کہ تم جنگل میں چلے جاؤ تو کیا تم جاؤ گے؟ مَیں نے دیکھا کہ اس بات کے سُنتے ہی اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ مگر اس نے کہا۔ ہاں پھر مَیں مان لُوں گا۔ اب دیکھو پانچ چھ سال کا بچہ نہیں جانتا کہ خدا کیا چیز ہے۔ وہ صرف موٹی موٹی باتیں جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی اہمیت کو نہیں سمجھتا۔ مگر چونکہ صبح و شام وہ سُنتا رہتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی ذات بہت بڑی ہے اور اس کے احکام کو نہ ماننا کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اور سب کا نام لینے پر اس نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ باپ کا نام لینے پر بھی اس نے یہی کہا کہ مَیں نہیں جاؤں گا۔ مگر جب خدا تعالےٰ کا نام لیا گیا تو اس نے سمجھا کہ اب انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس نے کہا کہ اگر خدا کہے تو پھر مَیں چلا جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جب اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے رؤیا میں یہ دکھایا ہے کہ مَیں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس نیک تربیت کی وجہ سے جو انہیں حاصل تھی یہ جواب دیا کہ جب خدا نے ایسا کہا ہے تو پھر بے شک۔ اس پر عمل کریں مَیں اس کے لئے بالکل تیار ہوں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو جنگل میں لے گئے۔ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی۔

انہیں زمین پر لٹا دیا اور پھر چھُری نکال کر چاہا کہ اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے تو یہ بتانا چاہتا تھا کہ انسانی قربانی ناجائز ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے چھُری نکالی اور ذبح کرنا چاہا تو فرشتہ نازل ہوا اور اس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے کہا کہ یَااِبْرَاهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ اے ابراہیمؑ! تم نے عملاً اپنے بچے کو ذبح کرنے کے ارادہ سے لٹا کر اور چھُری نکال کر اپنے خواب کو پُورا کر دیا ہے۔ مگر ہمارا منشاء یہ نہیں تھا کہ تم واقع میں اسے ذبح کر دو بلکہ ہم یہ بتانا چاہتے تھے کہ خواب میں اگر کوئی شخص اپنے بچے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر کچھ اَور ہوا کرتی ہے۔ ہم انسانی قربانی کو روکنا چاہتے تھے اور اسی لئے ہم نے یہ رؤیا دکھائی تھی۔ اس ذریعہ سے تمہارا ایمان بھی ظاہر ہو گیا اور ہماری غرض بھی پوری ہو گی۔ اے ابراہیم! آج سے انسانی قربانی کو بند کیا جاتا ہے۔ اب آئندہ کسی انسان کو اس رنگ میں قربان کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے انسانی قربانی جو خودکشی یا دُوسرے کو قتل کرنے کے رنگ میں جاری تھی، رُک گئی۔ درحقیقت اس رؤیا میں یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں اپنے بیٹے کو چھوڑ آئیں گے اور اس لئے چھوڑ آئیں گے لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تاکہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کو قائم کریں دُوسری جگہ یہ ذکر آتا ہے کہ اُن کو بیت اللہ کے پاس اس لئے رکھا گیا تھا، تاکہ وہ زائرین اور طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لئے اس کے گھر کو آباد رکھیں۔ چنانچہ جب یہ قربانی جاتی رہی۔ تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رؤیا کے ذریعہ بتایا کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل اور اس کی والدہ کو بیت اللہ کی جگہ چھوڑ آئیں۔

بخاری میں روایت آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ حکم ہوا تو انہوں نے اپنا بچہ اُٹھا لیا۔ یا ممکن ہے انہوں نے کسی سواری کا بھی انتظام کر لیا ہو۔ روایت میں آتا ہے کہ بعض جگہ حضرت ہاجرہ بچے کو اُٹھا لیتیں۔ اور بعض

جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُسے اُٹھا لیتے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بچّے کو ساتھ لے کر فلسطین سے مکّہ کا رُخ کیا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ فلسطین سے مکہ کوئی ڈیڑھ ہزار میل کے قریب ہوگا۔ سفر کرتے کرتے وہ خانہ کعبہ میں پہنچے۔ اس وقت صرف ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک ٹوکری کھجوروں کی ان کے پاس تھی انہوں نے اپنی بیوی اور بچّے کو وہاں بٹھایا اور کھجوروں کی ٹوکری اور پانی کا مشکیزہ اُن کے پاس رکھ دیا۔ مکّہ میں اس وقت کوئی پانی کا چشمہ یا نہر نہیں تھی۔ کوئی نالہ بھی پاس سے نہیں گذرتا تھا۔ اور زمین کے لحاظ سے کوئی سرسبزی و شادابی اس میں نہیں پائی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وہاں رکھا۔ اپنی بیوی کو چھوڑا اور کہا۔ مَیں ایک کام کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے واپس چل پڑے۔ لیکن ۸۰ سال کی عمر میں پیدا ہونے والے اکلوتے بچّے کی محبّت خواہ کوئی نبی بھی ہو، اس کے دل سے ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ اب ابراہیمؑ نوّے سال کی عمر کو پہنچ رہے تھے۔ اور اس عمر میں اُن کا اپنے بیٹے اور اس بیٹے کی شریف اور نیک ماں کو چھوڑ کر واپس چلے جانا کوئی آسان امر نہیں تھا۔ پچاس ساٹھ گز گئے تھے کہ اُنہوں نے مُڑ کر اپنی بیوی اور بچّے کو دیکھا اور اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر پچاس ساٹھ گز گئے تھے کہ محبّت نے جوش مارا۔ اور اُنہوں نے پھر ایک بار اُن کو دیکھا۔ پھر کچھ دُور گئے تو محبّت نے پھر جوش مارا اور اُنہوں نے مُڑ کر اُن پر نظر ڈالی وہ اس طرح کرتے چلے گئے یہانتک کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے اُن کا نظر آنا مشکل ہو گیا۔ اُس وقت اُنہوں نے اس طرف مونہہ کیا جدھر اُن کی بیوی بچّے تھے۔ جن کو چھوڑ کر وہ ہمیشہ کے لئے جا رہے تھے اور جن کے زندہ رہنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت عاجزانہ طور پر اُنہوں نے دُعا کی کہ

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

اے ہمارے ربّ! اُنہوں نے رَبَّنَا کہا ہے رَبِّیْ نہیں کہا۔ کیونکہ اس قربانی میں وہ اپنی بیوی کو بھی شامل کرتے ہیں۔ مگر اس کے بعد وہ اِنِّیْ کہتے ہیں اِنَّا نہیں کہتے۔ کیونکہ یہ فعل

اُن کی بیوی کی طرف سے نہیں تھا۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ - اے ہمارے ربّ! مَیں نے اپنی ذریّت کا ایک حصّہ اس وادی میں لا کر چھوڑ دیا ہے۔ ایک حصّہ انہوں نے اس لئے کہا کہ اس وقت تک حضرت اسحٰقؑ بھی پیدا ہو چکے تھے۔ جب اُنہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا اس وقت تک حضرت اسحاقؑ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکّہ میں لا کر چھوڑا ہے اس وقت حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ فرماتے ہیں رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ۔ الٰہی مَیں نے اپنی اولاد کا ایک حصّہ اس وادی میں لا کر چھوڑ دیا ہے غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی جیسے وہ میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی سرکاری کاغذات میں لکھا ہوا ہے کہ اس رقبہ میں نہ زراعت ہوتی ہے اور نہ اس وقت کی تحقیقات کے مطابق ہوسکتی ہے۔ UNCULTIVABLE UNAGRICULTURAL

عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ تیرے پاکیزہ گھر کے پاس۔ اس وقت تک خانہ کعبہ نہیں بنا تھا۔ لیکن اس آیت سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں وہاں کوئی پُرانا معبد تھا۔ اور جو لوگ یہ عقیدہ نہیں رکھتے وہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ جو معبد بننے والا ہے اس کے نزدیک مَیں نے اپنی اولاد کو لا کر رکھ دیا ہے۔ تیسرے معنے اس کے یہ کئے جاتے ہیں کہ بیت اللہ درحقیقت تقویٰ کا مقام ہے۔ پس عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ کے یہ معنے ہیں کہ مَیں ایک ایسے مقام کے پاس انہیں چھوڑ رہا ہوں جہاں شیطانی خیالات کا دخل نہیں ہوگا۔ یعنی دین کی خدمت کے لئے مَیں انہیں یہاں چھوڑ رہا ہوں رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ - اے میرے ربّ مَیں ان کو یہاں چھوڑ تو رہا ہوں مگر اس لئے نہیں کہ یہ بڑی بڑی کمائیاں کریں یا بڑے بڑے جتھے بنائیں اور فتوحات حاصل کریں بلکہ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

اے میرے ربّ! مَیں اس لئے ان کو یہاں چھوڑ رہا ہوں تاکہ وہ تیری عبادت کو اس جنگل میں قائم کریں۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ

پس اے میرے رب تو لوگوں کے دلوں میں خود ان کی محبت ڈال اور انہیں اس طرف جھکا دے۔ چونکہ یہ خالص تیری عبادت کے لئے وقف ہوں گے اور تیرے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں گے اس لئے اے میرے رب! تو لوگوں کے ایک طبقہ کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور ان کے دلوں میں ان کی عقیدت اور احترام پیدا کر دے تاکہ وہ باہر کی دنیا میں رہ کر کمائیں اور اپنی کمائی کا ایک حصہ ان کے کھانے کے لئے بھجوا دیا کریں۔ اور اے میرے رب! جب مَیں اپنی اولاد کو دین کی خدمت کے لئے یہاں چھوڑے جا رہا ہوں تو مَیں یہ نہیں چاہتا کہ مسجد کے مُلّانوں کی طرح یہ جمعرات کی روٹیوں کے محتاج ہوں۔ مَیں اپنی اولاد کو ایک جنگل میں چھوڑ رہا ہوں۔ مَیں اپنے بچے کو جو جوان ہے اور اس عمر سے گذر گیا ہے جس میں بچے بالعموم مر جایا کرتے ہیں ایک ایسی جگہ چھوڑ رہا ہوں جس میں اس کی موت یقینی ہے۔ انسان ہونے کے لحاظ سے مَیں علمِ غیب نہیں رکھتا اور مَیں نہیں جانتا کہ کل تُو ان سے کیا سلوک کرے گا۔ میرا اندازہ انسانی علم کے لحاظ سے یہی ہے کہ میری بیوی اور بچہ یہاں مَر جائیں گے مَیں نے انسان ہوتے ہوئے قربانی کے ہر نقطۂ نگاہ میں سے جو سب سے بڑا نقطۂ نگاہ تھا اس کو پُورا کر دیا ہے۔ اب مَیں تیرا بھی امتحان لینا چاہتا ہوں۔ مَیں نے بندہ ہو کر وہ کام کیا ہے جو قربانی اور ایثار کے لحاظ سے اپنے انتہائی کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ اب مَیں تیری خدائی کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ - مَیں نے اپنی بیوی اور بچے کو یہاں لا کر چھوڑا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے چھوڑا ہے کہ وہ اس جنگل میں بھُوکے اور پیاسے مَر جائیں گے۔ اب اے خدا! اگر تُو خدا ہے تو یہاں اُن کے لئے لوگوں کو کھینچ لا اور ان کے قلوب اس طرف مائل کر دے۔

وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ

مگر اے خدا! مَیں تجھ سے اُن کے لئے جمعرات کی روٹی نہیں مانگتا۔ مَیں تجھ سے اُن کے لئے چاول بھی نہیں مانگتا۔ بلکہ میں یہ مانگتا ہوں کہ یہ جگہ جہاں گھاس کی ایک پتی بھی

پیدا نہیں ہوتی۔ اس جگہ دُنیا بھر کے میوے آئیں اور یہ اُن میووں کو یہاں بیٹھ کر کھائیں تُو روٹی دے گا تو مَیں نہیں مانوں گا کہ تُو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے۔ تو چاول کھلائے گا تو مَیں نہیں مانوں گا کہ تو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے۔ تُو زردہ اور پلاؤ کھلائے گا تو مَیں نہیں مانوں گا کہ تو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے۔ مَیں تیری خدائی کا ثبوت تب مانوں گا جب یہ مکّہ میں بیٹھ کر چین اور جاپان اور یورپ اور امریکہ کے میوے کھائیں تب مَیں مانوں گا کہ تُو نے اپنی خدائی کا ثبوت دے دیا ہے۔ مَیں نے بندہ ہو کر ایک انتہائی قربانی کی ہے۔ اب اے خدا! مَیں تیری خدائی کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اس رنگ میں کہ اس وادیٔ غیر ذی زرع میں دُنیا کا ہر بہترین رزق تُو انہیں پہنچا۔ خدا تعالیٰ نے ابراہیم کے اس چیلنج کو قبول کیا اور اُس نے کہا۔ اے ابراہیم! تُو نے اپنی اولاد کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں لاکر بسایا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ مَیں نے اپنا بیٹا قربان کر دیا ہے، اب تُو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے تُو نے کہا ہے کہ مَیں نے ایک عاجز بندہ ہو کر اپنی بندگی کا ثبوت دے دیا، اب اے خدا! تُو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے۔ اور تُو نے ثبوت یہ مانگا ہے کہ یہ نہ کھائیں بلکہ بنی نوع انسان کھائیں اور انہیں کھلائیں اور کھلائیں بھی معمولی چیزیں نہیں بلکہ دُنیا بھر کے میوے ان کے پاس پہنچیں۔ مَیں تیرے اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور مَیں اس وادیٔ غیر ذی زرع میں جہاں گھاس کی ایک پتّی بھی نہیں اُگتی تجھے ایسا ہی کر کے دکھاؤں گا۔

مَیں نے حج کے موقعہ پر خود اس کا تجربہ کیا ہے۔ مَیں نے مکّہ مکرّمہ میں ہندوستان کے گنّے دیکھے ہیں۔ مَیں نے مکّہ مکرّمہ میں طائف کے انگور کھائے۔ مَیں نے مکّہ مکرّمہ میں اعلیٰ درجہ کے انار کھائے ہیں۔ گنّے کے متعلق تو مجھے یاد نہیں کہ میری طبیعت پر اس کے متعلق کیا اثر تھا لیکن انگوروں اور اناروں کے متعلق مَیں شہادت دے سکتا ہوں کہ ویسے اعلیٰ درجہ کے انگور اور انار مَیں نے اَور کہیں نہیں کھائے۔ مَیں یورپ بھی گیا ہوں۔ مَیں شام بھی گیا ہوں۔ مَیں فلسطین بھی گیا ہوں۔ اٹلی کا مُلک انگوروں

کے لئے بہت مشہور ہے۔ یورپ کے لوگ کہتے ہیں کہ بہترین انگور اٹلی میں ہوتے ہیں۔ مگر مَیں نے اٹلی کے لوگوں سے کہا کہ مکّہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں ابراہیمی پیشگوئی کے ماتحت جو انگور مَیں نے کھائے ہیں وہ اٹلی کے انگوروں سے بہت زیادہ میٹھے اور بہت زیادہ اعلیٰ تھے۔ ہمارے اردگرد قندھار کوئٹہ اور کابل کا انار مشہور ہے۔ مگر مَیں نے جو موٹا سُرخ شیریں اور لذیذ انار مکّہ میں کھایا ہے اس کا سینکڑواں حصّہ بھی قندھار اور کوئٹہ اور کابل کا انار نہیں۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ اے خدا! مَیں نے اپنی بندگی کا انتہائی ثبوت دے دیا ہے۔ اب تجھ سے مَیں کہتا ہوں کہ تُو بھی اپنی خدائی کا انتہا درجے کا ثبوت دے اور وہ ثبوت مَیں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ یہ نہ کمائیں بلکہ لوگ کما کر ان کے پاس لائیں اور لائیں بھی معمولی چیزیں نہیں بلکہ دُنیا بھر کے بہترین پھل اور میوے

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

اے میرے ربّ میں احسان کے طور پر نہیں کہتا۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ اگر ایسا ہوا تب میرا بدلہ اُترے گا یا تب میری اولاد کی قربانی کا بدلہ اُترے گا۔ مَیں نے بیشک ایک مطالبہ کیا ہے مگر اس لئے نہیں کہ مَیں نے کوئی قربانی کی ہے بلکہ میں نے یہ مطالبہ محض اس لئے کیا ہے کہ بندے نے اپنی بندگی کا انتہائی ثبوت دے دیا۔ اب تُو بھی اپنی خُدائی کا ثبوت دے لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ تاکہ میری اولاد ایمان پر قائم رہے اور اسے یقین ہو کہ کیسی زبردست طاقتوں کا مالک وہ خدا ہے جس کی خدمت کے لئے وہ یہاں بیٹھے ہیں۔ بظاہر یہ ایک چیلنج معلوم ہوتا ہے کہ دیکھ مَیں نے کتنی قربانی کی، اب تو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے۔ مگر میری یہ غرض نہیں کہ تُو میرے فعل کی وجہ سے انہیں یہ پھل کھلا بلکہ میری غرض یہ ہے کہ تیرے فعل سے بنی نوع انسان کے اندر ایمان پیدا ہو۔ گویا اس میں بھی اصل غرض تیرے نام کی بلندی ہے، اپنے نام کی بلندی نہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِىْ وَمَا نُعْلِنُ

پھر ابراہیمؑ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بچہ چھوٹا ہے بیوی جوان ہے۔ یہ میری دوسری بیوی ہے۔ میری بڑی بیوی جو میری پھوپھی زاد بہن ہے میرے گھر میں موجود ہے اور اس سے نسل بھی ہو رہی ہے۔ ہاجرہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ میری چہیتی بیوی ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ اس سے اولاد ہو گئی ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ ظالم اس بیوی کی خاطر مجھے یہاں چھوڑے جا رہا ہے اور اس بچے کی خاطر میرے اس بچے کو چھوڑ رہا ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گر گئے اور انہوں نے کہا۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِىْ وَمَا نُعْلِنُ۔ اے میرے ربّ مَیں نے تیرے نام کی عزت کے لئے اپنے اُوپر یہ دھبہ قبول کیا ہے۔ مَیں اپنی بیوی کو یہاں اس لئے نہیں چھوڑ رہا کہ مَیں اپنی پہلی بیوی کو اس پر مقدم رکھتا ہوں۔ مَیں اپنے بچے کو یہاں اس لئے نہیں چھوڑ رہا کہ مَیں اس بچے پر دوسرے بچہ کو مقدم رکھتا ہوں۔ بلکہ اے خدا! اس بیوی کو مَیں اس لئے یہاں چھوڑ رہا ہوں کہ تو نے مجھے اس کا حکم دیا ہے اور اے خدا! یہ بچّہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اسحٰقؑ سے ذلیل سمجھ کر مَیں اسے یہاں نہیں چھوڑ رہا۔ مَیں اس کی وراثت میں اسے روک سمجھ کر یہاں نہیں چھوڑ رہا بلکہ اے خدا باوجود اس کے کہ یہ مجھے بہت پیارا ہے مَیں اسے اس لئے یہاں چھوڑ رہا ہوں کہ تُو نے اسے یہاں چھوڑنے کو کہا ہے۔ یہ ظُلم کا الزام، یہ بے وفائی کا الزام، یہ سنگدلی کا الزام، اے خدا! مَیں نے محض تیرے لئے قبول کیا ہے۔ میری بیوی اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی۔ وہ سمجھے گی کہ مَیں نے دوسری بیوی کی خاطر اسے یہاں چھوڑا ہے۔ میرا بچّہ بھی اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ بڑا ہو کر کہے گا کہ باپ کیسا ظالم تھا وہ مجھے اور میری ماں کو یہاں چھوڑ گیا۔ اے میرے ربّ! مَیں اپنے دل کا درد کس کو بتاؤں سوائے تیری ذات کے جسے سب کچھ علم ہے۔ تجھے پتہ ہے کہ میرے دل میں کتنا دُکھ ہے۔ ... ...

... ... ۔ تجھ کو پتہ ہے کہ یہ ظاہری سنگدلی اور ظلم کا الزام مَیں نے محض تیرے حکم کو پُورا کرنے کے لئے اپنے اُوپر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ۔ ابراہیمؑ نے کہا تھا۔ تو جانتا ہے کہ

میرے دل میں کتنا درد ہے اور یہ کہ ظاہری طور پر میں جو کچھ سنگدلی اور سختی کر رہا ہوں یہ محض تیرے لئے ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ۔ یہ خدائی کلام ہے، ابراہیم کا نہیں۔ فرماتا ہے خدا تعالےٰ کو پتہ ہے کہ زمین اور آسمان میں کیا کچھ ہے۔ اس کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ابراہیمؑ کا یہ فعل ایک بیج کی طرح زمین میں ڈالا جا رہا ہے جس سے ایک دن ایک بڑی قوم پیدا ہوگی۔ اور وہ جانتا ہے کہ آسمان پر اس بیج بونے کے نتیجہ میں کیسا عظیم الشان انعام مقدر ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کی تو حضرت ہاجرہؓ کے دل میں شُبہ پیدا ہوا کہ یہ جُدائی کسی عارضی کام کے لئے معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ دائمی جُدائی معلوم ہوتی ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی آپ کے پیچھے گئیں۔ اور اُنہوں نے کہا۔ ابراہیم! ابراہیم تم ہمیں یہاں کس لئے چھوڑے جا رہے ہو۔ یہ تو عارضی جُدائی معلوم نہیں ہوتی۔ تم ہمیں جنگل میں اکیلے چھوڑے جا رہے ہو۔ ابراہیم دیکھو۔ تمہارا بیٹا بھوکا مر جائے گا۔ ابراہیم تمہاری بیوی یہاں موجود ہے اور اس کا بھی تم پر حق ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ نے ان کی طرف نہیں دیکھا کیونکہ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر مَیں نے جواب دیا تو بیتاب ہو جاؤں گا اور رقّت مجھ پر غالب آجائیگی اور یہ اس شان کے خلاف ہوگا جس کا یہ قربانی تقاضا کرتی ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر ہاجرہؓ نے کہا۔ ابراہیم! ابراہیم تم اپنی بیوی اور بیٹے کو کس لئے ایک ایسے جنگل میں چھوڑے جا رہے ہو جس میں ایک دن بھی رہائش اختیار نہیں کی جا سکتی۔ بھیڑیئے آئیں گے اور ہمیں ختم کر دیں گے۔ اور اگر بھیڑیئے نہ بھی آئے تب بھی پانی ختم ہو گیا تو ہم کیا کریں گے، کھجوریں ختم ہو گئیں تو ہم کیا کریں گے۔ آخر کیوں تم ہمیں یہاں چھوڑے جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر بھی ان کی طرف نہ دیکھا اور زبان سے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر ہاجرہؓ نے آگے بڑھ کر اُن کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔ بتاؤ۔ تم کس پر ہمیں چھوڑے جا رہے ہو

کیا خدا پر چھوڑے جا رہے ہو؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا مونہہ موڑا اور آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دی۔ بولے نہیں۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اگر میں بولا تو رقت مجھ پر غالب آجائے گی۔ انہوں نے صرف آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہاں خدا پر اور خدا تعالیٰ کے کہنے پر میں یہ کام کر رہا ہوں۔ ہاجرہؓ ایک عورت ہی سہی، وہ ایک مصری خاتون ہی سہی جس کا ابراہیمی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر وہ ابراہیمی تربیت حاصل کر چکی تھی، وہ خدا کا نام سُن چکی تھی۔ وہ الٰہی قدرتوں کا مشاہدہ کر چکی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بتایا کہ میں محض خدا تعالیٰ کی خاطر اور اسی کے حکم کی تعمیل میں تمہیں یہاں چھوڑے جا رہا ہوں۔ تو ہاجرہؓ فوراً پیچھے ہٹ گئیں اور انہوں نے کہا۔

اِذًا لَّا يُضَيِّعُنَا

تب خدا تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ بے شک جہاں جانا ہے چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ چلے گئے۔ اور وہ بے وطن اور مسکین ہاجرہؓ، اسماعیل کی ماں، پھر اپنے خاوند کا مُنہ نہیں دیکھ سکی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ لیکن اس وقت حضرت ہاجرہؓ فوت ہو چکی تھیں۔ تب خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی جس کو ہم بیت اللہ کہتے ہیں اور جس کی طرف مونہہ کر کے نمازیں پڑھتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ آئے۔ اُس وقت جُرہم قبیلہ کے لوگ وہاں بس چکے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے اپنی بیٹی بھی بیاہ دی تھی۔ اب وہ آبادی تھی۔ چند خیمے یا چند جھونپڑیاں تھیں جن میں لوگ رہتے تھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جھونپڑیاں تھیں۔ کیونکہ روایات میں ذکر آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیل اس وقت گھر پہ نہیں تھے۔ آپ گھر میں یہ پیغام

دے گئے کہ جب اسماعیلؑ آئے تو اس سے کہنا کہ تمہاری چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل دو۔ مطلب یہ تھا کہ تمہاری بیوی بد اخلاق ہے اس کی بجائے کوئی اچھے اخلاق والی بیوی کرو۔ حضرت ابراہیمؑ اس کے بعد بھی کئی دفعہ آئے۔ ایک اس وقت آئے جب انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خانۂ کعبہ کی بُنیاد رکھی تھی۔ اور ایک اُس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے۔ وہ اکثر شکار کے لئے دُور پہاڑوں میں نکل جایا کرتے تھے اور پھر شکار کا گوشت سُکھا کر رکھ لیتے اور استعمال کرتے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیلؑ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک عورت بولی۔ بابا تُو کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ بی بی! مَیں اسماعیلؑ سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ اس نے کہا۔ بابا جاؤ، اسماعیلؑ گھر پر نہیں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا، مَیں جاتا تو ہوں مگر جب اسماعیلؑ واپس آئے تو اس سے کہہ دینا کہ تمہارے دروازہ کی چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ پیچھے کے واقعات بتاؤ۔ چونکہ اُس وقت مکّہ میں صرف چند گھر تھے اس لئے اُنہیں ایک دوسرے کے حالات معلوم کرنے کی طبعاً جستجو رہتی تھی اور بڑا بھاری واقعہ وہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ فلاں قبیلہ یہاں سے گذرا ہے اور وہ یہ یہ چیزیں لے گیا اور یہ یہ چیزیں دے گیا ہے بیوی نے کہا اور تو کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ صرف ایک بڈھا آپ کے پیچھے آیا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کا دل دھڑکنے لگا کہ یہ بڈھا کہیں اُن کا باپ ہی نہ ہو۔ اُنہوں نے کہا۔ اُس بڈھے نے کوئی بات بھی کی تھی یا نہیں۔ اُس نے کہا۔ اُس بڈھے نے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ مَیں نے بتایا کہ آپ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم نے اس بڈھے کی کوئی خاطر تواضع بھی کی۔ اس نے کہا۔ مَیں نے تو کوئی خاطر تواضع نہیں کی۔ البتہ جاتے وقت وہ ایک پیغام آپ کو پہنچانے کے لئے دے گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسماعیل سے کہہ دینا۔

تمہاری چوکھٹ اچھی نہیں ، اسے بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سُنتے ہی کہا۔ بی بی میری طرف سے تم پر طلاق۔ اس نے کہا۔ اس کا کیا مطلب ؟ حضرت اسماعیل نے کہا۔ وہ بڈھا میرا باپ تھا جو دو ہزار میل سے چل کر آیا مگر تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ تم انہیں کہتیں۔ تشریف رکھئے اور آرام کیجئے۔ تمہارے اخلاق ایسے نہیں کہ میرے گھر میں رہنے کے قابل سمجھی جا سکو۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے اُسے طلاق دے دی اور ایک اَور شادی کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ اتفاقاً اس دن بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام باہر تھے۔ آپ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک عورت نے جواب دیا کہ کون صاحب ہیں۔ بیٹھئے ، تشریف رکھئے۔ چنانچہ آپ اندر گئے۔ اس عورت نے آپ کی خدمت کی ، پَیر دُھلائے ، کھانے پینے کی چیزیں آپ کے سامنے رکھیں اور کہا مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ بہت فاصلہ سے آئے مگر اسماعیلؑ سے نہیں مل سکے۔ آپ ٹھہریئے اور ان کا انتظار کیجئے۔ اس عرصہ میں مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے مَیں آپ کی خدمت کروں گی۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے نہیں بلکہ واپس چلے گئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اُن کی قوم کے افراد بہت پھیلے ہوئے تھے اور وہ ان کے ہاں ٹھہر جاتے تھے۔ جاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ اسماعیلؑ جب واپس آئے تو اس سے کہنا کہ فُلاں طرف سے ایک آدمی آیا تھا اور اُس سے کہنا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ اب بالکل ٹھیک ہے اس کو قائم رکھنا۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ جب واپس آئے اور انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ کوئی نئی خبر سُناؤ تو اُس نے کہا۔ آج کی نئی خبر یہ ہے کہ ایک بڈھا آیا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ نے جلدی سے کہا۔ پھر؟ اس نے کہا۔ مَیں نے اُن کو بٹھایا، پاؤں دُھلائے ، پانی پلایا اور کھانے کے لئے اُن کے سامنے چیزیں رکھیں۔ مَیں نے اُن سے یہ بھی کہا تھا کہ ٹھہریئے جب تک اسماعیل واپس نہیں آ جاتے۔ مگر انہوں نے کہا کہ مَیں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔

مگر جاتی دفعہ وہ ایک عجیب طرح کا پیغام دے گئے۔ انہوں نے کہا کہ اسماعیلؑ سے کہہ دینا، تمہارے دروازہ کی چوکھٹ بڑی اچھی ہے، اسے قائم رکھنا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا۔ میری بیوی! یہ آنے والا میرا باپ تھا۔ اور سفارش کر کے گیا ہے کہ مَیں تمہیں عزّت و احترام سے اپنے گھر رکھوں۔

آخر وہ دن بھی آگیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کو اپنے ساتھ لے کر اس گھر کی بُنیاد رکھی جس کو خانۂ کعبہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًاؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّىؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ (البقرہ رکوع ۱۵)

اور جبکہ ہم نے وہ گھر جو ابراہیمؑ نے بنایا اس کو لوگوں کے لئے بار بار آنے کا مقام بنا دیا، زیارت گاہ بنا دیا۔ ثواب کی جگہ بنا دیا۔ وَاَمْنًا اور امن کا مقام بنا دیا۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔ اور اے لوگو! جو خانۂ کعبہ کے شیدائی بنتے ہو جو بیت اللہ کی محبت کا دَم بھرتے ہو۔ تم ہر ایک چیز جو تمہیں پسند آتی ہے، اس کی تصویر اپنے گھر میں رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔ اگر کوئی پھل تمہیں پسند آئے تو تم اسے اپنے گھر لاتے اور اپنے بیوی بچّوں کو چکھانے کی کوشش کرتے ہو۔ اے کم عقلو! جب تم بازار میں خربوزہ دیکھ کر بس نہیں کرتے بلکہ وہ خربوزہ گھر میں لاتے ہو۔ جب تم کسی اچھے نظارے کو دیکھتے ہو تو اس کی تصویر کھینچتے اور اپنے بیوی بچّوں کو دکھاتے اور آئندہ آنے والوں کے لئے گھر میں رکھتے ہو۔ تو کیا وجہ ہے، کیا سبب ہے، اس میں کون سی معقولیّت ہے کہ تم اپنے مونہوں سے تو خانۂ کعبہ کی تعریفیں کرتے ہو۔ اپنے مونہوں سے تو خانۂ کعبہ کے احترام کا اظہار کرتے ہو۔ لیکن تم ایک خربوزے کو تو گھر میں لانے کی کوشش کرتے ہو۔ تم تاج محل کو دیکھتے ہو تو اس کی تصویر لینے کی کوشش کرتے ہو مگر تم خانہ کعبہ کے ظِلّ کو اپنے مُلک اور اپنے علاقہ میں لانے کی

کوشش نہیں کرتے۔ خانہ کعبہ کیا ہے؟ ایک گھر ہے جو خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ساری دُنیا کے انسان خانہ کعبہ میں نہیں جا سکتے پس جس طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ابراہیم کی نقلیں دُنیا میں پیدا کرے، اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تم خانہ کعبہ کی نقلیں بناؤ جس میں تم اور تمہاری اولادیں اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر کے بیٹھ جائیں۔ جس طرح وہ لوگ جو ابراہیمؑ کے نمونہ پر چلیں گے، ابراہیمؑ کی اولاد اور اس کا ظِلّ ہوں گے۔ اسی طرح یہ نقلیں خانہ کعبہ کی اولاد ہوں گی، خانہ کعبہ کی ظِلّ اور اس کا نمونہ ہوں گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک خانہ کعبہ کے ظِلّ دُنیا کے گوشے گوشے میں قائم نہ کر دیئے جائیں اس وقت تک دین پھیل نہیں سکتا۔ پس فرماتا ہے:-

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى

اے بنی نوعِ انسان! ہم تجھ کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ تم بھی ابراہیمی مقام پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادتیں کرو۔ یعنی ایسے مرکز بناؤ جو دین کی اشاعت کا کام دیں۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

اب بتاتا ہے کہ وہ مقامِ ابراہیمؑ کیا چیز ہے۔ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو بڑی پکی نصیحت کی۔ عَهِدَ بِهٖ کے معنے ہوتے ہیں۔ اُس نے فلاں کے ساتھ عہد کیا۔ لیکن جب عَهِدَ کے ساتھ اِلٰی کا صلہ آئے تو اس کے معنے ہوتے ہیں پکّی نصیحت کرنا یا وصیّت کرنا۔ پس فرماتا ہے وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ۔ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو بار بار نصیحت کی اور بار بار اس طرف توجہ دلائی اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک بناؤ اور ہر قسم کے عیبوں اور خرابیوں سے اس کو بچاؤ لِلطَّآئِفِيْنَ طواف کرنے والوں کے لئے وَالْعٰكِفِيْنَ اور اُن لوگوں کے

لئے جو اپنی زندگی وقف کرکے یہیں بیٹھ رہیں۔ طائفین وہ لوگ ہیں جو کبھی کبھی آئیں اور عاکفین وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی اسی گھر کی خدمت کے لئے وقف کردیں۔ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ اور اُن لوگوں کے لئے جو خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کے لئے کھڑے رہتے ہیں اور اس کی فرماں برداری میں اپنی ساری زندگی بسر کرتے ہیں یا ان لوگوں کے لئے جو رکوع اور سجود کرتے ہیں۔

یہ چیز ہے جو مقام ابراہیم ہے اور جس کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ ہماری نصیحت یہی ہے کہ دُنیا کے گوشے گوشے میں خانۂ کعبہ کی نقلیں بننی چاہئیں اور دُنیا کے کونے کونے میں تمہیں اس کے ظِلّ قائم کرنے چاہئیں۔ اس کے بغیر دین حق کی کامل اشاعت کبھی نہیں ہو سکتی۔"

اس کے بعد حضور نے فرمایا :-

"مَیں ایک دفعہ اس دُعا کو پڑھ جاؤں گا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ پڑھوں گا تمام عورتیں اور مرد میری اتباع کریں۔"

اس ارشاد کے بعد حضور نے جس رنگ میں تلاوت فرمائی اور جس طرح بعض دُعاؤں کا بار بار تکرار فرمایا اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ادعیہ درج ذیل کی جاتی ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا - رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ -

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٭

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

حضور نے فرمایا:۔

یہاں مُسْلِمَیْنِ سے گو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ مراد ہیں مگر دُعا مانگتے ہوئے مسلمین سے ہر شخص میاں بیوی بھی مراد لے سکتا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ

اے ہمارے رب اِجْعَلْ هٰذَا بنا دے اس کو۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے یہ دُعا کی ہے اس وقت مکّہ کوئی شہر نہیں تھا۔ وہ صرف چند جھونپڑیاں تھیں جو ایک بے آب و گیاہ وادی میں نظر آتی تھیں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ زمین جو ویران پڑی ہوئی ہے اسے بنا دے، کیا بنا دے؟ بَلَدًا۔ ایک شہر بنا دے۔

عام طور پر جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ اس شہر کو امن والا بنا دے۔ حالانکہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی منشاء ہوتا، تو آپ هٰذَا بَلَدًا کہنے کی بجائے هٰذَا الْبَلَدَ فرماتے۔ مگر آپ هٰذَا الْبَلَدَ نہیں کہتے بلکہ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا کہتے ہیں پس یہ شہر کے بنانے کی دُعا ہے۔ شہر کو کچھ اَور بنانے کی دُعا نہیں۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا۔ اے میرے رب بنا دے اس ویران زمین کو ایک شہر۔ آمِنًا، مگر شہروں کے ساتھ فتنہ و فساد کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ جب لوگ مل کر رہتے ہیں تو لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ جھگڑے بھی ہوتے ہیں۔ فسادات بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر شہروں کو فتح کرنے کے لئے

حکومتیں حملہ بھی کرتی ہیں۔ یا بعض شہر جب بڑے ہو جائیں تو اُن کے رہنے والے اپنا نفوذ بڑھانے کے لئے دوسروں پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اور چونکہ یہ سارے خدشات شہروں سے وابستہ ہوتے ہیں اس لئے مَیں تجھ سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ تو اسے امن والا بنائیو۔ نہ کوئی اس پر حملہ کرے۔ اور نہ یہ کسی اور پر حملہ کرے۔ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ اور اس کے رہنے والوں کو ثمرات دیجیو۔

مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کا یہ مفہوم ہے کہ اے خدا! مَیں تجھ سے ان کے لئے روٹی نہیں مانگتا۔ مَیں تجھ سے پلاؤ نہیں مَیں تجھ سے دُنبے کا گوشت نہیں مانگتا۔ بے شک یہ بھی تیری نعمتیں ہیں۔ اور اگر ان کو مل جائیں تو تیرا فضل اور انعام ہے۔ مگر مَیں جو کچھ چاہتا ہوں وُہ یہ ہے کہ تُو اِن کو وہ پھل کھلا جو دس میں لے جا کر بھی سڑ جاتا ہے۔ تو دُنیا کے کناروں سے ان کے لئے ہر قسم کے پھل لا اور انہیں اِن پھلوں سے متمتع فرما۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی تھی کہ میری اولاد میں سے بھی نبی بنائیو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ نیک ہوں گے تو ہم ان کو اپنے انعامات سے حصّہ دیں گے ورنہ نہیں۔ نبی بڑا محتاط ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ مَیں ہر ایک کو یہ انعام نہیں دے سکتا۔ جو نیک ہوگا صرف اسے انعام ملے گا۔ تو اس دُوسری دُعا کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یا اللہ جو نیک ہوں صرف ان کو رزق دیجیو۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں ہمارا اَور حکم ہے۔ اور نبوّت اور امامت کے معاملہ میں ہمارا اَور حکم ہے۔ نبوّت اور امامت صرف نیک لوگوں کو ملتی ہے، مگر رزق ہر ایک کو ملتا ہے۔ پس جو کافر ہوگا دُنیا کی روزی ہم اس کو بھی دیں گے چنانچہ

سینکڑوں سال تک مکّہ کے لوگ مشرک رہے مگر ابراہیمی رزق اُن کو بھی پہنچتا رہا۔ ہاں تیری نسل ہونے کی وجہ سے وہ اُخروی عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ مَر جائیں گے تو وہ جہنّم میں ڈالے جائیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

پھر فرماتا ہے۔ یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسماعیل مل کر بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کر رہے تھے کہ خدایا تیرا گھر تو برکت والا ہی ہوگا۔ کون ہے جو اُسے برکت سے محروم کر سکے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو نمازیں پڑھنے والے اور تیری یاد میں اپنی زندگی بسر کرنے والے ہوں تاکہ اس گھر کی برکت سے انہیں بھی فائدہ پہنچے۔ مگر اگلی اولادوں کو ٹھیک کرنا آئندہ نسلوں کو درست کرنا اور اپنے ایمانوں کی حفاظت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اے ہمارے ربّ! ہم نے خالص تیرے ایمان اور محبت کے لئے یہ گھر بنایا ہے۔ تو اپنے فضل سے اسے قبول کرلے اور اس کو ہمیشہ اپنے ذکر اور برکت کی جگہ بنا دے۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ تو ہماری دردمندانہ دُعاؤں کو سُننے والا اور ہمارے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ تو اگر فیصلہ کر دے کہ یہ گھر ہمیشہ تیرے ذکر کے لئے مخصوص رہے گا تو اسے کون بدل سکتا ہے۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیت اللہ بنانے کے درحقیقت دو حصے ہیں۔ ایک حصہ بندے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس مکان کو ہم بیت اللہ کہتے ہیں وہ اینٹوں سے بنتا ہے۔ چُونے سے بنتا ہے۔ گارے سے بنتا ہے۔ اور یہ کام خدا تعالیٰ نہیں کرتا بلکہ انسان کرتا ہے۔ مگر کیا انسان کے بنانے سے کوئی مکان بیت اللہ بن سکتا ہے۔ انسان تو صرف ڈھانچہ بناتا ہے۔ رُوح اس میں خدا تعالیٰ ڈالتا ہے۔ اسی امر کو مدّنظر رکھتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ڈھانچہ تو میں نے اور اسمٰعیل نے بنا دیا ہے۔ مگر ہمارے بنانے سے کیا بنتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اے خدا تو ہمارے اس تحفہ کو قبول کر اور اسے اپنے پاس سے مقبولیت عطا فرما۔ ورنہ محض مسجدیں بنانے سے کیا بنتا ہے۔ کئی مسجدیں ایسی ہیں جو باپ دادوں نے بنائیں اور بیٹوں نے بیچ ڈالیں۔ کئی مسجدیں ایسی ہیں جو بادشاہوں

یا شہزادوں نے بنائیں مگر آج اُن ہی میں کُتّے پاخانہ پھرتے ہیں اس لیئے کہ انسان نے تو مسجدیں بنائیں مگر خدا نے انہیں قبول نہ کیا پس حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کہتے ہیں کہ اے خدا ہم نے تو تیرا گھر بنایا ہے مگر یہ محض ہمارے بنانے سے قیامت تک قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ اس وقت تک رہ سکتا ہے جب تک تُو کہیگا۔ اس لئے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اے خدا ہم نے جو گھر بنایا ہے اسے تُو قبول فرما اور تُو خود اس میں رہ پڑ۔ اور جب خدا کسی جگہ بس جائے تو وہ کیسے اُجڑ سکتا ہے۔ گاؤں اُجڑ جائیں تو اُجڑ جائیں شہر اُجڑ جائیں تو اُجڑ جائیں وہ مقام کبھی نہیں اُجڑ سکتا جس جگہ خدا بس گیا ہو۔ چنانچہ دیکھ لو سینکڑوں سال تک مکّہ بے آباد رہا مگر چونکہ خدا وہاں تھا اس لئے اس کی عزت قائم رہی حضرت ابراہیم علیہ السلام یہی دُعا مانگتے ہوئے فرماتے ہیں۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔ اے خدا اس گھر کی آبادی تیرے بندوں سے وابستہ ہے۔ مگر محض لوگوں کی آبادی کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والے نیک ہوں۔ پس ہم جو بیت اللہ کو بنانے والے ہیں اور جو دو افراد ہیں۔ ہماری پہلی دُعا تو یہ ہے کہ تُو خود ہمیں نیک بنا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ اور پھر ہماری اولاد میں سے ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے جو تیرا مطیع اور فرمانبردار ہو۔ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔ پھر چاہے انسان کے دل میں کتنا ہی اخلاص ہو۔ اگر اسے طریق معلوم نہ ہو کہ کس طرح کسی گھر کو آباد رکھنا ہے تو پھر بھی وہ غلطی کر جاتا ہے۔ اس لئے وہ دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا نہ صرف ہمارے دلوں میں ایمان قائم رکھ بلکہ وقتاً فوقتاً ہمیں یہ بھی بتاتا رہ کہ ہم نے کس طرح اسے آباد رکھنا ہے اور ہم کونسا طریق عبادت اختیار کریں جس سے تُو خوش ہو اور یہ گھر آباد رہ سکے۔

وَتُبْ عَلَيْنَا۔ مگر اس اخلاص کے باوجود، اس الہام کے باوجود جو یہ بتاتا رہے کہ کس طرح اس گھر کو آباد رکھنا ہے۔ اے خدا ہم بندے ہیں اور ہم نے غلطیاں کرنی ہیں۔ تُو توّاب اور رحیم ہے تو ہمیں معاف کر دیا اور ہمارے گناہوں سے درگذر کرتا رہ۔ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ تُو بڑی توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ توّاب اور رحیم نام اسی لئے لائے گئے ہیں کہ بندہ خواہ کتنی بھی نیک نیتی سے کام کرے وہ غلطی کر جاتا ہے۔ ایسی حالت میں توّابیت اس کے کام آتی ہے اور اگر اچھا کام کرے تو رحیمیت اس کے کام آتی ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ۔ اے ہمارے رب! تُو ان لوگوں میں اِس

جگہ رہیں گے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما۔ مِنْهُمْ اور اے ہمارے ربّ! رسول کے آنے سے یہ ضرورت تو پوری ہو جائے گی کہ خانہ کعبہ سے جس طرح تعلق رکھنا ہے اس کا پتہ لگ جائے گا اور وہ سچے اور مخلص مومن بن جائیں گے مگر اے ہمارے ربّ ہم نے جو اپنی اولاد کو یہاں آکر بسایا ہے اس میں کچھ خود غرضی بھی ہے۔ ہماری یہ بھی غرض ہے کہ تیرا نام بلند ہو اور ہماری یہ بھی غرض ہے کہ ہماری اولاد کے ذریعہ تیرا نام بلند ہو۔ ہم نے صرف تیرا گھر نہیں بنایا بلکہ اپنی اولاد کو بھی یہاں لاکر بسا دیا ہے۔ گویا ہم نے جو تیرے نام کی بلندی کی کوشش کی ہے اس میں کچھ خود غرضی بھی شامل ہے۔ ہم نے یہ مکان بنایا ہے اس لئے کہ تیرا نام بلند ہو اور ہم نے اپنی اولاد یہاں اس لئے بسائی ہے کہ اس کے ذریعہ تیرا نام بلند ہو۔ پس ہم نے جو اپنی اولاد یہاں بسائی ہے اس میں ہماری یہ غرض بھی شامل ہے کہ آنے والا رسول انہی میں سے ہو باہر سے نہ ہو۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ۔ وہ تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے تیرے نشانات اور معجزات کے ذریعہ ان کے ایمانوں کو بلند کرے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ اور تیری شریعت جس کے بغیر باطن پاکیزہ نہیں ہو سکتا اور جو انسان کو مکمل نمونہ بنا دیتی ہے نازل ہو اور وہ لوگوں کو سکھائے۔ وَالْحِكْمَةَ۔ اور اے ہمارے ربّ! جب وہ رسول آئے گا۔ انسانی عقل تیز ہو چکی ہو گی۔ اُس وقت انسان بچہ نہیں ہو گا کہ اسے یہ کہا جائے کہ اُٹھ اور فلاں کام کر۔ اور جب وہ کہے کہ مَیں کیوں کروں تو اُسے کہا جائے آگے سے بکواس مت کرو۔ عیسیٰؑ کے زمانہ میں اور موسیٰؑ کے زمانہ میں اور نوحؑ کے زمانہ میں ایسا ہو چکا۔ مگر جب وہ نبی آئیگا اس کا زمانہ انسانی عقل کے ارتقاء کا زمانہ ہو گا۔ اس وقت بندہ صرف یہی نہیں سُنے گا کہ کر بلکہ وہ پوچھے گا کہ کیوں کروں؟ پس يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ اے خدا! تو اُس کو موسیٰؑ کی طرح شریعت ہی نہ دیجیئو۔ نوحؑ کی طرح صحف ہی نہ دیجیئو۔ داؤدؑ کی طرح احکام ہی نہ دیجیئو۔ بلکہ ساتھ ہی ان کی وجہ بھی بتا دیجیئو اور ان احکام کی حکمت بھی واضح کیجیئو۔ تاکہ نہ صرف ان کے جسم تیرے حکم کے تابع ہوں بلکہ ان کا دماغ اور دل بھی تیرے حکم کے تابع ہو اور وہ سمجھیں کہ جو کچھ کہا گیا ہے فلسفہ کے ماتحت کہا گیا ہے۔ عقل کے ماتحت کہا گیا ہے ضرورت کے ماتحت کہا گیا ہے، فوائد کے ماتحت کہا گیا ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ اور اُن کو پاک کرے۔ دماغ کو ہی پاک نہ کرے بلکہ حکمت

سکھا کر اُن کے قلوب کو بھی محبّتِ الٰہی سے بھر دے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ میں جذب کر دیں۔ الٰہی صفات ان میں پیدا ہو جائیں اور وہ چلتے ہوئے انسان نظر نہ آئیں بلکہ خدا نمائی کا ایک آئینہ دکھائی دیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اے ہمارے ربّ! ہم نے جو چیز مانگی ہے بظاہر یہ ناممکن نظر آتی ہے اور جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ایسا کبھی نہیں ہوا لیکن ہم خوب جانتے ہیں کہ تجھ میں طاقت ہے تُو عزیز خدا ہے تو غالب خدا ہے اور تیری شان یہ ہے ؎

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خُدائی یہی تو ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تو ایسا کر سکتا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ چونکہ تو عزیز خدا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ایسا رسُول آئے۔ اس پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ اگر پہلے خدا نے ایسا رسُول نہیں بھیجا تو اب کیوں بھیجے؟ اور اگر پہلے بھی ایسا رسُول بھیجنا ضروری تھا تو پھر ایسے رسُول کو نہ بھجوا کر بنی نوع انسان پر کیوں ظلم کیا گیا؟ اس اعتراض کا الحکیم کہہ کر ازالہ کر دیا کہ ہم جانتے ہیں پہلے ایسا رسُول آ ہی نہیں سکتا تھا۔ پہلے لوگ اس قابل ہی نہیں تھے کہ محمدی تعلیم کو برداشت کر سکیں۔ پس ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عزیز کہہ کر خدائی غیرت کو جوش دلایا ہے اور کہا ہے کہ ہمارا مطالبہ غیر معقول نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تُو ایسا کر سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی حکیم کہہ کر بتا دیا کہ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ اگر پہلے تو نے ایسا رسُول نہیں بھجوایا تو نعوذ باللہ تُو نے بُخل سے کام لیا ہے۔ بلکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر پہلے تو نے ایسا نبی نہیں بھیجا تو صرف اس لئے کہ پہلے ایسا نبی بھیجنا مناسب نہیں تھا۔ یہ کیسی کامل دُعا ہے جو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور آپ کے بلند ترین مدارج کو واضح کرنے والی ہے۔ مگر مَیں پھر کہتا ہوں۔ دُنیا دوسری چیزوں کی نقلیں کرتی ہے۔ دُنیا چاہتی ہے کہ اگر اسے اچھی تصویریں نظر آئیں تو اُن کو اپنے گھروں میں لے جائے۔ وہ خوشنما اور خوبصورت مناظر دیکھتی ہے تو اُن کے نقشے اپنے گھروں میں رکھتی۔ مگر انسان کو یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ وہ خانہ کعبہ کی بھی نقلیں بنائے

جنہیں لوگ دیکھیں اور جہاں لوگ اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کے نام کی بلندی کے لئے وقف کر دیں۔ انسان کو یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ میں اپنے دل میں محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو لا کر بٹھاؤں تا محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ اور تصویر کو دیکھ کر اور لوگ بھی محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظل بننے کی کوشش کریں۔ حالانکہ اگر دُنیا میں ہر جگہ خانۂ کعبہ کے ظل اور اس کی نقلیں نہ ہوں، اگر دُنیا میں ہر جگہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظل اور آپؐ کی نقلیں نہ ہوں تو وہ دُنیا ہرگز رہنے کے قابل نہیں۔ دُنیا تبھی بچ سکتی ہے، دُنیا تبھی زندہ رہ سکتی ہے، دُنیا تبھی ترقی کر سکتی ہے جب ہر ملک کے لوگ خانۂ کعبہ کی نقل میں ایسی جگہیں بنائیں جہاں لوگ اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں اور انسان کوشش کرے کہ ہر خطّۂ زمین پر محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے نظر آئیں۔

بہرحال یہ دُعائیں ہیں جو خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ مَیں اس وقت اسی پر بس کرتا ہوں۔ اگر میری تقریر کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے بعض تقریریں ضائع ہو گئی ہیں تو بیشک ہو جائیں۔ ہمارا مقصد اس جلسہ میں تقریریں کرنا نہیں بلکہ دُعائیں کر کے اس مقام کو بابرکت بنانا ہے۔ مَیں نے دُعائیں سکھا دی ہیں۔ یوں انسان کے ذہن میں دُعائیں نہیں آتیں۔ مگر نبیوں کے ذہن میں جو دُعائیں آتی ہیں وہ نہایت کامل ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے دل میں ایسے وقت میں جو خیالات آئے اور جو کچھ ان مقدّس مقامات کے فرائض اور ذمّہ داریاں ہیں اور کامیابی کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے جن فضلوں کی ضرورت ہے ان تمام چیزوں کو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے اور اب آپ سب لوگ میرے ساتھ مل کر دُعا کریں۔ یہ زمین ابھی ہمیں پورے طور پر ملی نہیں۔ ہم تفاؤل کے طور پر اسے اپنا مرکز بناتے ہیں اور دُعاؤں کے ساتھ اسے اپنا مذہبی مقدس مقام قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اس مقام کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کریں اور ہمیشہ دینِ اسلام کی خدمت اور خدا تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لئے اسے استعمال کرنے کی کوشش کریں۔

پس آؤ جس طرح محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے

اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی کہ اے خدا میں ابراہیم کی طرح تجھ سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ تو مدینہ کو بھی اسی طرح برکتیں دے جس طرح تو نے مکہ کو برکتیں دی ہیں۔ اسی طرح ہم بھی اس مقام کے بابرکت ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کریں۔ ہم محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہیں لیکن محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ضرور ہیں۔ اور جہاں آقا جاتا ہے وہاں خادم بھی جایا کرتا ہے۔ گورنر کی جب کسی جگہ دعوت ہو تو اس مقام پر گورنر کا چپڑاسی پہنچ جایا کرتا ہے پس محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم ہونے کی حیثیت سے ہمارا بھی خدا پر حق ہے اور ہم بھی خدا تعالیٰ کو اس کا یہ حق یاد دلاتے ہوئے اس سے کہتے ہیں کہ اے خدا! جس طرح تُو نے مکہ اور مدینہ اور قادیان کو برکتیں دیں اسی طرح تو ہمارے اس نئے مرکز کو بھی مقدس بنا اور اسے اپنی برکتوں سے مالا مال فرما۔ یہاں پر آنے والے اور یہاں پر بسنے والے، یہاں پر مرنے والے اور یہاں پر جینے والے سارے کے سارے خدا تعالیٰ کے عاشق اور اس کے نام کو بلند کرنے والے ہوں اور یہ مقام اسلام کی اشاعت کے لئے، احمدیت کی ترقی کے لئے، رُوحانیت کے غلبہ کے لئے خدا تعالےٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے، محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اُونچا کرنے کے لئے اور اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے بہت اہم اور اُونچا اور صدر مقام ثابت ہو۔

پس آؤ ہم دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ اس مقام کو ہمارے لئے بابرکت کرے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم منشائے ابراہیمی، منشاء محمدی اور منشاء مسیح موعود کے مطابق اس مقام کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے ایک بہت بڑا مرکز بنائیں اور خدا تعالےٰ کے فضل ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ ہم نے اس مقام کو اشاعت اسلام کے لئے مرکز قرار دے کر جو ارادے کئے ہیں وہ پُورے ہو جائیں۔ کیونکہ سچی بات یہی ہے کہ ہم نے جو ارادے کئے ہیں اُن کو پُورا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

(اس کے بعد حضور نے ان ہزار ہا مخلصین کے ساتھ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس مقدس اجتماع میں شریک ہونے کی توفیق بخشی تھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اُٹھا کر ایک لمبی دُعا کی اور پھر فرمایا)

اب مَیں سجدہ میں گر کر دُعا کرتا ہوں کیونکہ مسجد دُعا کے لئے ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ اگر جگہ نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے کی پیٹھوں پر بھی سجدہ کر سکتے ہیں۔

(یہ الفاظ کہتے ہی حضور سجدہ میں گر گئے اور حضور کے ساتھ ہی ہزاروں مخلصین جو اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کے لئے دُور و نزدیک سے تشریف لائے ہوئے تھے وہ بھی سربسجود ہو گئے اور ربّ العرش سے اس مقام کے بابرکت ہونے کے متعلق آنسوؤں کی جھڑی اور آہ و بکا کے شور کے ساتھ دُعائیں کی گئیں)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ [1]

الفضل کی خصوصی اشاعت

۱۵ ماہ شہادت اپریل کو ادارہ الفضل نے "الفضل" کا ایک ربوہ نمبر نکالا جس میں ہجرت اور مرکز ربوہ اور جلسہ ربوہ کے متعلق مضامین اور نظمیں شائع کیں۔ ہجرتِ پاکستان کے بعد روزنامہ الفضل کا یہ پہلا خصوصی شمارہ تھا جو جماعت کی پُرمسرت اور مقدس تقریب افتتاح پر منظر عام پر آیا اور جو ایک نئے موسم بہار کی آمد کا پتہ دیتا تھا

خطبہ جمعہ میں جماعت کو ہمیشہ مرکزیت سے وابستہ رہنے کی مؤثر تحریک

امام ہمام کی اس پُرمعارف اور ولولہ انگیز تقریر کے بعد حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انگلستان و امریکہ، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے مؤثر تقاریر فرمائیں۔ ۲ بجے سے ۴ بجے جمعہ و عصر کی نمازیں پڑھی گئیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں مخلصین جماعت کے سامنے شہد کی مکھی کے تعجب خیز نظام کی مثال بیان فرمائی اور نہایت دلکش پیرایہ میں یہ نصیحت فرمائی کہ ہمیشہ اس بات کو یاد رکھو کہ تم نے بے مرکز نہیں رہنا۔ اسلام کا غلبہ اور احمدیت کی ترقی مرکزیت ہی کے ساتھ وابستہ ہے [2]

خطبہ جمعہ اور نماز کی ادائیگی کے بعد پہلے دن کا اجلاس دوم منعقد ہوا جس میں مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج اور حضرت

---

[1] الفضل جلسہ سالانہ نمبر ۹ ۱۳۳۹ ہش / ۱۹۶۰ء صفحہ ۵ تا ۱۳

[2] مفصّل خطبہ الفضل ۸ احسان / جون ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء میں شائع شدہ ہے۔

مولانا جلال الدین صاحب شمس نے مختلف علمی موضوعات پر پُر از معلومات تقریریں کیں۔ ایک مختصر سی تقریر جرمن نومسلم ہر عبد الشکور کنزے کی بھی ہوئی [۱]

مجلس مشاورت کا انعقاد ساڑھے نو بجے شب مجلس مشاورت ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ہوئی جو بارہ [۱۲] بجے شب تک جاری رہی۔ اجلاس میں پاکستان کی اکثر احمدی جماعتوں کے نمائندے موجود تھے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آیندہ سال کے لئے قریباً اٹھارہ لاکھ روپیہ کا میزانیہ منظور فرمایا۔ اور تاجروں کو نصیحت فرمائی کہ وہ حکومت کے ٹیکس اور جماعتی چندے دیانت داری کے ساتھ اپنی صحیح اور اصل آمد کے حساب سے ادا کیا کریں۔ اس تعلق میں حضور نے اپنی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک سودے کے سلسلہ میں ہمیں سو روپیہ ٹیکس ادا کرنا تھا۔ مگر ہمیں کہا گیا کہ اگر آپ رسید نہ لیں تو اس ٹیکس سے بچ سکتے ہیں۔ مگر میں نے کہا کہ ہم اپنی بچت کا ہرگز خیال نہیں کریں گے اور یہ ٹیکس ضرور ادا کریں گے حضور نے فرمایا۔ اب تو ملک میں ہماری اپنی حکومت ہے۔ کیا ہم اپنی حکومت کو بھی ٹیکس نہ دیں۔ [۲]

حضرت امیر المومنین مصلح موعود کا خواتین احمدیت سے پُر اثر خطاب جلسہ کے دوسرے روز (۱۶ شہادت/اپریل) کو صبح آٹھ بجے حضرت مصلح موعود نے جماعت احمدیہ کی خواتین سے نہایت اثر انگیز اور مسحور کن خطاب فرمایا جس کے شروع میں حضور نے بتایا کہ اس جلسہ کی غرض و غایت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ جلسہ تقریروں کا نہیں، دُعاؤں کا ہے۔ اس تمہید کے بعد حضور نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے صبر و استقامت کے بعض نہایت ایمان افروز واقعات بیان فرمائے اور بتایا کہ انبیاء کی جماعتیں ہمیشہ تکلیفوں سے عزت پاتی ہیں۔ پس اپنے نفس میں اور اپنی اولاد میں دین کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔ وہی عورت عزت کی مستحق ہے جو بچہ نہیں جنتی شیر جنتی ہے، جو انسان نہیں جنتی فرشتہ جنتی ہے۔ یہی وہ کام ہے جو صحابیات نے کیا۔ اور یہی تمہارے لئے حقیقی نمونہ اور حقیقی راہ نما ہے [۳]

---

[۱] الفضل ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۸

[۲] " " " صفحہ ۵

[۳] مفصل تقریر رسالہ "مصباح" بابت مئی ۱۹۵۰ء میں چھپ گئی تھی

جلسہ گاہ کا ایک قیمتی فوٹو

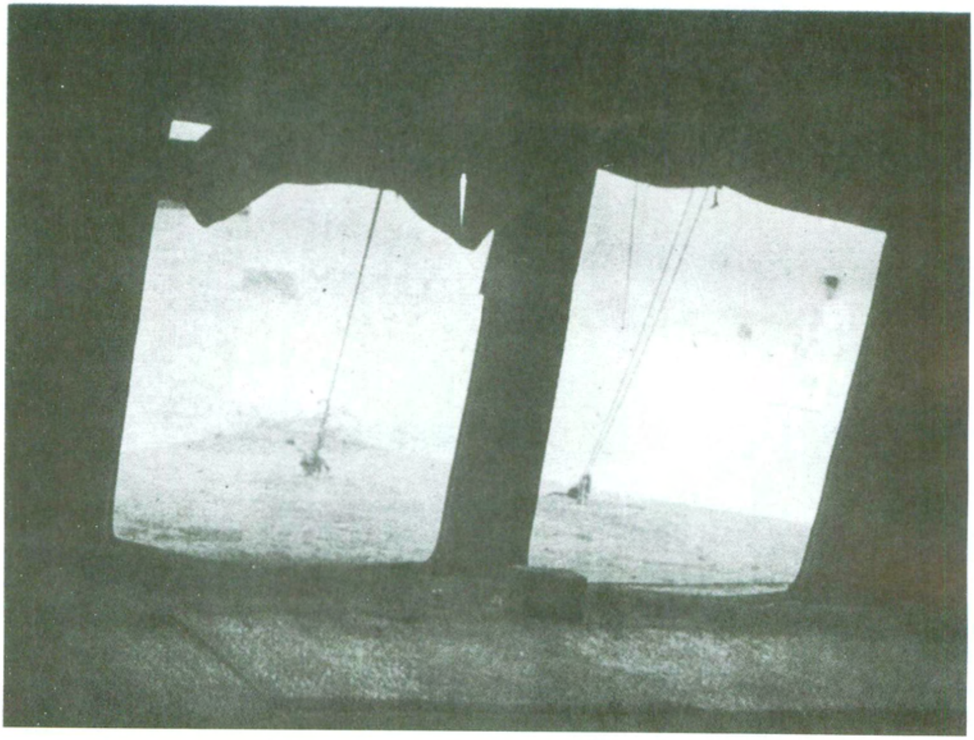

اوپر نماز گاہ (جہاں بعد میں یادگاری مسجد تعمیر ہوئی) نیچے پہلا لنگر خانہ

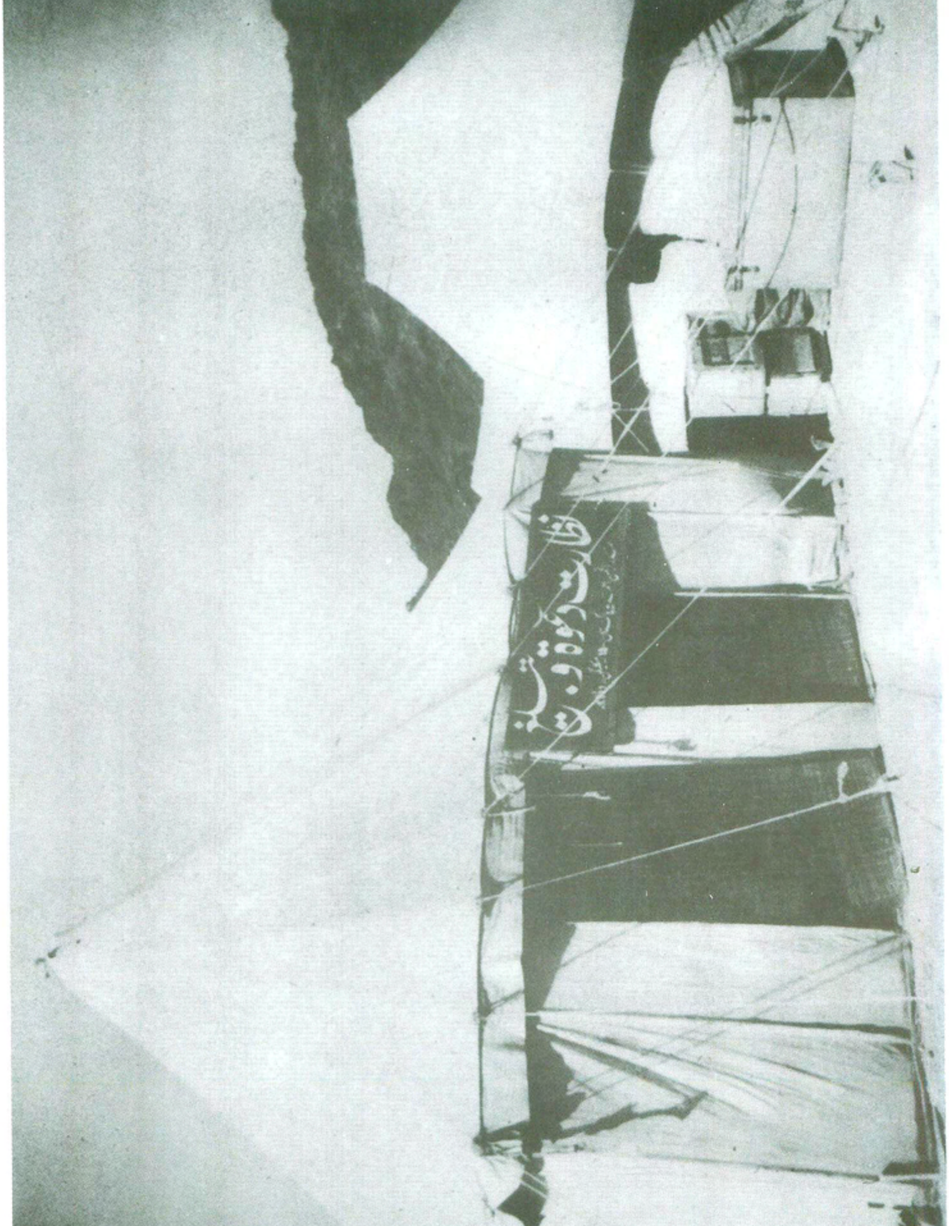

حضرت امیر المومنین کی مردانہ جلسہ گاہ میں نہایت پُر معارف تقریر

اُس وقت جب کہ حضور پُرنور نے خواتین احمدیت سے خطاب فرمایا مردانہ جلسہ گاہ میں اجلاس اوّل کی کارروائی ساڑھے دس بجے تک جاری رہی جس میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی بی اے ایل ایل بی قاضی محمد نذیر صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ اور ابوالبشارت مولوی عبدالغفور صاحب کی عالمانہ تقریریں ہوئیں۔ دوپہر کے وقفہ کے بعد حسب پروگرام نماز ظہر و عصر جمع کی گئیں اور ۳ ل ۱۲ بجے سہ پہر کے قریب حضرت امیر المومنین جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے اور حضور پُرنور نے تلاوت قرآن کے بعد جو ماسٹر نقیر اللہ صاحب نے کی اپنی پُرمعارف تقریر شروع فرمائی۔

ابتداء میں حضور نے قادیان سے نکلنے کے پس منظر پر کسی قدر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے قادیان کی واپسی سے متعلق خدائی وعدوں کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں ہمارے اصل مرکز قادیان سے دوامی طور پر جدا نہیں رکھ سکتی۔ ہم نے خدائی ہاتھ دیکھے ہیں اور آسمانی فوجوں کو اترتے دیکھا ہے اگر ساری طاقتیں بھی مل کر خدائی تقدیر کا مقابلہ کرنا چاہیں تو وہ یقیناً ناکام رہیں گی۔ اور وہ وقت ضرور آئے گا کہ جب قادیان پہلے کی طرح پھر جماعت احمدیہ کا مرکز بنے گا خواہ صلح کے ذریعہ اس کا ظہور میں آئے یا جنگ کے ذریعہ۔ بہرحال یہ خدائی تقدیر ہے جو اپنے معیّن وقت پر ضرور پوری ہوگی۔ قادیان ملے گا اور ضرور ملے گا لیکن اس وقت اس چیز کی ضرورت ہے کہ ہم نئے مرکز میں نئی زندگی کا ثبوت دیں۔ اور اس تنظیم کو پہلے سے زیادہ شان کے ساتھ قائم کریں جو آج تک ہمارا طرۂ امتیاز رہی ہے۔

اس کے بعد قادیان سے ہجرت کے متعلق مزید تفصیلات بیان کرنے سے قبل حضور نے تنظیم سے متعلق بعض نہایت اہم امور کی طرف توجہ دلائی اور جماعت کو زیادہ دلجمعی استقلال اور قربانی و ایثار سے کام لیتے ہوئے فرائض ادا کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ فرمایا تبلیغی جماعتوں کی ترقی اور تنظیم میں اچھے لٹریچر کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جماعت کی طرف سے انگریزی ترجمہ قرآن شائع کیا گیا تھا لیکن احباب نے اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ غیر ممالک کے باشندوں میں تبلیغ کا اس سے موثر طریق اور کیا ہو سکتا ہے۔ شام۔ شرق اردن وغیرہ ممالک کے اخبارات نے اس ترجمہ قرآن مجید پر نہایت شاندار ریویو شائع کئے ہیں اور یورپین مستشرقین

ل۔ آپ کی مکمل تقریر الفضل ۶-۷-۱۰-۱۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء میں چھپ چکی ہے۔

میں اس کی اشاعت سے ایک کھلبلی مچ گئی ہے اور ان میں سے کئی نے جماعت احمدیہ کی اس کامیاب کوشش کے خلاف بہت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اس لئے احباب کو انگریزی ترجمہ قرآن مجید خرید کر خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اسیطرح تفسیر کبیر کی نئی جلدوں کی اشاعت میں پہلے کی نسبت کمی واقع ہوگئی ہے حالانکہ اس کی پہلی جلد بعد میں ایسی نایاب ہوئی کہ خود غیر احمدیوں نے سو سو روپے فی جلد خرید کر اس کا مطالعہ کیا آج کل آخری پارے کی آخری جلد لکھی جا رہی ہے۔ دوستوں کو اس کی خریداری میں تامل نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ تامل مہنگا ثابت ہو۔

الفضل کے متعلق تحریک کرتے ہوئے حضور نے فرمایا الفضل ایک جماعتی اخبار ہے دوستوں کو چاہیئے کہ اس کی خریداری بڑھائیں۔ جہاں جہاں جماعتیں ہیں وہاں باقاعدہ ایجنسیاں قائم کی جائیں اور اسطرح اس کی اشاعت کو وسیع کیا جائے۔

وقف زندگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا فی زمانہ سلسلہ کی اہم ترین ضروریات میں سے ایک وقف زندگی کی تحریک ہے۔ بغیر وقف زندگی کے جماعت کے کام نہیں چل سکتے۔ اس لئے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ خدمت اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اور اس طرح اسلام کو تمام دنیا میں غالب کرنے کے سامان بہم پہنچائیں۔

اس موقع پر حضور انور نے بیرونی ممالک میں وقف زندگی کے فروغ کا بھی ذکر فرمایا۔ اور بتایا کہ بیرونی ممالک کے نومسلم احمدی نوجوانوں میں یہ تحریک بہت زور پکڑ رہی ہے چنانچہ ان میں سے کئی نوجوانوں نے قبول حق کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگیاں خدمت اسلام کے لئے وقف کی ہیں۔

اس ضمن میں حضور نے بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی جدوجہد میں وسعت کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرمایا اگرچہ ہمیں یہاں پر ایک زبردست ابتلاء سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے نعم البدل کے طور پر بیرونی ممالک میں ہماری تبلیغ کو بہت وسیع کر دیا ہے اس کے بعد حضور نے ہر ملک میں تبلیغ کی رفتار اور اس کے خوشکن نتائج پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی۔

اس کے بعد حضور نے تحریک فرمائی کہ احباب جماعت کو آئندہ مرکز میں بار بار آنے کی کوشش کرنی چاہیئے بار بار آنے سے نہ صرف یہ کہ مرکز سے ان کا تعلق مضبوط ہوگا بلکہ وہ ترقی کی سکیموں اور دیگر جماعتی سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رہیں گے۔ اور ان کا کثرت کے ساتھ یہاں آنا ان

کے ایمان اور اخلاص میں ترقی کا موجب ہوگا اس مقام پر حضور نے ریلوے حکام کے تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے احباب جماعت کو ہدایت فرمائی کہ وہ جب بھی آئیں حتی الوسع ریل کے ذریعہ ہی سفر کریں۔ تاکہ ریل کی آمدن ایسی دکھائی جا سکے جس سے ریلوے سٹیشن کا قیام ریلوے کے لئے ہر لحاظ سے نفع رساں ثابت ہو۔

ربوہ میں زمین خرید کر مستقل رہائش اختیار کرنے والوں کو حضور نے تنبیہہ فرمائی کہ ہم اس مرکز کو اسلامی تہذیب و تمدن اور معاشرت کا ایک مثالی نمونہ بنانا چاہتے ہیں اس لئے جو لوگ بھی مکان بنا کر مستقل طور پر یہاں رہنا چاہیں گے انہیں بعض شرائط اور قواعد و ضوابط کی پابندی کرنی ہوگی مثلاً ہر شخص کو خواہ اسکی تجارت کو نقصان ہو یا اس کے کاروبار پر اس کا اثر پڑے سال میں ایک ماہ خدمت دین کے لئے ضرور وقف کرنا ہوگا۔ ہر بچے اور بچی کے لئے سکول میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنی ضروری ہوگی۔ اور ہر فرد بشر کے لئے اسلامی اخلاق کو اس حد تک اپنانا ضروری ہوگا کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بن سکے۔ مثلاً نماز باجماعت کی پابندی، ڈاڑھی رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ جو شخص ان چیزوں کی پابندی نہ کرے گا اسے ربوہ میں رہنے کی قطعاً اجازت نہ دی جائے گی۔[۱]

ان امور کی طرف توجہ دلانے کے بعد فرمایا:۔

"میرے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ہم دماغی ترقی کی طرف خاص طور پر توجہ دیں۔ اس وقت تک جو کتابیں ہماری جماعت کی طرف سے شائع ہوئی ہیں وہ کسی تنظیم کے بغیر شائع ہوئی ہیں۔ سوائے تفسیر کبیر کے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ جماعت کا ہر فرد وقتی ضرورتوں کے ماتحت ایک خاص پروگرام کے ماتحت چلے اور اس طرح ترقی کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ میں نیا مرکز بن جانے کے بعد ایک خاص نظام قائم کروں تا جماعت کے افراد کی خاص طور پر تربیت ہو۔ اور اخلاق، عقاید، مذہب اور دیگر دنیوی علوم پر ہر آدمی آسانی کے ساتھ عبور حاصل کر سکے۔ اور اس کا یہی طریق ہے کہ آسان اردو میں ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو ہر مضمون کے متعلق ہوں اور علمی

---

[۱] الفضل ۲۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۔ [۲] ایضاً الفضل ۱۶ جون ۱۹۶۱ء صفحہ ۳

مطالب پر حاوی ہوں۔ اور ایسی سیدھی سادی زبان میں ہوں کہ معمولی زمیندار بھی انہیں سمجھ سکیں۔ ... ... وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جس کے صرف چند افراد عالم ہوں ہم نے اگر ترقی کرنا ہے تو ہمیں اپنی جماعت کے علم کے درجہ کو بلند کرنا ہوگا۔ اس کا طریق یہی ہے کہ کتب کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس میں دُنیا کے تمام موٹے موٹے علوم آجائیں اور وہ بچوں، درمیانی عمر والوں اور پختہ کار لوگوں غرض سب کے لئے کافی ہوں۔ اس کے تین سلسلے ہوں گے۔ پہلا سلسلہ مڈل سے نیچے پڑھنے والے بچوں کے لئے یا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا سلسلہ ۱۴ سال سے کم عمر والے بچوں کے لئے ہوگا۔ دوسرا سلسلہ انٹرنس پاس یا سولہ سترہ سال تک کے بچوں کے لئے ہوگا۔ اور تیسرا سلسلہ اس سے اوپر عمر والوں اور پختہ کار لوگوں کے لئے ہوگا۔ یہ کتابیں ایسی سلیس اردو میں لکھی جائیں گی کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اردو لکھنے والا بھی اسے سمجھ سکے۔ اسطرح میری رائے یہ ہے کہ یہ کتابیں اس طرز پر لکھی جائیں کہ پہلی کتاب ۵۰ صفحات کی ہو۔ دوسری ۸۰ صفحات کی ہو اور تیسری کتاب اوسطاً سوا سو صفحات پر مشتمل ہو۔ اور پھر ہر وہ کتاب جو سولہ سترہ سال تک کے افراد کے لئے ہو وہ سولہ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو اور ہر وہ کتاب جو اس سے اوپر والے افراد کے لئے ہو۔ وہ ۳۵ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو اور اس لئے کہ لکھنے والے ان کتابوں کو غور سے لکھیں اور مطالعہ کر کے لکھیں ان کے لئے ایک خاص رقم بطور انعام مقرر کی جائے گی۔ تاکہ وہ اس علم کی کتابیں مطالعہ کر کے مضمون لکھیں اور ایسی سلیس اردو میں لکھیں کہ ہر معمولی خواندہ اسے سمجھ سکے۔ میرا خیال ہے کہ ہر اس کتاب کے لئے جو پچاس صفحات کی ہو پچاس روپے سے ایک سو روپیہ تک کا انعام رکھا جائے۔ ... ... ان کتب کی خصوصیات یہ ہوں گی کہ

۱۔ ان میں تمام قسم کے علوم کے متعلق باتیں ہوں گی

۲۔ یہ سلیس اردو میں ہوں گی جسے ایک معمولی اردو جاننے والا بھی سمجھ سکے۔

۳۔ ان میں کسی قسم کی اصطلاح استعمال نہیں کی جائے گی۔ ان اصطلاحوں کی وجہ سے مضمون سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ... ...

لیکن چونکہ کبھی کبھی بعض شوقین لوگ علمار کی مجلس میں بھی چلے جائیں گے اور ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس لئے حاشیہ میں ان اصطلاحات کا بھی ذکر کر دیا جائے گا۔ اس طرح اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بر کلے اور کانٹ نے کیا کہا ہے۔ بلکہ کتاب کے حاشیہ میں ہی یہ لکھا ہوا ہوگا کہ بر کلے اور کانٹ کا یہ مقولہ ہے یا یہ فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ غرض جب بھی وہ چاہے اپنے عام علم کو اصطلاحی علم میں بدل لے۔ یا سیدھی سادھی اردو میں پڑھ لے۔ غرض ہر صفحہ کے نیچے ہر ایک امر کا حوالہ دیا جائے گا تا حسن کو شوق ہو تحقیق کر سکے۔ اس سلسلہ کی کئی کڑیاں ہوں گی ۔

اوّل۔ بچوں کے لئے یعنی ابتدائی تعلیم سے مڈل تک کے بچوں کے لئے مگر اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہوں۔ جو معمولی لکھنا پڑھنا ہی جانتے ہوں۔

دوم۔ بڑے بچوں کے لئے یعنی ہائی سکولوں کے طالبعلموں کے لئے

سوم۔ بڑوں کے لئے قطع نظر اس کے کہ وہ کالجوں میں پڑھتے ہوں یا انہوں نے خود تحقیق کی ہو۔

چہارم۔ محض لڑکیوں کے لئے

پنجم۔ محض لڑکوں کے لئے

ششم۔ محض مردوں کے لئے

ہفتم۔ محض عورتوں کے لئے

ہشتم۔ بیوی کے لئے

نہم۔ میاں کے لئے

دھم۔ اچھے شہری کے لئے

میرے نزدیک مختلف ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سلسلہ کتب میں ان مضامین پر بحث ہونی چاہیئے۔

پہلا سلسلہ ۱۔ ہستی باری تعالےٰ ۲۔ معیار شناخت نبوت ۳۔ دعا۔ قضاء وقدر ۵۔ بعث بعد الموت ۶۔ بہشت و دوزخ ۷۔ معجزات ۸۔ فرشتے ۹۔ صفات الٰہیہ ۱۰۔ ضرورت نبوت اور

شریعت اور اس کا ارتقاء

دوسرا سلسلہ: ۱۔ عبادت اور اس کی ضرورت ۲۔ نماز ۳۔ ذکر ۴۔ روزہ ۵۔ حج۔ ۶۔ زکوٰۃ ۷۔ معاملات ۸۔ اسلامی حکومت ۹۔ اچھے شہری کے فرائض۔ ۱۰۔ ورثہ ۱۱۔ تعلیم۔ ۱۲۔ اخلاق اور ان کی ضرورت ۱۳۔ تربیت افراد میں قوم کا فرض اور اس کی ذمہ داریاں ۱۴۔ ملّت شخص پر مقدم ہے۔ ۱۵۔ خاندان فرد پر مقدم ہے۔ ۱۶۔ حکومت قوم پر مقدم ہے۔ ۱۷۔ حکومت اور رعایا کے تعلقات۔ ۱۸۔ ظاہر و باطن دونوں کی ضرورت اور اہمیت۔ ۱۹۔ اخوت باہمی اور اس کی وجہ سے غریب امیر، عالم جاہل پر ذمہ داریاں۔ ۲۰۔ اسلام کا فلسفہ اقتصادیات ۲۱۔ مظلوم کے حقوق اور ان کا ایفاء اور اس کا طریقہ۔ ۲۲۔ ماں باپ کے حقوق اور ان کی ادائیگی۔ شادی کے بعد ماں باپ اور خاوند بیوی کے حقوق کا تصادم اور اس کا علاج ۲۳۔ میاں بیوی کے باہمی حقوق میاں بیوی کے ایک دوسرے کے والدین کے متعلق فرائض۔ میاں بیوی کے حقوق تربیت اولاد کے متعلق میاں بیوی کے حقوق خاندان کے افراد کے ورثہ کے لحاظ سے۔ آقا اور نوکر کے تعلقات ۲۵۔ تجارتی لین دین اور قرضہ کی ذمہ داریاں اور جائدادوں کے تلف ہونے صورتوں میں اور دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہر فریق کی ذمہ داری ۲۶۔ جہاد ۲۷۔ حفظان صحت جسمانی۔ ۲۸۔ حفظان صحت بحیثیت ماحول۔ ۲۹۔ محنت کی عادت اور وقت کی پابندی۔ ۳۰۔ تبلیغ اور اس کی اہمیت ۳۱۔ چندہ اور اس کی اہمیت۔ ۳۲۔ احمدیت میں ہندوستان اور پاکستان کی خاص اہمیت ۳۳۔ زندگی وقف کرنے کی اہمیت۔

تیسرا سلسلہ: ۱۔ تاریخ مذہب قبل تاریخ۔ ۲۔ تاریخ ہندو مذہب بزمانۂ تاریخ ۳۔ تاریخ بدھ مت ۴۔ تاریخ زرتشت۔ ۵۔ تاریخ مصلحین غیر معروف مثلاً سقراط کنفیوشس وغیرہ ۶۔ تاریخ دنیا قبل از تاریخ۔ ۷۔ تاریخ عرب قبل از تاریخ ۸۔ تاریخ ہند قبل از تاریخ۔ ۹۔ تاریخ علاقہ جات پاکستان قبل از تاریخ

۱۰۔ تاریخ شمالی افریقہ قبل مسیح۔ ۱۱ تاریخ یونان قبل تیسری صدی مسیحی ۱۲۔ تاریخ ایران قبل بادشاہان منیدو فارس۔ ۱۳۔ تاریخ ایران بعد بادشاہان منیدو فارس تا زمانہ عمرؓ ۱۴۔ سیرۃ نبویؐ۔ (اس کی ضرورت میری سیرت سے پوری ہوچکی ہے۔) ۱۵۔ تاریخ خلفاء۔ ۱۶۔ سیرۃ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۷۔ تاریخ احمدیت بزمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ۱۸۔ سیرت حضرت خلیفہ اولؓ ۱۹۔ تاریخ احمدیت (خلافت اولیٰ) ۲۰۔ تاریخ احمدیت خلافت ثانیہ۔ ۲۱۔ تاریخ احمدیت افغانستان ۲۲۔ تاریخ صحابہؓ مسیح موعودؑ۔ ۲۳۔ تاریخ اکابر صحابہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ۲۴۔ تاریخ اکابر اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ۲۵۔ تاریخ صحابیات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ ۲۶۔ تاریخ صحابیات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۲۷۔ تاریخ ہند بزمانۂ اسلام تین حصوں میں۔ ا۔ افغانوں سے پہلے زمانہ کی۔ ب۔ افغانوں کے زمانہ کی۔ ج۔ مغلیہ زمانہ کی۔

۲۸۔ مبلغینِ اسلام ہندوستان ۲۹۔ سوانح صوفیائے کرام ۳۰ تاریخ اسلام اندر یورپ ۳۱۔ تاریخ عرب بعد از چہارم صدی ہجری ۳۲۔ تاریخ اشاعت اسلام مغربی افریقہ ۳۳۔ تاریخ ایبے سینیا۔ ۳۴۔ تاریخ افریقہ وسطی و جنوبی گزشتہ ہزار سال کی ۳۵۔ تاریخ مصر ا۔ قبل از مسیح۔ ب بعد از مسیح ج۔ بعد از زمانہ نبویؐ ۳۶۔ تاریخ قسطنطنیہ ا۔ زمانہ نبویؐ تک ب زمانہ نبوی کے بعد اسلام کے قبضہ تک۔ ۳۷۔ تاریخ ہسپانیہ قبل از تسلطِ اسلام و بعد تسلط ۳۸۔ تاریخ صقلیہ۔ قبل از تسلطِ اسلام و بعد تسلط اسلام۔ ۳۹۔ تاریخ مدراس جنوبی بزمانۂ اسلام ۴۰۔ تاریخ چین بزمانۂ اسلام ۴۱۔ تاریخ ملایا و ملحقہ جزائر بزمانہ اسلام ۴۲۔ تاریخ انڈونیشیا قبل از اسلام و بعد از اسلام ۴۳۔ تاریخ سیلون

قبل از اسلام و بعد از اسلام ۴۴۔ تاریخ بخارا و ملحقات قبل از اسلام و بعد از اسلام ۴۵۔ تاریخ روس از ابتداء تا پندرھویں صدی۔ اور پندرھویں صدی سے لے کر آج تک جس میں خصوصاً اسلام سے اس کے تعلقات پر روشنی ہو۔

۴۶۔ تاریخ مارکسزم ۴۷۔ تاریخ بالشوزم ۴۸۔ تاریخ شمالی امریکہ و جغرافیہ۔ ۴۹۔ تاریخ جنوبی امریکہ و جغرافیہ۔ ۵۰ تاریخ جزائر آسٹریلیا و نیوزی لینڈ وغیرہ۔ ۵۱۔ احوال الانبیاء۔

چوتھا سلسلہ:۔ ۱۔ رسالہ کیمسٹری نا واقفوں کے لئے۔ ۲۔ رسالہ فزکس۔ ۳۔ موٹے موٹے مضامین کے الگ الگ رسالے۔ ۴۔ تاریخ سائنس ۵۔ مسلمانوں کا سائنس میں حصہ۔ ۶۔ قرآن اور علوم ۷۔ اسلام اور علوم ۸۔ علم البحر۔ ۹۔ مسلمانوں کا علم البحر میں حصہ۔ ۱۰۔ فلکیات ۱۱۔ مسلمانوں کا فلکیات میں حصہ۔ ۱۲۔ جغرافیہ عالم ۱۳۔ جغرافیہ میں مسلمانوں کا حصہ۔ ۱۴۔ جغرافیہ طبعیات ۱۵۔ جغرافیہ طبعیات میں مسلمانوں کا حصہ۔ ۱۶۔ درندے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۱۷۔ چرندے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۱۸۔ پرندے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۱۹۔ مکوڑے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات۔ ۲۰۔ رینگنے والے جانور اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۲۱۔ پانی کے اندر کے سانس لینے والے جانور اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۲۲۔ پانی میں رہنے والے لیکن باہر نکل کر سانس لینے والے جانور اور ان کی خصوصیات ۲۳۔ سانپ جانور بری اور بحری اور ان کی خصوصیات۔ ۲۴۔ خوردبینی کیڑے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۲۵۔ انسانی پیدائش موجودہ دور میں مادہ حیات۔ اس کے تغیرات اور اس کی صحت اور بیماری کی حالت اس کے انتقال کا طریقہ اور انتقال کے بعد پیدائش تک کے ادوار ۲۶۔ انسانی جسم کی تشریح ۲۷۔ صحت کی حالت میں اعضائے انسانی کے فرائض

اصولِ لغت ۲۸۔ مختلف بیماریاں اور ان کے اسباب ۲۹۔ علم النباتات ۳۰۔ علم الحیوانات ۳۱۔ منطق ۳۲۔ فلسفۂ منطق ۳۳۔ فلسفہ ۳۴۔ فلسفۂ فلسفہ ۳۵۔ فلسفۂ تاریخ ۳۶۔ طبقات الارض ۳۷۔ ارتقائے نسلِ انسانی ۳۸۔ علم اللسان ۳۹۔ علم النفس ۴۰۔ ارتقائے عالم ۴۱۔ کائنات کے مختلف انواع میں امتیازی نشان ۴۲۔ انسان اور دیگر اشیاء میں فرق۔ ۴۳۔ علم البرق ۴۴۔ کیفیت مادہ۔[1]

"قومی اور ملی خدمات" ایک آزاد شہری کی حیثیت سے احمدی دوستوں پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں حضور نے ان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

دوستوں کو پاکستان کی حفاظت اور دفاع میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ حفاظت نعرے لگانے اور جوش دکھانے سے نہیں ہوا کرتی حفاظت اور استحکام کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ قوم مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جائے۔ لیکن مرنے مارنے کے لئے بھی ڈھنگ اور فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ لوگ فنونِ جنگ سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کریں۔ اور ہر ممکن طریق اور موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نئے مرکز کا قیام اور اس سے وابستگی کی تلقین اس لئے ہے کہ ہم اپنے کام کو وسیع کریں۔

ان قیمتی ہدایات و نصائح کے بعد حضرت امیر المومنین نے فرمایا:۔

" اب میں اپنے اصل مضمون کی طرف آتا ہوں مگر اس سے پہلے میں آپ لوگوں کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ آج سے تقریباً ۲۳۔۲۴ سو سال پہلے کی بات ہے۔ یونان میں ایک شخص ہوا کرتا تھا۔ وہ یہ تعلیم دیا کرتا تھا کہ خدا ایک ہے اور وہ دیویاں اور بُت جن کے لوگ معتقد ہیں باطل ہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ کے فرشتے موجود ہیں۔ اور کائنات کے مختلف کام ان کے سپرد ہیں۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی مرضی اپنے نیک بندوں پر ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے فرشتے اس کے نیک بندوں پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں اس کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جس حکومت کے ماتحت تم رہو اس کے فرمانبردار رہو۔ اگر

---

[1] الفضل ۱۷ احسان/جون ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳

تم نے دُنیا میں امن قائم رکھنا ہے تو تمہیں حکومت سے اپنے مطالبات ہمیشہ امن کے ساتھ منوانے چاہئیں۔ اگر کسی وقت تمہیں اس حکومت پر اعتماد نہ رہے بلکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے مذہبی احکام کے بجالانے میں روک بنتی ہے اور تم پر ظلم ڈھاتی ہے اور جبراً تمہارا مذہب تم سے چھڑانا چاہتی ہے۔ تو تمہیں اس ملک کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور ایسی حکومت کے ماتحت جا کر بس جانا چاہیئے جو خدائی احکام کے بجالانے میں کوئی روک پیدا نہ کرتی ہو۔

یہ ساری تعلیمیں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ شخص کامل طور پر نبی نہیں تھا تو ایک مامور من اللہ یا مجدد کی حیثیت ضرور رکھتا تھا۔ اس کا نام سقراط تھا جب حکومت کو معلوم ہوا کہ وہ حکومت کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔ تو اس پر مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ چلانے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے زہر پلا کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ پرانے زمانہ میں یہ بھی سزا کا ایک طریق تھا۔ کہ جس شخص کو موت کی سزا دی جاتی تھی اسے زہر پلا کر مار دیا جاتا تھا۔ سقراط کی سزا کے لئے کوئی معین تاریخ مقرر نہ ہوئی۔ ہاں یہ بتایا گیا جس دن فلاں جہاز جو فلاں جگہ سے چلا ہے اس ملک میں پہنچے گا تو اس کے دوسرے دن اس کو مار دیا جائے گا۔ سقراط کے ماننے والوں میں بہت سے ذی اثر لوگ بھی تھے۔ وہ اس کے پاس جاتے اور اس پر زور دیتے کہ وہ ملک کو چھوڑ دے اور کسی اور ملک میں جا بسے۔ افلاطون بھی سقراط کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھا۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک دن سقراط کا "فرتیو" نامی شاگرد ان کے پاس گیا۔ وہ اس وقت میٹھی نیند سو رہے تھے ان کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور ان کے جسم سے اطمینان اور سکون ظاہر تھا۔ فرتیو پاس بیٹھ گیا اور پیار سے آپ کا چہرہ دیکھنے لگا۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر کہ آپ نہایت اطمینان سے سو رہے ہیں اس پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آرام سے پاس بیٹھ کر آپ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ آپ کا "فرتیو" نامی شاگرد پاس بیٹھا ہوا ہے اور پیار سے آپ کی طرف دیکھ رہا ہے آپ نے اس سے پوچھا تم کب آئے ہو! اور کس طرح یہاں پہنچے ہو۔ فرتیو نے کہا میں آپ کو

دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ نے کہا تم اتنی جلدی صبح صبح کس طرح آ گئے! فریتو نے کہا جیل کے افسر میرے دوست ہیں۔ اس لئے اندر آنے کی مجھے اجازت مل گئی ہے۔ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہو۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔ فریتو نے کہا میں جب کمرے میں داخل ہوا تو آپ سوئے ہوئے تھے اور آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس لئے میں نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس بات کا مجھ پر گہرا اثر ہوا کہ وہ شخص جس کی موت کا حکم سنایا گیا ہو کیسے اطمینان اور سکون سے سویا ہوا ہے۔

سقراط نے کہا میاں کیا خدا تعالے کی مرضی کو کوئی انسان دور کر سکتا ہے؟ فریتو نے کہا نہیں۔ سقراط نے کہا کیا تم اس کی مرضی پر خوش نہیں؟ فریتو نے کہا ہاں ہم اس کی مرضی پر خوش ہیں۔ سقراط نے کہا جب خدا تعالے نے میرے لئے موت کو مقدر کیا ہے تو اس کو کون ہٹا سکتا ہے؟ اور جب خدا تعالے نے ہی میرے لئے موت مقدر کی ہے اور میں اس کی رضا پر راضی ہوں تو پھر اس پر بے چینی کی کیا وجہ؟ مجھے تو خوش ہونا چاہیئے کہ میرے خدا کی یہ مرضی ہے کہ وہ مجھے موت دے۔ فریتو تم بتاؤ کہ اس وقت تم مجھے کیا کہنے آئے تھے۔ فریتو نے جواب دیا میرے آقا میں آپ کو ایک بڑی خبر دینے آیا تھا کہ وہ جہاز جس کی آمد کے دوسرے دن آپ کو زہر پلائے جانے کا فیصلہ ہے وہ گو ابھی تک پہنچا تو نہیں لیکن خیال ہے کہ آج شام کو پہنچ جائے گا اس لئے کل آپ کو مار دیا جائے گا۔ اس پر سقراط ہنس پڑے اور کہا کہ میرا تو خیال نہیں کہ وہ جہاز آج پہنچے۔ وہ کل یہاں پہنچے گا۔ فریتو نے کہا وہ جہاز فلاں جگہ پر لگا ہوا ہے اور ایک آدمی خشکی کے ذریعہ یہاں آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ وہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا۔ کل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سقراط نے کہا فریتو بے شک اس شخص نے یہ بتایا ہے کہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا لیکن جب خدا تعالے نے بتایا ہے کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا تو ویسا ہی ہوگا۔ فریتو نے کہا میرے آقا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا۔ سقراط نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک خوبصورت عورت میرے

پاس آئی ہے اس نے میرا نام لیا اور کہا تیار رہو جہاز میں پرسوں جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ فریتو کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ جہاز آج شام کو یہاں پہنچ جائے گا۔ اور اگر جہاز آج یہاں پہنچ جائے تو کیا کل مجھے سزا دے دی جائے گی۔ لیکن فرشتے نے مجھے کہا ہے کہ پرسوں تمہارے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اس لئے جہاز آج نہیں آسکے گا کل آئے گا۔ اور پرسوں مجھے مار دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک طوفان آیا اور جہاز کو راہ میں ٹھہرنا پڑا۔ اور دوسرے دن وہ اس شہر میں پہنچ سکا اور تیسرے دن وہ مارے گئے۔

آپ کی بات سننے کے بعد اس شاگرد نے کہا آپ کیوں ضد کر رہے ہیں۔ کیا آپ کو ہم پر رحم نہیں آتا اگر آپ زندہ رہیں گے تو ہمیں آپ سے بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ اگر آپ یہاں سے بھاگ جائیں اور کسی اور حکومت کے زیر سایہ رہنا شروع کر دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ سقراط نے میں اس ملک سے کس طرح بھاگ سکتا ہوں کیا میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔ اگر میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں تو لوگ کہیں گے سقراط عورتوں کا لباس پہن کر بھاگ گیا یا پھر کسی جانوروں کی کھال میں لپٹ کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔ کیا اس سے میری عزت ہو گی؟ فریتو نے کہا میرے آقا یہ ٹھیک ہے لیکن لیکن ہم ان چیزوں کے بغیر آپ کو نکال لیں گے۔ میں ایک مالدار آدمی ہوں اور فوج افسر میرے تابع ہیں میں نے ان سے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ میری اس بارہ میں مدد کریں گے۔ اور آپ کو عزت کے ساتھ کسی اور ملک میں چھوڑ آئیں گے۔ جن میں سے اس نے کو میٹ کا نام بھی لیا۔ سقراط نے کہا پھر تم جانتے ہو کیا ہوگا ایک بھاری رقم بطور تاوان ڈالی جائے گی اور جب ایسا ہوگا تو فریتو تم ہی بتاؤ کیا یہ اچھی بات ہو گی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو تباہ کر دوں فریتو نے کہا میرے آقا آپ اس کا خیال نہ کریں۔ آپ کے شاگرد بہت سے ہیں اور یہ رقم ہم آپس میں بحصہ رسدی تقسیم کر لیں گے سقراط نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن جب حکومت کو پتہ چلا تو وہ سب کو قید کرے گی۔ فریتو نے کہا ہاں آقا مگر

وہ کچھ مدت کے بعد ہمیں چھوڑ دے گی۔ سقراط نے کہا مگر کیا یہ اچھی بات ہوگی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے شاگردوں کو قید خانہ میں ڈلواؤں۔ فریطو نے کہا مگر آپ سوچیئے آپ روحانیت کی تعلیم دیں گے اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف لائیں گے۔ یہ کتنا بڑا کام ہے اس کے لئے اگر ہم قید میں بھیجے گئے تو کیا ہوا۔ سقراط نے کہا یہ بات ٹھیک ہے اور شاید یہ بات سوچنے کے قابل ہو۔ مگر فریطو میں جو ۸۵ سال کا ہوگیا ہوں اگر کسی ملک میں جاتے ہوئے رستہ میں مر جاؤں تو سمجھدار عقلمند کہے گا کہ میں نے یونہی مفت میں تباہی ڈال دی۔ پھر انہوں نے کہا اے میرے شاگرد تم بتاؤ تو سہی میں تمہیں اس حکومت کے بارہ میں جس کے تحت تم رہتے ہو کیا تعلیم دیا کرتا تھا؟ فریطو نے کہا آپ ہمیں یہی تعلیم دیا کرتے تھے کہ اس حکومت کا ہمیشہ فرمانبردار رہنا چاہیئے۔ سقراط نے کہا اب تم ہی بتاؤ کہ میں اس چیز کی ساری عمر تعلیم دیتا رہا۔ اب اگر میں موت کے ڈر سے اس ملک سے بھاگ جاؤں تو دنیا یہی کہے گی نا کہ میں یہاں کی زندگی میں جھوٹے دعوے کیا کرتا تھا پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا حکومت ظالم ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے اس ملک سے نکلنا پڑا۔ اس کے قانون کو توڑنا جائز ہے؟ دنیا کی کوئی حکومت اپنے آپ کو ظالم نہیں کہتی۔ اگر میں یہاں سے پوشیدہ کسی اور ملک میں بھاگ جاؤں تو میری بات دوسروں پر کیا اثر کرے گی۔ ہر ایک یہی کہے گا کہ یہ تو وہی بات ہے جس پر اس نے خود عمل نہیں کیا۔ میں اس حکومت میں پیدا ہوا اور دعوے کے بعد چالیس سال تک اس ملک میں رہا کیا چالیس سال کے عرصہ میں میرے لئے اس ملک کو چھوڑ جانے کا موقع نہ تھا۔ حکومت یہ کہے گی کہ اگر ہم ظالم تھے تو یہ چالیس سال کے دوران میں کیوں باہر نہیں چلا گیا۔ بلکہ یہ تو ہمارے انصاف کا اتنا قائل تھا کہ یہ شہر سے باہر کبھی نہیں نکلتا تھا۔ میں ان باتوں کا کیا جواب دوں گا۔ غرض اس نے ایک لمبی بحث کے بعد کہا۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں یہیں رہوں گا۔ اور حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوں گا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے سقراط کا یہ دعویٰ تھا کہ اسے الہام ہوتا ہے اور اس نے اپنے الہام کی ایک مجسم صورت کو پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جیسا کہ

نہیں پہنچے گا کل پہنچے گا۔ میرے خدا نے مجھے کہا ہے کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے پرسوں کھول دیئے جائیں گے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شخص خدا تعالیٰ سے تائید حاصل کرنے والا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے نکلنے کا نام نہیں لیا۔ ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں قادیان سے باہر کیوں نکلا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے قادیان سے نکلنا نہیں چاہیئے تھا۔ اور میں نے خود بھی کہا تھا کہ میں قادیان سے نہیں نکلوں گا۔ بلکہ میں نے بتایا ہے کہ سقراط جو ایک مامور من اللہ تھا اس کی زندگی میں بھی ایک واقعہ پیش آیا۔ اور اس نے اپنے شہر سے نکلنے سے انکار کر دیا۔[1]

جیسا واقعہ سقراط کو یونان میں پیش آیا ایسا ہی واقعہ مجھے قادیان میں پیش آیا۔

ایک اور واقعہ بھی ہے جو ہمیں ایک اور نبی اللہ کے متعلق ملتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ فیصلہ تھا کہ وہ یہود کی بادشاہت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔ مگر آپ پر ایک وقت ایسا آیا جب سارا ملک آپ کا دشمن ہو گیا اور اس کی دشمنی ایک خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ یہودیوں نے حکومت کے نمائندوں کے پاس آپ کے متعلق شکایتیں کیں اور آپ کو پکڑوا دیا گیا۔ اور آخر حکام کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا گیا کہ آپ باغی ہیں جس طرح یونان کے مجسٹریٹوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سقراط باغی ہے اسی طرح فلسطین کے مجسٹریٹوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام باغی ہیں۔ دونوں کے متعلق ایک ہی قسم کا الزام تھا۔ سقراط کے پاس جب ان کے شاگرد گئے اور آپ کو انہوں نے کہا کہ آپ ملک سے نکل جائیں۔ تو سقراط نے کہا نہیں نہیں میں اس ملک سے باہر نہیں نکل سکتا۔ خدا تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہاں رہوں اور زہر کے ذریعہ مارا جاؤں اگر میں اس ملک سے باہر نکلتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں۔ ادھر حضرت مسیح علیہ السلام کو جب یہ کہا گیا کہ آپ کو پھانسی پر لٹکا کر مارا جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں کوئی تدبیر کروں گا تا کسی طرح سزا سے بچ جاؤں۔ اور مسیح علیہ السلام نے تدبیر کی اور جیسا کہ آپ کو پہلے بتا دیا گیا تھا آپ کو دو تین دن تک قبر میں رکھا گیا اور پھر وہاں

---

[1] روزنامہ الفضل مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۶۱ء ص۳

سے سلامت نکال لیا گیا آپ اپنے حواریوں سے ملے اور انجیل کے بیان کے مطابق آپ آسمان پر اڑ گئے لیکن دنیوی تاریخ کے مطابق آپ نصیبین، ایران اور افغانستان کے رستہ ہوتے ہوئے ہندوستان چلے آئے پہلے آپ مدراس گئے پھر آپ گورکا بجلا ئٹ پھر کانگڑہ کی طرف چلے گئے مگر وہاں موسم اچھا نہ پا کر آپ تبت کے پہاڑوں کے راستہ سے کشمیر چلے گئے۔ گویا ایک طرف یہ مثال پائی جاتی ہے کہ مامور من اللہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے مار دیا جائے۔ اس کے ساتھی اسے نکالنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں اور پولیس بھی ان کے اس کام کیا ہمدردی کرتی ہے مگر وہ انکار کر دیتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے اصرار کے باوجود یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ یہاں سے کسی اور ملک میں جانے کے لئے تیار نہیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آتا ہے وہ بھی مامور من اللہ اور خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے اور جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں کہ سقراط بھی ایک مامور من اللہ تھا۔ دونوں ایک ہی منبع سے علم حاصل کرنے والے تھے۔ ایک ہی قسم کا کام ان کے سپرد تھا۔ لیکن ایک کو جب کہا جاتا ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا اور خدا تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہیں مارا جاؤں اگر میں یہاں سے نکلتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں لیکن دوسرے شخص یعنی مسیح علیہ السلام کو جب سزا کا حکم سنایا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ میں کوشش کروں گا کہ یہاں سے نکل جاؤں اور کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ یہ واقعات اس طرح کیوں ہوئے۔ کیا سقراط جھوٹا تھا یا کیا حضرت مسیحؑ نے ایک خطرناک غلطی کی اور اپنے آپ کو تقدیر الٰہی سے بچانے کی کوشش کی۔

حقیقت یہ ہے کہ سقراط اسی شہر کی طرف مبعوث تھا جس کے رہنے والوں نے آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سقراط ان جگہوں کے لئے مبعوث نہیں تھا جن کی طرف بھاگ جانے کے لئے اسے اس کے شاگرد مجبور کرتے تھے۔ سقراط دوسری قوموں کی طرف مبعوث نہیں تھا لیکن مسیح علیہ السلام کو یہ کہا گیا تھا کہ تم بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک بھی میرا یہ پیغام پہنچاؤ اور یہ بھیڑیں ایران، افغانستان اور کشمیر میں بھی بستی تھیں۔ سقراط اگر اپنے شہر کو چھوڑتا تھا تو وہ ایک مکتب اور مدرسہ کو چھوڑتا تھا جس کے لئے اسے مقرر کیا گیا تھا۔ مثلاً ایک لوکل سکول میں کسی کو ہیڈ ماسٹر مقرر کیا جاتا ہے تو وہ

اس سکول کو بلا اجازت نہیں چھوڑ سکتا اگر وہ اس سکول کو بلا اجازت چھوڑے گا تو وہ مجرم ہوگا۔ لیکن ایک انسپکٹر کو اپنے حلقہ میں کسی جگہ پر جانا پڑتا ہے تو وہ بلا اجازت چلا جاتا ہے۔ اور ایک لوکل سکول کا ہیڈ ماسٹر کسی دوسری جگہ نہیں جاتا۔ جب تک وہ اپنے بالا افسر سے چھٹی حاصل نہیں کر لیتا لیکن ایک انسپکٹر بغیر اجازت افسر بالا کے اپنے حلقہ کا دورہ کرتا ہے۔ ایک ہیڈ ماسٹر کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اگر اپنی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ گئے تو مجرم ہو گے۔ لیکن انسپکٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اسے کوئی شخص مجرم نہیں گردانتا۔ اس لئے کہ اس کا دائرہ عمل اس حد تک وسیع ہے لیکن ایک ہیڈ ماسٹر کا دائرہ عمل ایک سکول تک محدود ہے اور وہ اگر یہاں سے نکلتا ہے تو قانون کو توڑتا ہے پس سقراط ایک شہر کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اس کا دائرہ عمل محدود تھا اگر وہ اس شہر کو چھوڑتا تھا تو گنہگار تھا کیونکہ اس کے مخاطب اسی شہر کے باشندے تھے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اس لئے کہ ان کے دائرہ خطاب میں کشمیر بھی شامل تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب فلسطین کو چھوڑا تو آپ اپنے دائرہ عمل سے بھاگے نہیں۔ بلکہ آپ اپنی دوسری ڈیوٹی پر چلے گئے۔

اگر آپ فلسطین میں ہی رہتے تو آپ فلسطین میں اپنا کام کر سکتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کی دوسری کھوئی ہوئی بھیڑوں تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتے تھے حضرت مسیح علیہ السلام نے اگر فلسطین چھوڑا تو اس کے بعد آپ کا دائرہ عمل اور وسیع ہو گیا اور یہی وہ چیز ہے جس نے مجھے قادیان چھوڑنے کے لئے اپنی رائے کو بدلنے پر مجبور کیا میرے سپرد جو کام ہے وہ صرف قادیان سے ہی نہیں تعلق رکھتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام اسلام کی اشاعت کے لئے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو بلند کرنے کی خاطر ساری دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ آپ کا دائرہ خطاب صرف قادیان تک محدود نہ تھا بے شک میں نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں قادیان میں ہی رہوں لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پر غور کر کے مجھے یقین ہو گیا کہ جماعت کے لئے ایک ہجرت مقدر ہے۔ تو میں نے سوچا کہ میرا کام قادیان یا صرف ایک ملک سے وابستہ نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی میرا تعلق ہے اگر میں قادیان میں رہتا ہوں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ میں ان سب کاموں

کو ترک کر دیتا ہوں جو میرے سپرد ہیں اور ایک جگہ اپنے آپ کو مقید کر لیتا ہوں جیسا کہ بعد میں قادیان والوں کی حالت ہو گئی تھی۔ لیکن اگر میں قادیان سے باہر چلا جاتا ہوں تو میں صرف ایک چھوٹے سے دائرہ سے الگ ہوتا ہوں اور ایک وسیع دُنیا کو ملانے پر قادر ہو جاتا ہوں۔ سقراط نے اپنے شہر کو اس لئے نہیں چھوڑا کہ ان کے مخاطب صرف اس شہر والے تھے۔ اور حضرت مسیح علیہ السّلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اس لئے کہ فلسطین میں ان کے مخاطبوں میں سے صرف دو قبیلے تھے، اور دس قبیلے فلسطین سے باہر تھے۔

حضرت مسیح علیہ السّلام نے بھی لوگوں کی خاطر فلسطین کو چھوڑا۔ وہ فلسطین میں بسنے والوں سے سینکڑوں گنا زیادہ تھے۔ لیکن میں نے جن لوگوں کی خاطر قادیان کو چھوڑا، قادیان اور اس کی آبادی اس کا ہزارواں حصّہ بھی نہیں۔ پس یہ صحیح ہے کہ پہلے یہی فیصلہ کیا گیا تھا کہ میں قادیان نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ ہمارے لئے ہجرت مقدر ہے تو میں نے قادیان کو چھوڑ کر یہاں چلے آنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہ الہام موجود تھا کہ

"داغِ ہجرت"

اور ادھر میری خوابوں میں بھی یہ بات تھی کہ ہمیں قادیان سے باہر جانا پڑے گا۔ میں نے دیکھا کہ یہ الہام تو موجود ہے مگر ابھی تک ہجرت نہیں ہوئی۔ اس لئے یا تو یہ مثیلِ مسیح پر پیشگوئی صادق آئے گی اور یا اسے جھوٹا ماننا پڑے گا۔ یہی وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا۔ پھر یہ فیصلہ میں نے خود نہیں کیا بلکہ جماعت کے دوستوں کی طرف سے مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ میں قادیان سے باہر آ جاؤں۔ ویسے میری ذاتی دلچسپیاں تو قادیان سے ہی وابستہ تھیں۔ لیکن میرے سامنے دو چیزیں تھیں۔ اوّل یہ کہ میں قادیان سے باہر چلا جاؤں اور قادیان میں ایک نائب امیر مقرر کر دوں۔ دوم یہ کہ میں ان سب کاموں کو ترک کر دوں جو میرے سپرد کئے گئے ہیں اور قادیان میں ایک قیدی کی حیثیت سے بیٹھا رہوں۔ اور اس بات کے حق میں کہ میں قادیان میں ہی بیٹھا رہوں ایک رائے بھی نہیں تھی۔ در حقیقت یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کا کام قادیان سے باہر آنے پر ہی ہو سکتا ہے اس لئے ہم جذباتی چیز کو حقیقت پر قربان کریں گے۔ پس میں نے

ضروری سمجھا کہ آج مَیں دوستوں کو بتاؤں کہ ہم نے واقعات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور ہمارا قادیان سے باہر ہونا ان حالات میں ہوا ہے۔ اگر سقراط کے طریق پر عمل کرتے اور قادیان میں ہی رہتے تو یہ بات غلط ہوتی۔ کیونکہ ہمارے حالات سقراط کے حالات سے نہیں ملتے تھے۔ ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مثال پر عمل کیا کیونکہ آپ کے حالات ہمارے حالات سے ملتے تھے۔ خود رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی جی نہیں چاہتا تھا کہ آپ مکّہ کو چھوڑیں۔ لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ اس کے بغیر اس پیغام کو جو آپ دُنیا کی طرف لے کر مبعوث ہوئے تھے نہیں پھیلایا جا سکتا تو آپ مکّہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم غارِ ثور سے نکلے تو آپؐ نے آبدیدہ ہو کر اور مکّہ کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے مکّہ! تُو مجھے بڑا ہی پیارا تھا اور مَیں تجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن افسوس تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں رہنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکّہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ کو مکّہ سے محبت تھی۔ لیکن اشاعتِ اسلام چونکہ مقدم تھی اور مکّہ میں رہنے سے اس کی اشاعت کا کام باطل ہو جاتا تھا۔ اس لئے آپ نے مکّہ چھوڑنا قبول کر لیا۔ مَیں نے بھی اسی سُنّت کے ماتحت قادیان چھوڑا۔ اور اب واقعات نے تصدیق کر دی ہے کہ مَیں اس میں حق بجانب تھا۔ غرض دین کی اشاعت چونکہ سب سے اہم تھی اس لئے مَیں نے قادیان چھوڑنا قبول کر لیا اور پاکستان آگیا۔"[1]

یہاں تک بیان فرمانے کے بعد حضور نے اجلاس برخاست کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تقریر کا دوسرا حصہ آپ اگلے دن جلسہ کے آخری اجلاس میں بیان فرمائیں گے۔ چنانچہ نماز مغرب سے کچھ دیر پہلے اجلاس برخاست کر دیا گیا۔[2]

جلسہ کا آخری دن
تیسرے روز کا اجلاس اوّل

۱۷؍شہادت؍اپریل کو جلسہ کا آخری اور تیسرا دن تھا۔ اس روز اجلاس اوّل میں مکرم قاضی محمد اسلم صاحب[3]، مکرم حکیم فضل الرحمٰن صاحب[4]، مکرم مولوی ابو العطاء صاحب نے فاضلانہ تقریریں کیں۔ جن کے بعد

[1] الفضل ۱۸؍وفا؍جولائی ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳-۴ ۔ [2] الفضل ۲۰؍شہادت؍اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ۔
[3] مکمل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۶-۲۷-۲۸؍شہادت؍اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ۔
[4] " " " " ۲۹-۳۰؍شہادت؍اپریل و یکم ہجرت؍مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ۔

ماریشس کے احمد یداللہ صاحب نے بھی مختصر تقریر کی۔[1]

اجلاس دوم میں حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز اختتامی تقریر

ازاں بعد ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرانے کے بعد حضرت مصلح موعود ½ ۴ بجے سٹیج پر تشریف لائے اور اس تاریخی جلسہ کے اختتامی اجلاس میں ایک نہایت ایمان افروز تقریر فرمائی۔ تقریر کے آغاز میں حضور نے فرمایا۔ بہت سی ایسی جماعتوں کی طرف سے پیغامات آئے ہیں جو جلسہ میں شامل نہیں ہوسکیں انہوں نے احباب کو محبت بھرا اسلام کہا ہے اور دعاؤں کی درخواست کی ہے۔ سب پیغامات تو سُنائے نہیں جاسکتے۔ بعض اہم مقامات کے پیغامات سُنا دیتا ہوں۔

سب سے پہلا پیغام تو قادیان کی جماعت کا ہے جو وہاں کے امیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی معرفت موصول ہوا ہے۔ اس میں وہاں کے دوستوں نے تمام احباب کو السلام علیکم کہا ہے اور دُعا کی درخواست کی ہے۔

قادیان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ گو قادیان سے جدا ہونے کا صدمہ بہت بڑا صدمہ ہے لیکن مَیں نے دوستوں کو متواتر نصیحت کی ہے کہ وہ کسی قسم کے غم کو اس سلسلے میں اپنے اُوپر غالب نہ آنے دیں۔ لیکن ایک حصہ جذبات کا انسان کے ساتھ ایسا لگا ہوا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قادیان سے نکلنا ایک ایسا اہم واقعہ ہے کہ اگر اس سلسلے میں ہم سوچنا اور غور کرنا شروع کر دیں تو ہمارے کاموں میں رخنہ پیدا ہونا شروع ہوجائے گا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ایک نہایت ہی تلخ واقعہ ہے۔ نہ معلوم کوئی خدائی فرشتہ تھا جس نے مجھ سے انگلستان جاتے ہوئے یہ شعر لکھوایا کہ ؎

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب ؎ پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے قادیاں

مَیں خدا کے فرشتوں کے ذریعہ سے اپنی طرف سے اور ساری جماعت کی طرف سے قادیان والوں کو وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ کہتا ہوں۔ درحقیقت وہ لوگ خوش قسمت ہیں۔ آنے والی نسلیں ہمیشہ عزت کی نگاہ سے اور احترام و محبت کے ساتھ ان کے نام لیا کریں گی اور ہزاروں لوگوں کو یہ حسرت ہوا کرے گی کہ کاش ہمارے آباء کو بھی یہ خدمت کرنے کی توفیق ملتی۔

اس کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل مقامات کے السلام علیکم اور درخواست دعا پر مشتمل پیغامات پڑھ کر سُنائے :-

۱۔ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن از طرف جماعت احمدیہ لندن

---

[1] الفضل ۲۲ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳ پر اس تقریر کا ترجمہ چھپ گیا تھا۔

۲۔چودھری خلیل احمد صاحب ناصر ایم۔اے انچارج احمدیہ مشن امریکہ ۳۔رئیس التبلیغ احمدیہ مشن گولڈکوسٹ (افریقہ) ۴۔رئیس التبلیغ احمدیہ مشن مشرقی افریقہ ۵۔جماعت احمدیہ کولمبو ۶۔مولوی مبارک احمد صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ مشرقی پاکستان ۷۔ماخوذین مقدمہ قتل سندھ

حضور نے انتظامات جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ افسوس ہے کہ کھانے پینے کا انتظام بعض وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں ہو سکا۔ہمارا اندازہ دس ہزار مہمانوں کا تھا لیکن حاضری اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۶ ہزار سے بھی زیادہ ہوئی ہے۔ہم نے صرف پانی کے انتظام پر دس ہزار روپیہ خرچ کیا تھا مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اگر گورنمنٹ کے محکمہ حفظانِ صحت کی مہربانی سے ہمیں ٹینک نہ مل جاتے تو پانی کی بہت ہی تکلیف ہوتی تھی۔ صفائی کے محکمہ نے بھی ہماری مدد کی ہے۔ اسی طرح ریلوے کے محکمہ نے بھی ہمارے ساتھ تعاون کا بہت اچھا ثبوت دیا ہے۔ درحقیقت ان تینوں محکموں کی امداد کے بغیر ہمارا یہ جلسہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔اس لئے ہم ان محکموں کا اور چونکہ یہ محکمے گورنمنٹ پاکستان کے ہیں۔ اس لئے ہم حکومت پاکستان کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔پبلک ڈیوٹی کی ادائیگی کی وجہ سے یہ محکمے یقیناً اللہ تعالےٰ کی طرف سے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

جماعت احمدیہ نے قادیان سے کیوں ہجرت کی؟

اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ مقدس مقامات کو چھوڑنا قدرتاً طبع پر گراں گذرتا ہے بلکہ اسے گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی مصلحتیں بعض دفعہ اس کام کو جو عام حالات میں گناہ سمجھا جاتا ہے ثواب بنا دیتی ہیں۔ مثلاً خانہ کعبہ کتنی مقدس اور بابرکت جگہ ہے لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ نے وہاں سے ہجرت کی۔ اگر مقدس مقامات کو چھوڑنا ہر حالت میں گناہ ہوتا تو آپ کبھی بھی مکّے کے مقام کو نہ چھوڑتے۔ درحقیقت آپ کی ہجرت بھی آپ کی صداقت کا ایک نشان تھا کیونکہ سینکڑوں برس قبل اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کے ذریعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر دے رکھی تھی۔ پس مقدس مقامات سے نکلنا کوئی نئی بات نہیں۔ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کے مکّہ سے نکل جانے پر اسلام پر کوئی اعتراض نہیں آتا تو قادیان سے نکلنے پر کس طرح اعتراض کیا جا سکتا ہے خاص کر جبکہ ہمارا ایک حصہ ابھی تک قادیان میں بیٹھا ہوا ہے۔ ہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ گذشتہ انبیاء نے جس قدر ہجرتیں کیں ان کی خبر تو ضرور پہلے سے

موجود ہوتی تھی۔ کیا قادیان سے ہجرت کی پیشگوئی کی خبر بھی پہلے سے موجود تھی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں قادیان سے ہجرت کی پیشگوئی بھی پوری تفصیل کے ساتھ پہلے سے موجود ہے۔

اس کے بعد حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند الہامات اور اپنی متعدد رؤیا پہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جس میں قادیان سے ہجرت اور حضور کے ذریعہ جماعت کی حفاظت اور نئے مرکز میں جماعت کو اکٹھا کرنے کی خبر دی گئی تھی۔ حضور نے بتایا کہ کس طرح نہایت حیرت انگیز رنگ میں یہ تمام امور پورے ہو چکے ہیں۔

آخر میں حضور نے فرمایا۔ دیکھو جو کچھ خدا نے فرمایا تھا وہ پورا کر دیا یہ خدا کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ اُس نے وعدے کے مطابق اِس عظیم الشان ابتلاء میں مجھے جماعت کی حفاظت کرنے اور اسے پھر اکٹھا کرنے کی توفیق دی۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنے ربّ کا شکر ادا کرو اور سچے مسلمان بنو۔ اور اپنے خدا کے فضل کی تلاش میں لگے رہو۔ یاد رکھو تم وہ قوم ہو جو آج اسلام کی ترقی کے لئے بمنزلہ بیج کے ہو۔ تم وہ درخت ہو جس کے نیچے دُنیا نے پناہ لینی ہے۔ تم وہ آواز ہو جس کے ذریعہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنا پیغام دُنیا کو سُنائیں گے۔ تم وہ اولاد ہو جس پر محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فخر کریں گے اور اپنے خدا کے حضور کہیں گے کہ اے میرے ربّ جب میری قوم نے قرآن پھینک دیا تھا اور تیرے نشانات کی قدر کرنے سے مُنہ موڑ لیا تھا تو یہی وہ چھوٹی سی جماعت تھی جس نے اسلام کے جھنڈے کو تھامے رکھا۔ اسے مارا گیا، اسے بدنام کیا گیا، اسے گھروں سے بے گھر کیا گیا اور اسے مصیبت کی چکیوں میں پیسا گیا مگر اس نے تیرے نام کو اونچا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مَیں آسمان کو اور زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ خدا نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔ وہ سچے وعدوں والا خدا ہے جو آج بھی اپنی ہستی کے زندہ نشان ظاہر کر رہا ہے۔ دنیا کی اندھی آنکھیں دیکھیں یا نہ دیکھیں اور بہرے کان سُنیں یا نہ سُنیں لیکن یہ امر اٹل ہے کہ خدا کا دین پھیل کر رہے گا۔ کمیونزم خواہ کتنی ہی طاقت پکڑ جائے مگر وہ میرے ہاتھ سے شکست کھا کر رہے گا۔ اس لئے نہیں کہ میرے ہاتھ میں کوئی

طاقت ہے بلکہ اس لئے کہ مَیں محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں۔

خدا نے جو وعدے کئے وہ کچھ تو پورے ہو چکے اور باقی آئندہ پورے ہوں گے۔ آئندہ جو کچھ ظاہر ہوگا ہمیں اس کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ جن کندھوں پر آئندہ سلسلہ کے کاموں کا بوجھ پڑنے والا ہے، چاہیئے کہ وہ ہمت کے ساتھ اس بوجھ کو اُٹھائیں یہانتک کہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت پھر دُنیا میں قائم ہو جائے۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ زندگی کی آخری گھڑی تک مجھے اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے اور آپ لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کی توفیق دے اور آپ اس وقت تک صبر نہ کریں جبتک کہ اسلام دوبارہ ساری دنیا پر غالب نہ آجائے۔

اس کے بعد حضور نے دُعا فرمائی اور پھر اس تاریخی جلسے کے اختتام کا اعلان فرمایا۔[1]

ربوہ کے پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے کوائف پر ایک طائرانہ نظر

ربوہ کے اس پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے تمام انتظامات بھی حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی اے۔ بی ٹی ناظر ضیافت کے سپرد تھے اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے اور میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم اے آپ کے نائب اور مولوی محمد شفیع صاحب اشرف واقفِ زندگی انچارج دفتر کے فرائض بجالاتے رہے۔

نظارت سپلائی کے انچارج جناب قاری محمد امین صاحب تھے اور جلسہ کے انتظامات کے متعلق تمام اشیاء کی فراہمی کا انتظام آپ کے سپرد تھا۔ نظامت کے سٹور کے انچارج عبدالوہید خان صاحب تھے۔

مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ناظم جلسہ کی حیثیت سے حضرت سیّد محمود اللہ شاہ صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ذمّہ تھا۔ آپ کے نائبین صوفی محمد ابراہیم صاحب، صوفی غلام محمد صاحب، ماسٹر ابراہیم صاحب بی اے، ماسٹر ابراہیم صاحب ناصر تھے۔ چودھری حبیب احمد صاحب سیال معاون ناظر ضیافت تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے انتہائی بے سروسامانی اور مشکلات کے ہجوم میں اپنے نائبین کے ساتھ عمدہ طور پر اپنی ذمّہ داری ادا کی۔ مہمانوں کی خدمت کے لئے تیس کے قریب محکمے اس نظامت کی براہ راست نگرانی میں کام کر رہے تھے۔ مثلاً شعبہ روشنی و شعبہ صفائی، شعبہ استقبال، شعبہ مہمان نوازی جس کے انچارج بالترتیب چودھری عبدالباری صاحب، چودھری عبدالسلام صاحب اختر ایم اے۔۔۔

---

[1] الفضل ۲۱؍ شہادت/ اپریل ۱۳۲۸ہش/ ۱۹۴۹ء صفحہ ۳-۸

چودھری صلاح الدین صاحب بی اے اور مولانا ابوالعطاء صاحب و چوہدری عبدالرحمٰن صاحب بی اے بی ٹی تھے۔

کھانا وغیرہ لنگرخانہ کے منتظم صوفی غلام محمد صاحب نائب ناظم جلسہ کی نگرانی میں تیار ہوتا تھا۔ دن رات چالیس تنور گرم رہے اور ایک ایک وقت میں ساٹھ ساٹھ دیگیں سالن وغیرہ کی تیار ہوتی رہیں۔ معزز مہمانوں کی آمد لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی اور کام کرنے والوں کی تعداد کا ہر اندازہ غلط ہوتا رہا۔ اس لئے کارکنوں کی محدود تعداد پر ہی کام کا بوجھ پڑ رہا تھا۔ اس کوشش میں کہ تمام مہمانوں کو کھانا پہنچ جائے اس محدود عملہ سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں نان پز اور باورچی بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اور دوسرے عملہ کو بھی بعض اوقات بیس بیس گھنٹے کام کرنا پڑا۔

حضرت امیرالمومنین کی تحریک کے مطابق بہت سے احباب اپنے ہمراہ گندم آٹا دالیں وغیرہ لے کر آئے تھے۔ بعض دوست تو کئی بوریاں گندم کی لائے۔ چنانچہ مہمانوں کی خوراک کے لئے گندم کا کافی ذخیرہ ہو گیا تھا اور باوجود مہمانوں کی کثرت کے گندم کی قطعاً قلت محسوس نہ ہوئی۔ ایک پہاڑی کے دامن میں لنگر قائم کیا گیا تھا۔ جہاں تمام مہمانوں کے لئے کھانا تیار ہوتا تھا۔ اس جگہ ۴۵ تنور لگائے گئے تھے۔ چونکہ لنگرخانہ مہمانوں کی قیام گاہ سے ذرا فاصلے پر تھا اس لئے پانچ ٹرک قیامگاہوں تک کھانا لانے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ جب کھانا قیام گاہوں تک پہنچتا تو اسے جماعت وار تقسیم کر دیا جاتا۔ ہر جماعت کے لئے الگ الگ کارکن مقرر تھے جو کھانا کھلانے کی خدمت سرانجام دیتے۔ کارکنان کی کمی، ان کی ناتجربہ کاری، نئی جگہ اور نئے حالات کی وجہ سے انتظامات میں دقتوں کا پیدا ہونا تو لازمی تھا لیکن امید سے بڑھ کر مہمان آنے کی وجہ سے مشکلات میں اور اضافہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کھانا وقت پر نہ ملنے یا ناکافی ملنے کی شکایات بھی پیدا ہو جاتی تھیں لیکن احباب کو چونکہ مشکلات کا علم تھا اس لئے وہ نہایت خندہ پیشانی سے یہ تکلیف برداشت کرتے رہے۔

مہمانوں کی رہائش کے لئے اسٹیشن کے دونوں طرف پچاس نئی اور عارضی کچی بیرکیں تعمیر کی گئی تھیں شعبہ تعمیرات کے انچارج مکرم ملک محمد خورشید صاحب تھے جنہوں نے اپنے نائبین چوہدری عبداللطیف صاحب اور راجہ محمد نواز صاحب کی امداد سے نہایت تنگ وقت میں یہ کام انجام دیا۔ مستورات کی بیرکوں کے گرد اگرد ایک اونچی دیوار کھینچ دی گئی تھی جس سے پردہ کا پورا پورا اہتمام تھا۔ خواتین کے لئے دس بیرکیں مخصوص کی گئی تھیں۔ لیکن مورخہ ۱۴ شہادت / اپریل کی رات کو اتنی تعداد میں مستورات آ گئیں

کہ وہ جگہ ان کے لئے قطعاً ناکافی ثابت ہوئی۔ اس کی دیوار توڑ کر قریب کی دو بیرکیں بھی مستورات کو دے دی گئیں۔ ان بیرکوں کے علاوہ احباب ایک معقول تعداد اپنے ساتھ چھولداریوں اور خیموں کی لائے ہوئے تھے جن کے نصب کرنے کے لئے ایک مخصوص جگہ وقف کر دی گئی تھی اور جس سے میدانِ ربوہ میدانِ عرفات کی یاد دلا رہا تھا۔ جلسہ میں کسیر وغیرہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نیچے بچھانے کے لئے کھجور کی بنی ہوئی چٹائیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔

وادیٔ غیر ذی زرع ربوہ میں ۱۶۔ ۱۷ ہزار نفوس کے لئے پانی کا مہیا کرنا ایک بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ اس اجتماع میں صرف لنگر خانہ میں پانی کا روزانہ خرچ سات ہزار گیلن تھا۔ بہرحال خدا تعالیٰ کے فضل سے ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا گیا۔ اس سلسلہ میں ربوہ میں ۲۲ نلکے لگوائے گئے اور ٹینکروں کے ذریعہ ربوہ سے باہر ساڑھے سات میل کے فاصلہ سے پانی کے منگوانے کا انتظام کیا گیا۔ اسی طرح تقریباً ۲۸ ہزار گیلن پانی روزانہ مہیا ہوتا رہا۔ گورنمنٹ نے چار ٹینکر مع ضروری سٹاف کے یہاں بھجوائے۔ پانی کے سٹاک کے لئے چھوٹی چھوٹی آہنی ٹینکیوں کا انتظام تھا اور وہ مناسب جگہوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس شعبہ کے منتظم چودھری عبدالباری صاحب بی۔ اے نائب ناظر بیت المال تھے جنہوں نے نہایت تندہی سے اس کام کو سرانجام دیا۔

قادیان میں تو ہزاروں ہزار تربیت یافتہ کارکن میسر آجاتے تھے لیکن یہاں مقامی کارکن قریباً نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس لئے بیشتر کارکن خود مہمانوں پر ہی مشتمل تھے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول چنیوٹ، جامعہ احمدیہ، مدرسہ احمدیہ کے قابل احترام اساتذہ اور جواں ہمت طلباء نے انتظاماتِ جلسہ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جلسۂ مستورات کے انتظامات کے سلسلہ میں خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی مستورات قابل رشک حد تک سرگرم عمل رہیں۔ بہت سی دیگر مہمان خواتین نے بھی ان کا نہایت اخلاص سے ہاتھ بٹایا۔ خواتین کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ خود سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس کی بہت تعریف فرمائی۔

جلسہ سالانہ کے دو دن پہلے ہی شمع احمدیت کے پروانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی اور خدا تعالےٰ کے فضل سے توقع سے زیادہ تعداد جلسہ میں شامل ہوئی۔ باوجودیکہ فصل کی کٹائی کا موسم تھا پھر بھی دیہاتی جماعتوں کے احباب کثرت سے آئے۔ جلسہ میں نہ صرف پنجاب ہی کے احباب شامل ہوئے بلکہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے ہر صوبے کے احمدی دوست آئے۔ اسی طرح پاکستان کے علاوہ

قادیان، بہار، کلکتہ اور حیدرآباد سے بھی دوست تشریف لائے جن میں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح جرمن کے نومسلم بھائی عبدالشکور کنزے، اور مارشمس کے برادرم احمد یداللہ صاحب بھی شریک جلسہ ہوئے۔ ۱۳ر اپریل کی شام سے ۱۹ر اپریل کی شام تک ۷۱،۳۷۷ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کیا گیا جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ایک نئی شان کے ساتھ پورا ہوا کہ

لفاظات الموائد کان اکلی

وصرت الیوم مطعام الاھالی [1]

یعنی کسی زمانہ میں دسترخوان کا پس خوردہ میری خوراک تھا مگر آج میں بے شمار گھرانوں کو رات دن کھلانے والا ہوں۔

دھوپ کی شدت کی وجہ سے جلسہ گاہ اور سٹیج پر خیمے لگا دیئے گئے تھے۔ مردانہ جلسہ گاہ کی کارروائی ۱۹۸ × ۱۹۸ فٹ کے شامیانے میں ہوئی۔ مردانہ جلسہ گاہ کے باہر سٹیج کے قریب ایک طرف لوائے احمدیت اور دوسری طرف لوائے پاکستان لہرا رہا تھا۔ لوائے احمدیت کی حفاظت کا کام خدام الاحمدیہ کے ایثار پیشہ نوجوانوں کے سپرد تھا۔ مردانہ جلسہ گاہ کے قریب ہی پردوں کے اندر مستورات کی جلسہ گاہ تھی۔ لاوڈ سپیکر کا نہایت عمدہ انتظام تھا اور حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود کی تقاریر بیک وقت دونوں جلسہ گاہوں میں سُنی جاتی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگرخانہ سے طعام کے انتظام کے علاوہ عارضی طور پر بازار بھی لگایا گیا جس میں موسم کے لحاظ سے مہمانوں کی ضروریات مہیا کرنے کا انتظام رہا لیکن جب متوقع مقدار سے بہت بڑھ کر مسیح موعود کے مہمان نئے مرکز میں پہنچ گئے تو جس طرح لنگرخانہ کا انتظام عاجز رہ گیا اسی طرح بازار میں بھی اشیائے ضرورت ختم ہوجاتی رہیں۔

حکومت کی طرف سے مہمانوں کی روانگی کے لئے ایک سپیشل ٹرین کا انتظام بھی کیا گیا تھا، گو وہ اصل وقت سے کئی گھنٹے تاخیر سے گئی۔ مہمانوں کی ایک معقول تعداد لاریوں کے ذریعہ بھی آئی اور گئی۔ ریلوے اسٹیشن ربوہ پر سٹاف کی کمی کی وجہ سے پورے ٹکٹ نہیں فروخت کر سکے۔ اسی طرح یہ شکایت بھی رہی کہ بعض اسٹیشنوں سے ربوہ کا ٹکٹ نہیں دیا گیا۔

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۹۶ (طبع اوّل)

جلسے کے ایام کے لئے گاڑیوں کے ساتھ کافی زائد بوگیاں لگا دی گئی تھیں۔ مہمانوں کی طبی امداد کے لئے حسب سابق نور ہسپتال ہی یہ خدمت بجا لاتا رہا جس کے انچارج حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے۔ گورنمنٹ نے بھی سول ہسپتال چنیوٹ کے انچارج کو ہدایت کی تھی کہ وہ بھی جلسہ کے موقع پر اپنے عملہ کو بھجوائے۔ الحمد للہ۔ اس قدر کثیر مجمع میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح خیریت رہی۔

جلسہ میں حفاظت کا کام مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سپرد تھا۔ خود صدر محترم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بنفس نفیس اس کی نگرانی فرماتے رہے۔ آپ کے نائب مرزا بشیر احمد بیگ صاحب تھے۔

یہ جلسہ چونکہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ہو رہا تھا۔ اس کے انتظام کے لئے خود حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے غیر معمولی طور پر توجہ فرمائی اور باوجود ناسازئ طبع کے ان ایام میں ازحد مصروف رہے۔ بیرونی جماعتوں سے ملاقاتیں کرنے اور نہایت پر معارف اور مفصل تقاریر ارشاد فرمانے کے علاوہ حضور نے انتظامات جلسہ کے ہر شعبہ اور ہر پہلو کی ذاتی نگرانی فرمائی چنانچہ حضور لنگرخانہ میں تیاری و تقسیم طعام کی مشکلات کو حل کرنے اور دیگر ضروری اور فوری ہدایات کے لئے بعض اوقات خود تشریف لاتے رہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر رات کے ایک بجے اور ایک دن ۲½ بجے دوپہر حضور لنگرخانہ میں تشریف لائے اور اپنی مفید اور ضروری ہدایات سے مشکل کشائی فرمائی۔ اسی طرح ۱۳ اپریل کو شام کی گاڑی پر حضور خود تشریف لے گئے اور چونکہ قلیوں اور مزدوروں کا کوئی انتظام نہیں تھا اور ڈر تھا کہ ہنگامہ میں کوئی سامان ضائع نہ ہو جائے حضور مسلسل دو گھنٹے تک سٹیشن پر موجود رہے اور پوری حفاظت کے ساتھ جب تک ہر ایک شخص کا سامان اس کی فرودگاہ تک والنٹیروں کے ذریعہ نہیں پہنچ گیا، حضور وہیں رہے اور اس طرح سب سے پہلے دن عملی طور پر کارکنوں کی تربیت کر کے استقبال کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

ایام جلسہ میں صدر انجمن احمدیہ کے مختلف محکمہ جات میں اشتراک عمل پیدا کرنے کا کام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کے سپرد تھا۔ اور اس کام میں آپ بعض اوقات رات کے دو بجے تک مصروف رہے۔[1]

کوائف جلسہ کا ایمان افروز تذکرہ کرنے کے بعد بالآخر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حضرت مصلح موعود کی منظوری سے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اس تاریخی جلسہ کی ایک متحرک فلم کا بھی انتظام

[1] الفضل ۲۳ شہادت/اپریل و ۲۱ احسان/جون ۱۳۲۸ہش ۱۹۴۹ء

کیا گیا۔ مگر افسوس جس فرم نے سلسلہ احمدیہ سے جلسہ کی کارروائی محفوظ کرنے کے لئے منہ مانگے دام وصول کئے وہ اپنے عہد سے عملاً منحرف ہو گئی اور آئندہ نسلیں خلافتِ ثانیہ کے عہد مبارک کی ایک قیمتی یادگار سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ گئیں۔

جلسہ کی حیرت انگیز کامیابی پر حضرت مصلح موعود کا مفصل خطبہ جمعہ

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ انتہائی مخالف حالات اور پُرخطر ماحول کے باوجود یہ جلسہ حیرت انگیز طور پر کامیاب رہا۔ حضرت مصلح موعود نے خدا تعالیٰ کے بے شمار فضلوں، رحمتوں اور برکتوں کے اس تازہ نشان پر اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء میں مفصل روشنی ڈالی۔ چنانچہ فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم سے جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ اس سال ہم اس جگہ پر کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کو آئندہ جماعت احمدیہ کا مرکز بنانے کی تجویز ہے۔ بظاہر حالات ہمیں اس جگہ پر اس سال جلسہ سالانہ کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی جیسا کہ میں نے اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا۔ جماعت کے دوستوں نے مجھے کثرت سے لکھنا شروع کر دیا تھا کہ اس سال ربوہ میں جلسہ سالانہ کرنا نامناسب ہے۔ کیونکہ شدت کی گرمی کی وجہ سے لوگ وہاں ٹھہر نہیں سکیں گے اور پھر یہ فصلوں کے دن ہیں اور کٹائیوں کی وجہ سے لوگ کثرت سے اس جلسہ پر نہیں آسکیں گے۔ پھر نئی جگہ ہے، وہاں رہائش کا کوئی بندوبست نہیں، پانی وغیرہ کی دقت ہے۔ یہ باتیں مجھے بھی نظر آتی تھیں۔ مگر میں جب سے قادیان سے آیا ہوں۔ میں یہ چاہتا تھا کہ پانچ سالہ پیشگوئی کے مطابق[1] ۱۹۴۹ء کا جلسہ سالانہ ہم کسی ایسی جگہ کریں گے جس کو ہم اپنی کہہ سکیں گے۔ چنانچہ اس دفعہ جلسہ سالانہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ کرسمس کی تعطیلات کی بجائے ایسٹر ہولیڈیز میں کیا جائے۔ لیکن جب جلسہ سالانہ کے ایسٹر ہولیڈیز میں کرنے کی تجویز ہو گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سال جلسہ سالانہ دسمبر کی بجائے اپریل میں منعقد ہو تو لوگوں نے یہ وہم کرنا شروع کر دیا کہ وہاں گرمی ہو گی، کھانے پینے اور رہائش کی دقت ہو گی۔ پہلے خیال تھا کہ ایسٹر کی تعطیلات مارچ میں ہوں گی اور مارچ کا موسم اچھا ہوتا ہے زیادہ گرم نہیں ہوتا۔ لیکن جب ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں نکلیں یا یوں کہو کہ جب علم ہوا کہ ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں ہوں گی تو لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہونا شروع

[1] الفضل ۱۶/اپریل ۱۹۴۴ء

ہوا کہ اس دفعہ وہاں جلسہ کرنا ناممکن ہے۔ لیکن جو امید ہمارے ذہن میں تھی اس کے خلاف لوگ بہت زیادہ تعداد میں آئے۔ ہمارا خیال تھا کہ اس دفعہ جلسہ سالانہ پر صرف دس ہزار آدمی آ سکیں گے کیونکہ ایک تو موسم اچھا نہیں تھا، گرمی زیادہ تھی۔ پھر یہ فصلوں کا وقت تھا اور کٹائیاں ہو رہی تھیں اور زمیندار کٹائی چھوڑ کر جلسہ پر نہیں آ سکتے تھے۔ پھر بعض لوگ اس لئے بھی نہ آ سکے کہ نئی جگہ ہونے کی وجہ سے وہاں رہائش کا مناسب انتظام نہ تھا۔ لیکن تقسیم پرچی سے جو اندازہ لگایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار پانچ سو کے قریب وہ عورتیں تھیں جن کے کھانے کا انتظام لجنہ اماء اللہ کے ماتحت کیا جاتا تھا اور دس ہزار چھ سو کے قریب وہ پرچی تھی جس کا انتظام مردوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہو جاتی ہے۔ لیکن ڈیڑھ ہزار کے قریب وہ لوگ تھے جو کھانے کی پرچی میں شمار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ جلسہ سننے کے لئے تو آ جاتے تھے مگر کھانے کے وقت واپس چلے جاتے تھے۔ مثلاً احمد نگر میں چھ سات سو آدمی ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ جلسہ سننے کے لئے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے۔ کھانا ربوہ میں نہیں کھاتے تھے۔ اسی طرح بعض لوگ چنیوٹ میں بھی ٹھہرے ہوئے تھے اس کے علاوہ چنیوٹ میں بھی کافی احمدی بستے ہیں۔ کچھ تو فسادات کے بعد وہاں آ کر بس گئے ہیں اور کچھ وہاں کے باشندے ہیں۔ بہرحال سات آٹھ سو کے قریب وہ لوگ تھے جو چنیوٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور جلسہ سننے کے لئے روزانہ ربوہ آ جاتے تھے اور چلے جاتے تھے، وہاں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ احمد نگر اور چنیوٹ کے علاوہ بعض دوسری جگہوں سے بھی لوگ صرف جلسہ کے وقت آتے تھے حتیٰ کہ ایک دو سو آدمی لائل پور سے بھی ایسا آتا تھا۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے کھانے کا اپنا انتظام کیا ہوا تھا۔ مثلاً سو کے قریب ہمارے ہی خاندان کے افراد تھے جن کے کھانے کا اپنا انتظام تھا۔ اس طرح پندرہ سو سے دو ہزار تک ان لوگوں کی تعداد ہو جاتی تھی جو لنگر کے انتظام کے ماتحت کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ ان کا اپنا انتظام تھا۔ اس تعداد کو ملا کر سترہ ہزار کے قریب ایسے لوگ تھے جو اس سال جلسہ میں شامل ہوئے اور ان مخالف حالات کے باوجود شامل ہوئے کہ جن کے ہوتے ہوئے بعض کہتے تھے کہ اس سال وہاں جلسہ سالانہ نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ بعض مخالف ایسے تھے جنہوں نے ان مخالف حالات کی وجہ سے یہ پیشگوئیاں کرنی شروع کر دی تھیں کہ یہ جلسہ سالانہ اس سال نہیں ہو سکے گا مگر خدا تعالیٰ

نے اپنا خاص فضل نازل کیا اور جلسہ ہوا۔ اور صرف ہوا ہی نہیں بلکہ اس کامیابی کے ساتھ ہوا کہ لوگ حیران رہ گئے۔ چنانچہ اتنے لوگوں کا وہاں آجانا تو حسنِ ظن کے ماتحت بھی ہو سکتا ہے لیکن جو تکلیفیں اور مشکلات وہاں تھیں ان کے باوجود لوگوں کا وہاں رہنا اور ان کو خوشی سے برداشت کرنا یہ ایسی چیز تھی جو تائیدِ الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ مثلاً پہلے ہی دن سوا دو بجے رات تک بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں کھانا نہیں ملا تھا۔ مجھے ساڑھے بارہ بجے کے بعد یہ آوازیں آنی شروع ہوگئیں کہ ٹھہرو ابھی کھانا دیتے ہیں، ٹھہرو ابھی کھانا دیتے ہیں۔ مَیں نے ایک آدمی لنگرخانے بھجوایا اور اس طرح مجھے معلوم ہوا کہ روٹیاں ابھی پہنچی ہی نہیں۔ کچھ روٹیاں پہنچی ہیں لیکن وہ بہت تھوڑے لوگوں کو مل سکی ہیں۔ مَیں خود وہاں گیا اور لنگرخانہ کے کارکنوں سے پوچھا کہ روٹی کا ابھی تک کیوں انتظام نہیں ہو سکا۔ اس پر مجھے بتایا گیا کہ ہماری تمام کوششیں بالکل ناکام ہو چکی ہیں۔ اس میں کچھ منتظمین کا بھی قصور تھا کیونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس دفعہ ساٹھ تندور لگائے جائیں گے لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ صرف چالیس تندور لگائے گئے ہیں بہرحال چونکہ عام طور پر یہ خیال تھا کہ جلسہ پر بہت کم لوگ آئیں گے اس لئے تندور کم لگائے گئے۔ باورچی بھی کم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کام کا بوجھ زیادہ پڑا۔ گرمی کا موسم تھا۔ جو شیڈ بنائے گئے تھے وہ کم تھے۔ پھر ایک طرف دیوار کھینچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ہوا نہیں آتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ باورچی بیہوش ہوگئے ان کو دیکھ کر باقی باورچیوں نے کام چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ ہم اپنی جان کو مصیبت میں کیوں ڈالیں۔ اس وجہ سے ۹-۱۰ بجے تک روٹی کا کوئی انتظام نہ ہو سکا بلکہ اس وقت تک ان کو کام کرنے کی طرف کوئی رغبت ہی نہ تھی تھوڑے سے چاول اُبالے گئے اور وہ صرف بچوں کو دیئے گئے۔ پھر جوں توں کر کے روٹی کا انتظام کیا گیا اور صبح کے پانچ بجے تک روٹی تقسیم ہوتی رہی اور وہ بھی بہت تھوڑی تھوڑی حالانکہ بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جنہیں دوپہر کو بھی کھانا نہیں ملا تھا اور وہ رات بھی انہوں نے بغیر کھائے کے گذار دی مگر بجائے اس کے کہ ان کی طبائع میں شکوہ پیدا ہوتا انہوں نے اس تکلیف کو بخوشی برداشت کیا۔ پھر دوسرا دن بھی اسی طرح گذرا۔ دوسرے دن بھی کھانا تیار کروانے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تھی۔ آخر میں نے افسروں کو سرزنش کی اور انہیں مختلف تدابیر بتائیں، اپنے بیٹوں کو اس کام پر لگایا اور بالآخر بعض ایسی تدابیر نکال لی گئیں جن کے ذریعہ اگر پیٹ بھر کر نہیں تو کچھ نہ کچھ کھانا ضرور مل گیا مثلاً ہمارے ملک میں ایک آدمی کی عام غذا تین روٹی ہے۔ لیکن مَیں نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے تین تین روٹی کے دو دو روٹیاں دی جائیں پھر یہ تدبیر بھی اختیار کی گئی کہ نانبائیوں سے ٹھیکہ کر لیا گیا کہ اگر وہ اتنا کھانا تیار کر دیں تو انہیں مزدوری

کے علاوہ انعام بھی دیا جائیگا۔ اس طرح ان غریب آدمیوں نے لالچ کی وجہ سے کام کیا اور ہمارے جلسہ کے دن گذر گئے غرض ان تمام تکلیفوں کے باوجود ہمارے لوگوں کا بشاشت کے ساتھ وہاں بیٹھے رہنا بتاتا ہے کہ یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے تھا۔ پانی کے جو ہم نے نلکے لگوائے تھے وہ تمام ناکام گئے۔ البتہ پانی کے لئے جو سرکاری انتظام کیا گیا تھا اس سے بہت کچھ فائدہ ہوا لیکن پانی استعمال کرنے کی ہمارے لوگوں کو جتنی عادت ہوتی ہے اتنا پانی پھر بھی مہیا نہ ہو سکا۔ رہائش کی یہ حالت تھی کہ جن بارکوں میں ۴ ہزار عورتوں کو رکھا گیا تھا ان کے متعلق دیکھنے والا یہ تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ ان بیرکوں میں اتنی عورتیں رہ سکتی ہیں۔ جن بیرکوں میں عورتوں کو ٹھہرایا گیا تھا وہ کل سولہ تھیں۔ ان میں اگر لوگوں کو پاس پاس بھی سُلا دیا جائے تو صرف دو ہزار آدمی آسکتا ہے لیکن جلسہ پر جو عورتیں وہاں ٹھہری تھیں وہ ساڑھے چار ہزار کے قریب تھیں یہ اس طرح ہوا کہ انہوں نے سامان اندر رکھ دیا اور آپ باہر سو کر گذارہ کر لیا۔ مردوں کا حال اس سے بھی بُرا تھا۔ تمام مرد بارکوں کے اندر نہیں سو سکتے تھے اس لئے مردوں کو عورتوں سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ کچھ گنجائش اس طرح بھی نکل آئی کہ میری تحریک کے ماتحت بعض اپنے ساتھ بانس، کیلے اور رسّی لے آئے اور خود خیمے لگا کر انہوں نے جلسہ کے دن گذارے۔ مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے بھی یہ تحریک کر دی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے جب جلسہ کے انتظامات دیکھنے کے لئے چکّر لگایا تو بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سو ڈیڑھ سو کے قریب ہوں گے۔ پھر کچھ لوگ چنیوٹ ٹھہر گئے اور کچھ لوگ احمد نگر ٹھہر گئے اور اس طرح گذارہ ہو گیا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے باوجود مخالف حالات اور مختلف تکالیف اور مشکلات کے خدا تعالیٰ کی وہ خبر جس کو میں پہلے تعبیری طور پر سمجھتا تھا عملی طور پر بھی ثابت ہوئی اور وہی جو خیال کرتے تھے کہ اس سال جلسہ سالانہ نہیں ہو سکیگا انہیں بھی اقرار کرنا پڑا کہ اس جگہ رہائش کرنے کی وجہ سے لوگوں کی صحت پر بُرا اثر نہیں پڑا بلکہ اچھا ہی پڑا ہے۔ آندھیاں سارا دن چلتی رہتی تھیں اور گرد سارا دن آنکھوں میں پڑتی تھی لیکن لاہور میں میرا یہ حال تھا کہ مجھے آنکھوں میں اتنی تکلیف تھی کہ مجھے کئی بار دوائی لگوانی پڑتی تھی۔ درد کی وجہ سے مجھے شُبہ ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی بیماری ہی نہ ہو۔ دن میں چار پانچ دفعہ مجھے لوشن ڈلوانا پڑتا تھا تب جا کر کہیں میری حالت قابل برداشت ہوتی تھی۔ لیکن ربوہ میں نو دن کے قیام میں مجھے صرف دو دفعہ لوشن ڈلوانا پڑا۔ اور پہلے سے میری آنکھیں اچھی معلوم ہوتی تھیں حالانکہ سارا دن مٹی آنکھوں میں پڑتی رہتی تھی۔ اسی طرح وہاں کے پانی کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ یہ تھی کہ وہ زہریلا ہے اور انسان کے پینے کے ناقابل ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ بجائے اس کے کہ وہ پانی ہم پر بُرا اثر ڈالے اچھا اثر ڈال رہا۔ وہ

بدمزہ ضرور تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مَیں نے مقابلہ میں پانی پی لیا یعنی دوسرا اَور پانی مَیں نے پہلے پی لیا اور پھر وہاں سے نلکوں کا پانی پی لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً سوا گھنٹہ تک منہ کا ذائقہ خراب رہا۔ لیکن باوجود اس کے کہ ڈاکٹری رپورٹ اس پانی کے متعلق بد تھی کہ وہ انسان کے پینے کے قابل نہیں اس پانی نے بجائے تکلیف پہنچانے کے ہمیں فائدہ پہنچایا جب مَیں لاہور سے گیا میرے معدہ میں سخت تکلیف تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میری انتڑیوں پر فالج گر رہا ہے لیکن وہاں میری طبیعت اچھی ہوگئی اجابت بھی اچھی ہوتی رہی۔ صرف آخری دن اسہال آنے شروع ہوگئے اور بیس[۲] کے قریب اسہال آئے۔ لیکن باقی دنوں میں میری طبیعت اچھی رہی۔ میری بیوی اُمِّ ناصر نے بتایا کہ یہاں لاہور میں مَیں ایک دفعہ کھانا کھایا کرتی تھی لیکن ربوہ میں دونوں وقت کھانا کھاتی رہی۔ آج لاہور آکر پھر ایک دفعہ کھانا کھا رہی ہوں۔ اسی طرح کئی اَور دوستوں نے بتایا کہ ربوہ کے پانی نے ان کی صحتوں پر اچھا اثر ڈالا ہے۔ اور باوجود گرد و غبار اُڑنے کے اُن کی آنکھوں کو آرام آگیا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ یہاں واپس آکر میری آنکھوں میں پھر تکلیف شروع ہوگئی۔ یہاں آکر مَیں دو تین دفعہ دوائی ڈلوا چکا ہوں۔ غرض خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایسے سامان کر دیئے کہ بجائے اس کے کہ اچھا کھانا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحت پر کوئی بُرا اثر پڑتا ہماری صحت پر اچھا اثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ وہاں پانی اچھا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحتوں پر بُرا اثر پڑتا ربوہ کے پانی نے ہماری صحتوں پر اچھا اثر ڈالا۔ بجائے اس کے کہ گرد و غبار اُڑنے کی وجہ سے ہماری آنکھیں خراب ہوتیں ہماری آنکھیں پہلے سے بھی اچھی ہوگئیں۔ وہاں کے قیام میں آنکھوں میں اتنی گرد پڑی کہ اگر سال بھر کی گرد کو جمع کیا جائے تو اتنی نہ ہوگی۔ لیکن اس گرد و غبار نے ہماری آنکھوں کو اَور بھی منوّر کر دیا۔ اسی طرح روٹیوں اور سالن کے مہیا کرنے میں بہت سی مشکلات تھیں لیکن وہی روٹیاں جو کچی ہوتی تھیں بجائے اس کے کہ ہمارے معدوں کو خراب کرتیں ان کے کھانے سے ہمارے معدوں میں اور زیادہ طاقت محسوس ہونے لگ گئی۔ پھر علاقہ نیا تھا۔ اس وجہ سے بھی بعض دقتوں کا احتمال تھا مگر اس میں بھی خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہوا۔ اور وہاں تبلیغ کثرت سے ہوئی۔ قادیان کے جلسوں پر ضلع جھنگ کے صرف چالیس پینتالیس آدمی آیا کرتے تھے لیکن اس جلسہ پر سب سے زیادہ آنے والے جھنگ کے لوگ تھے۔ لجنہ اماءاللہ نے جو عورتوں کی تعداد کے متعلق ضلعوار رپورٹ دی، اس کے مطابق جلسہ پر آنے والی ایک ہزار پندرہ عورتیں ایسی تھیں جو ضلع جھنگ سے آئی تھیں چونکہ ہم نئے نئے وہاں گئے تھے اردگرد کے لوگوں نے ہمارے متعلق باتیں سُنیں تو وہ جلسہ پر آگئے۔ اس طرح

تبلیغ کے لئے ایک اور راستہ نکل آیا۔ میرے ایک عزیز لالیاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ربوہ میں چونکہ رہائش کا خاص انتظام نہیں تھا اس لئے وہ لالیاں ٹھہر گئے اور ڈاک بنگلہ ریزرو کروا لیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ سٹیشن پر رخصت ہونے لگے تو ایک پٹھان شور مچا رہا تھا۔ وہ پٹھان قادیان نہیں آیا تھا لیکن ربوہ کا جلسہ اس نے دیکھا تھا چونکہ یہ لوگ اسلامی ممالک کے قریب رہتے ہیں اس لئے اسلامی باتوں کا ان کے دلوں پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس عزیز نے بتایا کہ وہ پٹھان شور مچا رہا تھا کہ ایسا جلسہ ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ایسی تقریر ہم نے پہلے سُنی ہے۔ اس کے پاس کوئی مولوی طرز کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس نے کہا یہ لوگ تو کافر ہیں ان کا جلسہ کیا اور ان کی تقریریں کیسی۔ اس نے کہا وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو سَو بکرا روز کھلاتا ہے وہ کافر کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کا اثر تھا جو اس پٹھان کی طبیعت پر ہوا۔ پٹھان ایک مہمان نواز قوم ہے اس نے جب جلسہ پر مہمان نوازی کا انتظام دیکھا تو اس کی طبیعت پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی طرح پونچھ کے علاقہ کی ایک عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی۔ پہاڑی علاقہ کے لوگ عام طور پر مہمان نواز ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے علاقہ کی تھی جو مہمان نواز نہیں تھا۔ وہ عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی۔ ان سے کہا کہ ہمارے ہاں تو مہمان آئے تو چارپائی الٹ دیتے ہیں اور مہمان کو کھانا نہیں کھلاتے۔ آپ تو ساروں کو کھانا دیتے ہیں۔ بہرحال نئی جگہ اور نیا علاقہ ہونے کی وجہ سے کئی نئے لوگوں کو ہماری باتیں سُننے کا موقعہ ملا۔ میں لاہور والوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں (اگرچہ یہ بات میری عقل میں نہیں آتی) کہ لاہور اس دفعہ سیکنڈ رہا ہے۔ لجنہ اماء اللہ کی طرف سے جو عورتوں کی تعداد مجھے دی گئی ہے اس کے مطابق ۹۷۵ عورتیں لاہور کی تھیں۔ یہ بات مَیں نہیں سمجھ سکا کہ اتنی عورتیں کہاں سے آئیں۔ دو اڑھائی سو تک تو بات سمجھ میں آجاتی ہے اتنی عورتیں تو قادیان کی مہاجر عورتیں ہو سکتی ہیں لیکن پھر بھی ساڑھے چھ سو کی تعداد باقی رہ جاتی ہے۔ اور اگر ۹۷۵ عورتیں لاہور کی تھیں تو جلسہ میں مرد بھی شامل ہوئے تھے۔ اگر ان کی حاضری کی بھی یہی نسبت تھی تو پھر لاہور کا ضلع حاضری کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر آجاتا ہے۔ سرگودھا، لائلپور اور سیالکوٹ کا ضلع اپنی احمدی آبادی کے لحاظ سے بہت کم شامل ہوئے۔ ان اضلاع سے آنے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہونی چاہیئے تھی۔ آبادی کے لحاظ سے ان ضلعوں سے آنے والے بہت کم لوگ تھے۔ ضلع سرگودھا سے آنے والوں کی تعداد باقی دو اضلاع سے نسبتاً زیادہ تھی اور لائلپور اور سیالکوٹ کی تعداد بہت پیچھے تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہمارے جلسہ کو نہایت کامیابی سے گذارا۔[1]"

---

[1] الفضل ۱۸ ظہور/اگست ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲-۴

فصل دوم

حضرت مصلح موعود کا سفر سندھ و کوئٹہ

سال ہش ۱۳۲۸ (۱۹۴۹ء) کی دوسری ششماہی کا قابلِ ذکر اور اہم واقعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امیر المومنین المصلح الموعود کا سفر سندھ و کوئٹہ ہے۔ حضور ۱۲ ماہ ہجرت/مئی کو لاہور سے سندھ کے لئے مع اہلِ بیت و خدام روانہ ہوئے[1] اور ۴ ماہ کے بعد ۱۴ر تبوک/ستمبر کو کوئٹہ سے روانہ ہو کر ۱۵ر تبوک/ستمبر کو واپس لاہور تشریف لے گئے۔[2]

روانگی

اس سفر میں پچاس نفوس پر مشتمل قافلہ حضور کے ہمرکاب تھا جو روہڑی سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ حضرت امیر المومنین اور اہلِ بیت میں سے حضرت سیدہ ام متین حرم ثالث اور حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ حرم رابع اور حضور کے بعض صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور بعض خدام مثلاً حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب طبی مشیر اور چوہدری سلطان احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ احمدیہ سنڈیکیٹ اور شیخ نور الحق صاحب سپرنٹنڈنٹ ایم این سنڈیکیٹ اپنے ضروری ریکارڈ کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے۔ اور حضرت ام المومنین، حضرت سیدہ ام ناصر حرم اول، حضرت سیدہ ام وسیم حرم ثانی، صاحبزادی امۃ العزیز صاحبہ اور میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زود نویسی کوئٹہ کی طرف روانہ ہوئے۔

میرپور خاص

حضرت امیر المومنین مع اہل بیت ۲۲ ہجرت/مئی کو بوقت چھ بجے صبح حیدرآباد پہنچے پھر بذریعہ کار سوا دس بجے میرپور خاص میں رونق افروز ہوئے۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب اور اسٹیٹ کے دوسرے مخلص کارکنوں نے حضور کا استقبال کیا۔[3] حضور کا یہ مبارک سفر چونکہ زیادہ تر انتظامی نوعیت کا تھا اس لئے حضور یہاں پہنچتے ہی مختلف اسٹیٹ کے کارکنوں کے ذریعہ صورتحال کا جائزہ لینے اور ضروری ہدایات دینے میں دن رات سرگرم عمل ہو گئے۔

---

1. الفضل ۲۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۱
2. الفضل ۱۷ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۱ و صفحہ ۲
3. الفضل ۲ احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

کنری سے محمود آباد اسٹیٹ

۴۔ احسان/جون کو حضور اقدس مع اہلبیت کنری تشریف لے گئے میاں عبدالرحیم احمد صاحب اور سید عبدالرزاق شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ دی سندھ جننگ اینڈ پریسنگ فیکٹری کی طرف سے دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا کھانے کے بعد حضور دیر تک مجلس میں رونق افروز ہو کر احباب سے گفتگو فرماتے رہے ظہر و عصر کی نمازیں حضور نے فیکٹری کی مسجد میں پڑھائیں پھر یہ قافلہ شام کے وقت کنری سے روانہ ہو کر سوا سات بجے شام محمود آباد اسٹیٹ میں وارد ہوا۔ سید داؤد مظفر شاہ صاحب مینجر اسٹیٹ اور ماسٹر فضل کریم صاحب اکاؤنٹنٹ مع عملہ اسٹیٹ اور دیگر احباب اپنے مقدس آقا کا خیر مقدم کرنے کے لئے موجود تھے[1]۔ حضور نے دو روز تک محمود آباد اسٹیٹ کا معائنہ فرمایا۔

طاہری اسٹیشن پر ورود

۶۔ احسان/جون کو حضور طاہر آباد اور خلیل آباد کی فصل کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے طاہر آباد کو بسانے کی تجویز زیر عمل تھی اس لئے حضور نے مع خدام اجتماعی دعا فرمائی۔ ۷۔ احسان/جون کو ۲½ بجے بعد دوپہر حضور نے بذریعہ گاڑی طاہری اسٹیشن پر قدم رکھا جہاں چوہدری صلاح الدین صاحب جنرل مینجر محمد آباد اسٹیٹ غلام احمد صاحب عطا ایم ایس سی انچارج تجرباتی فارم سید مسعود مبارک صاحب اور چوہدری غلام احمد صاحب بسرا ڈپٹی مینجر اپنے دیگر عملہ سمیت اہلاً و سہلاً و مرحبا کہنے کے لئے آئے ہوئے تھے[2]۔

حلقہ نور نگر میں "صادق آباد" کی بنیاد اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کیلئے ہدایات

۸۔ احسان/جون کی صبح کو حضور نے حلقہ نور نگر اور حلقہ محمد آباد کی فصلیں ملاحظہ فرمائیں۔ حلقہ نور نگر میں ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی جا رہی تھی حضور وہاں بھی تشریف لے گئے اور خدام سمیت دعا فرمائی اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے نام پر اس بستی کا نام صادق آباد تجویز فرمایا ۹۔ جون کی صبح کو حضرت اقدس نے محمد آباد اسٹیٹ کے گھوڑوں اور ان کے سامان کا جائزہ لیا اور چوہدری صلاح الدین صاحب جنرل مینجر کو ہدایت فرمائی کہ ہفتہ میں کم از کم ایک بار گھوڑوں اور زینوں وغیرہ کا معائنہ کیا جانا چاہیئے یہ بھی دیکھا جائے کہ آیا گھوڑوں کی صحیح دیکھ بھال ہو رہی ہے یا نہیں آیا زینوں کا قابل مرمت سامان درست کرایا جاتا ہے۔ چمڑا کو پالش کیا جاتا ہے یا نہیں[3] یہ

---

[1] الفضل ۱۱۔ احسان/جون ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء
[2] الفضل ۱۲۔ احسان/جون ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء ص ۲
[3] الفضل ۱۴۔ احسان/جون ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء ص ۲

معائنہ عہد سلیمان کا ایک ورق تھا جو دہرایا جا رہا تھا۔

تغیر عظیم پیدا کرنے کے لئے سندھی پڑھنے لکھنے اور بولنے کی تلقین

۱۰؍ احسان؍جون کو حضور نے ناسازیٔ طبع کے باوجود محمد آباد سٹیٹ میں نماز جمعہ خود پڑھائی اور نہایت روح پرور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سندھ کی جماعتوں کو اپنے اندر تربیتی اور تبلیغی لحاظ سے تغیر عظیم پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی نیز پرزور تحریک فرمائی کہ سندھی پڑھنا لکھنا اور بولنا سیکھو تا پنجابی اور سندھی کا بُعد دور ہو جائے اس بارہ میں یہاں تک تاکید کی کہ اگلے سال اگر میں زندہ رہا تو میں یہاں کے کارکنوں کا امتحان لوں گا کہ انہوں نے کہاں تک میری آواز پر لبیک کہا ہے۔[1]

احمد آباد اسٹیٹ سے کنجیجی

۱۳؍ ماہ احسان؍جون کو اکاؤنٹنٹ صاحب احمد آباد نے بھی سالانہ بجٹ پیش کیا حضور نے دو نئی بستیاں آباد کرنے اور اُن کے نام مہدی آباد اور مسیح آباد رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ مقامی جماعت کی طرف سے دعوتِ طعام دی گئی۔ اس موقعہ پر حضور نے ایک مختصر تقریر میں قرب الٰہی کے حصول اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی نصیحت فرمائی۔ بعد ازاں حضور گھوڑے پر سوار ہو کر نبی سر روڈ ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے اور بذریعہ ٹرین مع قافلہ تین بجے بعد دوپہر کنجیجی رونق افروز ہوئے۔ صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب اور چوہدری فضل الرحمٰن صاحب مینجر ناصر آباد اسٹیٹ استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضور مع اہل بیت بذریعہ کار اور باقی قافلہ بیل گاڑیوں پر ناصر آباد اسٹیٹ پہنچا۔[2]

پر معارف خطبہ

۱۷؍ احسان؍جون کو حضور نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ شریعت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو ورنہ اگر کوئی نقص رہ گیا تو یقیناً تمہارے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔ صحابہ کرام اس بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے اور چھوٹی سے چھوٹی بات یاد رکھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی جذبہ تھا جس کی وجہ سے صحابہ نے اپنے اعمال و افکار کی تکمیل کرائی تھی۔

نماز جمعہ میں میر پور خاص اور احمدیہ اسٹیٹس کے احباب کثیر تعداد میں حاضر تھے۔ نماز عصر کے بعد پانچ دوستوں نے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی۔[3]

---

[1] الفضل ۶؍احسان؍جون ۱۳۲۸ہش؍۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔ [2] الفضل ۱۸؍احسان؍جون ۱۳۲۸ہش؍۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

[3] الفضل ۲۳؍احسان؍جون ۱۳۲۸ہش؍۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

کنجیجی سے کوئٹہ

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود قریباً ایک ماہ تک سندھ کی احمدی اسٹیٹس کا وسیع پیمانے پر دورہ و معائنہ کرنے اپنے خدام اور کارکنان کو قیمتی ہدایات سے نوازنے اور خطبات جمعہ کے ذریعہ مخلصین جماعت کے اندر فکر و عمل کی نئی قوت بھرنے کے بعد مع اہل بیت و خدام ۲۱ احسان/جون کو ایک بجے بعد دوپہر کنجیجی سے روانہ ہوئے اور اگلے روز ۲۲ احسان/جون کو چار بجے کے قریب بخیریت کوئٹہ پہنچے اسٹیشن پر مخلصین کوئٹہ اپنے امیر میاں بشیر احمد صاحب کے ہمراہ بھاری تعداد میں اپنے مقدس و محبوب آقا کی پیشوائی کے لئے حاضر تھے۔ حضور نے سب کو شرف مصافحہ بخشا اور پھر مع اہل بیت کاروں کے ذریعہ سے (جن کا انتظام مقامی جماعت نے کیا تھا) اپنی قیام گاہ واقع پارک ہاؤس میں تشریف لائے۔[1]

قیام کوئٹہ کے اکثر و بیشتر ایام میں حضرت مصلح موعود کی طبیعت سخت علیل رہی حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ "روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے"[2] یہی کیفیت حضور پر نور کی تھی۔ جونہی بیماری کے حملہ میں معمولی سا افاقہ محسوس فرماتے حضور کی دینی مصروفیات میں ایسی نمایاں تیزی اور غیر معمولی سرگرمی پیدا ہو جاتی کہ دیکھنے والا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا۔ اس حقیقت کا اندازہ قیام کوئٹہ کے آئندہ درج شدہ کوائف سے بآسانی لگ سکے گا۔

جماعت کو نئی آزمائشوں کے لئے تیار ہو جانے کا حکم

۲۴ احسان/جون کو جمعہ تھا حضرت امیر المومنین نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ ہماری جماعت کو اب نئی آزمائشوں کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے چنانچہ فرمایا:-

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علوم اور اس کی دکھائی ہوئی خبروں سے مجھے معلوم ہوتا ہے جماعت کے لئے اب ایک ہی وقت میں دو قسم کے زمانے آرہے ہیں اور الٰہی جماعتوں کے لئے ہمیشہ ہی یہ دونوں زمانے متوازی آیا کرتے ہیں یعنی ایک ہی وقت میں ترقی اور ایک ہی وقت میں تکالیف اور مصائب کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ وہ آخری زمانہ نہیں آجاتا جس میں تمام تکالیف ختم ہو جاتی ہیں اور صرف ترقیات ہی ترقیات باقی

---

[1] الفضل یکم وفا/جولائی ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲
[2] متی ۲۶/۴۱

رہ جاتی ہیں لیکن الٰہی سنت یہ ہے کہ جب بیرونی مصائب کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے
تو اندرونی مصائب شروع ہو جاتے ہیں۔ صحابہ اس نکتہ کو خوب سمجھتے تھے اسی وجہ سے جب
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عرب پر فتح دی تو اس کے بعد وہ خاموش ہو کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ
انہوں نے قیصر اور کسریٰ دو زبردست بادشاہوں سے لڑائی شروع کر دی۔ لوگ خیال
کرتے ہیں کہ شاید دُنیا کا لالچ یا دنیا کی بڑائی کی خواہش میں صحابہؓ نے ایسا کیا لیکن واقعات
اس کی تردید کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھی
کہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ جب بھی بیرونی خطرہ کم ہوا اندرونی فسادات شروع ہو جائیں
گے اس لئے جب قیصر نے حملہ کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ قیصر نے حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے
ایک راہ نکالی ہے تا کہ مسلمان ایک مصیبت کے ذریعہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے
اندر نئی زندگی اور نیا تغیر پیدا کریں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی ان حملوں کو ایک
خدائی انتباہ سمجھا اور وہ لڑائی کے لئے تیار ہو گئے تا کہ مسلمان بیدار رہیں اور ان کے اندر
نئی روح اور نئی زندگی پیدا ہوتی رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مصائب خدا کی طرف سے اس لئے آتے ہیں تا کہ قوم میں آرام کے سامانوں
کے پیدا ہونے کی وجہ سے کلی طور پر دنیا کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ انفرادی طور پر تو ایسے
ہزاروں لوگ مل سکتے ہیں جو بڑی بڑی دولتوں کے مالک ہونے کے باوجود خدا تعالیٰ
کو نہیں بھولتے مگر قومی طور پر اس مقام پر پہنچنا بڑا مشکل ہوتا ہے قومیں اسی وقت
تک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہیں جب تک وہ مصائب اور آفات میں گھری رہتی ہیں
پس مصائب کا زمانہ روحانی ترقی کے لئے ایک نہایت ضروری چیز ہے اگر کسی
وقت باہر سے مصائب نہ آئیں تو مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے اندرونی طور پر خود مصائب
تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ یہ غلط خیال ہے کہ ابتلاء صرف ابتدائی زمانہ میں آیا کرتے ہیں
ترقی کے زمانہ میں ابتلاؤں کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کی
ترقی اور ابتلاء یہ دو توام بھائی ہیں۔ ابتدائی سے ابتدائی زمانہ میں بھی ابتلا آتے ہیں اور انتہائی
عروج کے وقت بھی ابتلاء آتے ہیں۔“[1]

---

[1] الفضل ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء۔ صـ۳۔

حضرت امیرالمومنین نے یہی حقیقت ایک دوسرے رنگ میں ۲۹ رفا/جولائی کو بھی خطبہ جمعہ کے دوران واضح کی اور کھلے لفظوں میں انتباہ فرمایا کہ:-

"الٰہی جماعتوں کا یہ طریق ہوتا ہے کہ دشمن انہیں مارنا چاہتے ہیں تو ان کے افراد اس سے گھبراتے نہیں بلکہ اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور اگر ہم ایک نبی کی جماعت ہیں تو یقیناً ایک دن ہمارے مخالف ہمیں کچلنے کی کوشش کریں گے اور چاہیں گے کہ اس کانٹے کو اس رستہ سے ہٹا دیا جائے مگر جب ایسا وقت آئے گا تو کیا وہ لوگ جو اب اپنی آمد کا ۱/۱۶ حصہ بھی بطور چندہ نہیں دیتے اس وقت سینکڑوں روپے کی ماہوار آمد کو چھوڑ دیں گے؟ جماعت پر جب بھی ایسا وقت آئے گا وہ اپنے آپ کو غیر احمدی کہنا شروع کر دیں گے اور اپنے دلوں کو اس طرح تسلی دے لیں گے کہ خدا تعالیٰ تو عالم الغیب ہے وہ تو جانتا ہے کہ ہم دل سے احمدی ہیں۔ اس وقت جماعت کا کتنا حصہ ہوگا جو باقی رہ جائے گا اور کہے گا کہ اچھا تم ہمیں مارنا چاہتے ہو تو مارتے جاؤ۔ ملازمتوں سے الگ کرنا چاہتے ہو تو الگ کر دو۔ ملک بدر کرتے ہو تو ملک بدر کر دو جیل خانوں میں ڈالتے ہو تو جیل خانوں میں ڈال دو۔ ہم وہاں بھی فریضہ تبلیغ کو نہیں چھوڑیں گے تم ہمیں پھانسی دیتے ہو تو دے دو ہم پھانسی کے تختوں پر بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کریں گے۔ جب جماعت میں ایسا رنگ پیدا ہو جائے گا تو پھر وہی افسر جو ملک بدر کرنے پر آمادہ ہوں گے اسی طرح جیلخانوں کے افسر اور جلاد وغیرہ سب احمدیت کو قبول کر لیں گے کہ احمدیہ جماعت واقعی الٰہی جماعتوں والا رنگ رکھتی ہے لیکن جو شخص ابھی سے اپنے آپ کو اس گھڑی کے لئے تیار نہیں کرتا اس پر ہم کیسے امید کر سکتے ہیں کہ وہ وقت آنے پر ثابت قدم رہے گا۔ بے شک جماعت میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنی دنیوی جائدادوں اور اپنی آمدنوں پر لات مار کر دین کی خدمت کے لئے آگئے ہیں۔ مگر پھر بھی جماعت کا ایک حصہ سست اور غافل ہے اور اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رکھو! جب تک جماعت کا اکثر حصہ نبیوں کی جماعتوں کی طرح مار کھانے کے لئے تیار نہیں ہو جاتا ہم اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ مار کھانا بڑے حوصلے کی بات ہے۔ جو مارتے ہیں وہ دنیا کی توجہ اپنی طرف نہیں پھیر سکتے۔ مگر جو مار کھاتے ہیں ان کی طرف دنیا کی توجہ پھر جاتی ہے"[1]

---

[1] الفضل ۵ ظہور/اگست ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲

رمضان المبارک کی برکات سے متعلق بصیرت افروز خطاب اور اجتماعی دعا

۲۶ رو فا/ جولائی کو انتیسواں روزہ تھا۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ کوئٹہ کے تمام احباب مرد و زن یارک ہاؤس میں اجتماعی دعا کے لئے جمع ہوئے حضرت امیر المومنین نے باوجود ناسازی طبع کے شمولیت کی اور ارشاد فرمایا :-

" رمضان بڑی برکتوں والا مہینہ ہے اس میں انسان خدا تعالےٰ کے فضلوں کے حصول کے لئے جتنی بھی کوشش کر سکے اسے کرنی چاہیئے۔ سب سے بڑا سبق جو رمضان ہمیں دینے کے لئے آتا ہے وہ یہ ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ اپنی روحانیت کی تکمیل کے لئے دوسرے ایام میں بھی روزے رکھتا رہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اس طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے رمضان آتا ہے تو لوگ روزے رکھنے شروع کر دیتے ہیں اور بعض اتنا تعہد کرتے ہیں کہ مسافر اور مریض بھی روزے رکھتے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی ایسی توجیہہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کے لئے روزہ رکھنا جائز قرار دیا جا سکے لیکن اس کے بعد سارا سال اس سبق کو بھلا دیا جاتا ہے اور کبھی نفلی روزے نہیں رکھے جاتے حالانکہ یہ ایام صرف اپنی ذات میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ایام میں بھی روزے رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

اسلام کی بڑی بڑی عبادتیں۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج ہیں۔ لیکن اگر ہم غور کے ساتھ کام لیں تو ہمیں یہ چاروں عبادتیں نوافل کے ساتھ وابستہ نظر آتی ہیں۔ مثلاً نماز کے لئے اگرچہ دن میں پانچ وقت مقرر ہیں لیکن اس کے ساتھ کئی نوافل لگا دیئے گئے ہیں۔ حج اگرچہ سال میں ایک دفعہ مقرر ہے مگر اس کے ساتھ عمرہ لگا دیا گیا ہے جو سال میں ہر وقت ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ سال میں ایک دفعہ مقرر ہے مگر اس کے ساتھ صدقہ لگا دیا گیا ہے جو ہر وقت کیا جا سکتا ہے اسی طرح رمضان بھی یہ بتانے کے لئے آتا ہے کہ دوسرے ایام میں بھی ہمیں روزے رکھنے چاہئیں۔ گویا رمضان ٹریننگ کا مہینہ ہے اور جس غرض کے لئے اس میں مشق کرائی جاتی ہے اگر وہ پوری نہ ہو تو مشق کا فائدہ ہی کیا !! ایک سپاہی کو پریڈ گولی چلانا اور دوسرے فنون حرب اسی لئے سکھائے جاتے ہیں تا وہ وقت آنے پر قوم اور ملک کی خدمت کر سکے۔ اگر وہ وقت پر یہ کہہ دے کہ میں نے جو کچھ کرنا تھا ٹریننگ کے عرصہ میں کر لیا ہے تو اسے کون عقلمند کہے گا۔

صحابہؓ میں نفلی روزے رکھنے کا خاص جوش پایا جاتا تھا لیکن دیکھتا ہوں کہ

ہماری جماعت کے دوست اس طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ دوستوں کو چاہیئے کہ علاوہ رمضان میں روزے رکھنے کے نفلی روزے بھی وقتاً فوقتاً رکھتے رہا کریں اس سے جہاں روزے رکھنے والے کو ثواب ملے گا وہاں دوسرے لوگوں میں بھی روزوں کی تحریک جاری ہوگی۔

بے شک رمضان میں برکتیں زیادہ ہیں لیکن یہ اس لئے آتا ہے تا مومنوں کو اس بات کی عادت ڈالے کہ وہ دوسرے ایام میں بھی روزے رکھکر اپنی روحانیت کی تکمیل کیا کریں"

اس نصیحت کے بعد حضور نے احباب سمیت لمبی دعا فرمائی۔ اختتام دعا پر جماعت احمدیہ کوئٹہ کی طرف سے سب احباب کی افطاری کرائی گئی۔ [۱]

قرآن مجید کا اُردو ترجمہ سیکھنے کی پُر زور تحریک

۲۹ ؍وفا/جولائی کو حضور نے پارک ہاؤس میں ایک نہایت اہم پبلک لیکچر دیا۔ اخبار "پکار" کوئٹہ [۲] نے اپنے ۱۲؍اگست ۱۹۴۹ء کے ایشو میں اس تقریر کا مندرجہ ذیل ملخص شائع کیا:-

"مرزا بشیر الدین امیر جماعت احمدیہ کی تقریر۔

کوئٹہ ۲۹؍جولائی آج شام سات بجے پارک ہاؤس لٹن روڈ میں امیر جماعت احمدیہ نے ایک تقریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ لوگوں کو اُردو بولنا چاہیئے انہوں نے حاضرین جن میں اکثریت جماعت احمدیہ کے ممبروں کی تھی پر زور دیا کہ وہ پنجابی زبان کو ختم کردیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ ہر ایک کو چاہیئے کہ وہ قرآن کا کم از کم اردو ترجمہ ضرور یاد کریں۔ اس تقریر میں آپ نے ایک مثال دیتے ہوئے کہا کہ ایک دفعہ میرے پاس دیوبند کے دو مولوی آئے اور مجھے کہا کہ آپ کیا پڑھے ہوئے ہیں؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ محمد رسول اللہ بھی قرآن پڑھے ہوئے تھے۔ میں بھی قرآن پڑھا ہوا ہوں۔

مرزا صاحب نے تقریباً ۴۰ منٹ تقریر کی اور اس کے بعد متعدد شہریوں اور نمائندگان پریس سے ملے اور اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ (نامہ نگار)"

---

[۱] - الفضل ۲؍ظہور/اگست ہش ۱۳۲۸ / ۱۹۴۹ء

[۲] - اس اخبار کے مالک و مدیر جناب عبدالکریم صاحب بٹ تھے۔ یہ اخبار ۱۹۴۸ء سے نکلنا شروع ہوا تھا۔

آیت قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی لطیف اور پُر معارف تفسیر پر مشتمل سلسلہ خطبات

سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۵ ؍اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ ہش/ ۱۹۴۶ء کو عالم رؤیا میں دیکھا کہ:

"بہت سے لوگ جمع ہیں (اور) میں اُن کے سامنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر تقریر کر رہا ہوں اور آیت قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین کو لے کر اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہوں۔

فرمایا۔ "اس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے بیج کے طور پر اس آیت کے مطالب کو میرے قلب میں داخل کر دیا ہے اور جب ضرورت ہوگی وہ اس کے مطالب کو میرے ذریعہ سے روشن فرمائے گا۔"[1]

یہ ایک عظیم پیشگوئی سفر کوئٹہ کے دوران پوری ہوگئی جب کہ حضور نے اس آیت کریمہ کی لطیف تفسیر پر ایک سلسلہ خطبات شروع فرمایا جو ۵ ظہور/ اگست سے لے کر ۲۶ ظہور/ اگست تک جاری رہا۔ ان پُر معارف خطبات میں حضور انور نے ایک نئے اسلوب اور اچھوتے اور دلنشین پیرائے میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح نمایاں کر دکھائی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادتیں، قربانیاں، زندگی اور موت حقیقتاً رب العالمین کی رضا اور خوشنودی کے لئے تھی اس سلسلہ کے آخری خطبہ میں حضور نے مسلمانانِ عالم کی توجہ اس انقلاب انگیز نکتہ کی طرف منعطف فرمائی کہ

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے تمام مسلمانوں کا مطاع قرار دیا ہے پس آپ پر سچا ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ جس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کے لئے انتہائی قربانیوں کا مظاہرہ کیا اسیطرح وہ بھی اپنی اپنی روحانی استعداد کے مطابق ان قربانیوں میں حصہ لیں تاکہ اللہ تعالےٰ انہیں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں جگہ دے اور جس طرح آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں اسیطرح آپ کی اُمّت بھی اپنی قربانیوں میں تمام اُمّتوں سے افضل

---

[1] الفضل ۱۳؍اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ ہش/ ۱۹۴۶ء

ثابت ہوئے[1]

اسلام اور موجودہ مغربی نظریے کے موضوع پر ایک جلسۂ عام میں اثر انگیز خطاب

۱۲ ظہور/اگست ۶ بجے شام جماعت احمدیہ کوئٹہ کے زیر اہتمام پارک ہاؤس کے احاطہ میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت مصلح موعود نے سوا گھنٹہ تک "اسلام اور موجودہ مغربی نظریے" کے موضوع پر ایک فکر انگیز خطاب فرمایا جس میں اسلام کے مخصوص نظریات میں سے توحید، طلاق، حرمت شراب، کثرت ازدواج، جوا اور سزائے موت میں سے ایک ایک کو لے کر ثابت کیا کہ زمانہ حاضرہ میں مغرب کو اسلام کے مقابل پر مذہبی، سیاسی اور اقتصادی تینوں میں شکست فاش اٹھانا پڑی ہے اپنے خطاب کے آخر میں فرمایا کہ تمام خرابی اور تباہی کی جڑ یہ ہے کہ مسلمان قرآن کریم پر حقیقی نہیں صرف رسمی ایمان رکھتے ہیں ورنہ وہ سمجھتے کہ تمام برکت قرآن کریم پر عمل کرنے میں ہے اور اگر ہم ذرا بھی اس کے احکام سے ادھر ادھر ہوئے تو ہمیں بھی نقصان پہنچے گا اور ہماری آئندہ نسلیں بھی تباہ ہوں گی[2] اس جلسہ عام میں احباب جماعت احمدیہ کے علاوہ چھ سو کے قریب غیر احمدی معززین بھی شامل ہوئے جن کی نشست کے لئے کرسیوں کا انتظام تھا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس تقریر کا تمام سامعین پر نہایت گہرا اثر ہوا۔[3]

کوئٹہ میں ایک فوجی افسر کی ملاقات

کوئٹہ میں حضرت مصلح موعود سے ایک فوجی افسر کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب ہندوستان کی وسیع جنگی تیاریوں سے خوفزدہ تھے اور کشمیر کی واپسی کو ناممکن تصور کرتے تھے مگر حضرت مصلح موعود نے انہیں قرآن مجید کی روشنی میں ایسا بصیرت افروز جواب دیا جو ایک مخلص مسلمان کی تسلی و تشفی کے لئے کافی و وافی تھا۔ حضرت مصلح موعود کے الفاظ میں اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے فرمایا:۔

"میں کوئٹہ گیا تو وہاں مجھے کچھ فوجی افسر ملنے آئے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اسی دوران میں کشمیر کا بھی ذکر آ گیا میں نے کہا کشمیر مسلمانوں کو ضرور ملنا چاہیئے ورنہ اس کے بغیر پاکستان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے دن میرے پرائیویٹ سیکرٹری نے مجھے لکھا کہ فلاں کرنیل صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے الگ بات کرنی ہے۔ میں نے ان کو لکھا کہ آپ کو کوئی

۱ے خطبات کے متن کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۶ فتح ۱۳۳۸ہش/دسمبر ۱۹۵۹ء ۔ ۲۰ فتح ۱۳۳۸ہش/دسمبر ۱۹۵۹ء ۔ ۶ صلح ۱۳۳۹ہش/جنوری ۱۹۶۰ء ۔ ۳۱ صلح ۱۳۴۱ہش/جنوری ۱۹۶۲ء صفحہ ۵

۲ے الفضل ۳۱ ظہور ۱۳۲۸ہش/اگست ۱۹۴۹ء صفحہ ۳-۴ ۔ ۳ے ایضاً صفحہ ۵

غلطی تو نہیں لگی یہ تو کل مجھے مل کر گئے ہیں انہوں نے کہا یہ بات تو درست ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک پرائیویٹ بات کرنی ہے۔ میں نے کہا لے آؤ۔ چنانچہ وہ آ گئے

میں نے کہا فرمائیے آپ نے کوئی الگ بات کرنی تھی کہنے لگے جی ہاں۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ آپ نے کہا تھا کہ ہمیں کشمیر لینا چاہیئے اور اس کے لئے ہمیں قربانی کرنی چاہیئے۔ یہ بات آپ نے کس بنا پر کہی تھی کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہندوستان کے پاس فوج زیادہ ہے میں نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ اس کے پاس فوج زیادہ ہے۔ کہنے لگے تو کیا آپ جانتے ہیں کہ جو بندوقیں ہمارے پاس ہیں وہی ان کے پاس ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں ان کے پاس ڈم ڈم کی فیکٹری ہے جو ہزاروں ہزار بندوق ان کو ہر مہینے تیار کر کے دیتی ہے میں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ان کے پاس اتنا گولہ بارود ہے اور آٹھ کروڑ کا گولہ بارود جو ہمارا حصّہ تھا وہ بھی انہوں نے ہم کو نہیں دیا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کہنے لگے آپ کو معلوم نہیں ان کے ہاں ہوائی جہازوں کے چھ سکواڈرن ہیں اور ہمارے ہاں صرف دو ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کہنے لگے ان کی اتنی آمد ہے اور ہماری اتنی آمد ہے میں نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے کہنے لگے جن کالجوں میں وہ پڑھے ہیں انہیں کالجوں میں ہم بھی پڑھے ہیں ہمیں ان پر علمی رنگ میں کوئی برتری حاصل نہیں۔ میں نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے۔ کہنے لگے پھر جب ہماری فوج کم ہے اور ان کی زیادہ ہے گولہ بارود ان کے پاس زیادہ ہے توپیں ان کے پاس زیادہ ہیں۔ ہوائی جہاز ان کے پاس زیادہ ہیں آمد ان کی زیادہ ہے اور ہم بھی انہی کالجوں میں پڑھے ہوئے ہیں جن میں وہ پڑھے۔ ہمارے اندر کوئی خاص لیاقت نہیں تو پھر آپ نے کس بناء پر ہمیں کہا تھا کہ ہمیں کشمیر لینا چاہیئے۔ میں نے کہا دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ کہ کئی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ تعالےٰ کے فضل سے بڑی جماعتوں پر غالب آجایا کرتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہ بات اسی لئے بیان فرمائی ہے کہ تم تھوڑے اور کمزور ہو کر ڈرا نہ کرو خدا تعالےٰ طاقت رکھتا ہے کہ تمہیں بزدل پر غلبہ دے دے اس لئے آپ گھبراتے کیوں ہیں اللہ تعالےٰ پر توکل رکھیئے بے شک آپ تھوڑے ہیں لیکن خدا تعالےٰ آپ کو طاقت دے دے گا۔ پھر میں نے کہا میں تم کو ایک موٹی بات بتاتا ہوں۔ تم مسلمان ہو کیا تمہیں معلوم ہے یا نہیں کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ اگر تم مارے جاؤ گے تو جنت میں جاؤ گے۔ کہنے لگا جی ہاں۔ میں نے کہا اب دو صورتیں ہیں کہ اگر تم میدان میں کھڑے رہو گے اور زندہ

رہو گے تو جیت جاؤ گے۔ اور اگر مارے جاؤ گے تو جنت میں چلے جاؤ گے اب بتاؤ کیا تمہارے اندر مرنے کا کوئی ڈر ہو سکتا ہے کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ اگر میں لڑائی کے میدان میں کھڑا رہا اور لڑتا رہا تو دو ہی صورتیں ہیں یا جیت جاؤں یا جنت میں چلا جاؤں گا پس تمہاری بہادری کا ہندو کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ تو یہ جانتا ہے کہ اگر میں مر گیا تو بندر بن جاؤں گا یا سؤر بن جاؤں گا یا کتا بن جاؤں گا یا اس کا تناسخ ہے۔ تم یہ تو جانتے ہو کہ مر کے جنت میں چلے جائیں گے اور وہ یہ جانتا ہے کہ مر کے کتا بن جاؤں گا۔ سؤر بن جاؤں گا بندر بن جاؤں گا تو مسلمان اور ہندو کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا اسے تو کتا یا سؤر بننے کا ڈر لگا ہوا ہے اور تم میں جنت میں جانے کا شوق ہے۔ تمہارا اور اس کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے دلیری کے اتنے مواقع پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ اس کو کوئی گزند آ ہی نہیں سکتی۔[1]

فصل سوم

حضرت نواب محمد الدین صاحب کا انتقال

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کوئٹہ میں ہی تشریف فرما تھے کہ حضور انور کی خدمت میں یہ دردناک اطلاع پہنچی کہ خان بہادر حضرت چوہدری نواب محمد الدین صاحب مرحوم انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[2]

حضرت نواب صاحب سلسلہ احمدیہ کی نہایت معروف و ممتاز شخصیت اور انتہائی مخلص بزرگ تھے جنہوں نے مسیح محمدی کا مبارک زمانہ پایا اور تحریک احمدیت سے دلی طور پر وابستہ ہوئے مگر بیعت حضرت مصلح موعود کے دست مبارک پر ۱۹۲۷ء کے لگ بھگ کی۔

---

[1] سیر روحانی جلد سوم صفحہ ۲۶۶ تا صفحہ ۲۶۸۔ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ۔

[2] الفضل ... ر وفا / جولائی ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ ۔ آپ مشہور راجپوت باجوہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے ... پر

ربوہ کے ابتدائی دور کا ایک نہایت اہم اور یادگار فوٹو

سامنے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ہیں۔ دائیں کرسی پر۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ ۲۔ حضرت نواب محمد دین صاحب۔ ۳۔ ؟۔
۴۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد۔ ۵۔ ؟۔ ۶۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب۔ حضرت مصلح موعود کے بائیں جانب حضرت قمر الانبیاء تشریف فرماہیں

حضرت چوہدری صاحب اپنے خود نوشت حالات قبولِ احمدیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۰ رکھتے تھے۔ آپ کے جد امجد راجہ فتح چند جی نے سب سے پہلے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ تاریخ "آئینہ اکبری" میں آپ کا قابل تعریف الفاظ میں تذکرہ ملتا ہے۔ راجہ فتح سنگھ جی صوبہ پسرور کے گورنر تھے آپ ہی کی اولاد میں سے حضرت جان محمد صاحب اور حضرت اسماعیل صاحب جیسے اولیاء پیدا ہوئے جن کا مقبرہ کیلاسا گاؤں کے نزدیک ہے اور جن کے لڑکے عنایت اللہ خان کے نام پر قصبہ تلونڈی عنایت خاں آباد ہوا۔ حضرت چوہدری محمد الدین صاحب اسی قصبہ میں ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام صوبہ خان تھا۔ حضرت چوہدری صاحب کی ابتدائی تعلیم ۱۸۸۰ء میں شروع ہوئی آپ نے انگریزی تعلیم صرف میٹرک تک حاصل کی اور پٹواری کی اسامی سے ملازمت میں قدم رکھا۔ مگر اپنے خلوص محنت اور دیانتداری کے سبب بڑے بڑے عالی مراتب اور بلند مناصب تک پہنچے چنانچہ ۱۸۹۵ء میں تحصیلدار ڈیرہ اسماعیل خان اور ۱۹۰۱ء میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۶ء تک دہلی میں ایلے سیٹلمنٹ آفیسر پھر ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے ۱۹۱۰ء میں نواب صاحب ریاست مالیر کوٹلہ نے آپ کی خدمات حکومت سے مستعار حاصل کیں اور آپ نے ریاست میں مہتمم بندوبست کے فرائض نہایت کامیابی سے انجام دیئے۔ ان خدمات کے صلہ میں ۱۹۱۸ء میں آپ کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا ۱۹۱۹ء میں آپ پاکپتن اور خانیوال میں سب ڈویژنل آفیسر رہے ۱۹۲۲ء میں آپ پونچھ ریاست میں مہتمم بندوبست و ریونیو منسٹر کی حیثیت میں فرائض بجا لاتے رہے پھر ضلع رہتک کے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے ۱۹۲۴ء میں آپ کی خدمات ریاست بہاولپور نے حاصل کرلیں۔ آپ اپنے مختصر قیام ریاست میں ایک ایسی سکیم تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جس میں ریاست کو ۸۰ کروڑ کا فائدہ ہوتا مگر افسوس یہاں آپ کو دربار ریاست کے اندرونی خلفشار اور انتشار کے باعث صرف ایک سال تک رہنے کا موقعہ میسر آیا تاہم آپ کی خدمات جلیلہ کا اقرار اخبار پاؤنیر نے اپنی ۲۷ جنوری ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں نمایاں طور پر کیا۔ اپریل ۱۹۲۶ء میں آپ ضلع شیخوپورہ میں ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے ۱۹۲۸ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوگئے۔ آپ کی الوداعی پارٹی میں پنجاب کے گورنر سر جعفری ڈی مانٹ مورنسی اور سردار بوٹا سنگھ پریذیڈنٹ پنجاب کونسل نے آپ کی بہت تعریف کی۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں آپ کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۵ء تک جے پور کے پردھان منتری یعنی پرائم منسٹر رہے اور نواب کا خطاب ملا بعد میں قریباً ۷ برس تک ریاست جودھ پور کے ریونیو منسٹر رہے۔ الغرض پوری زندگی خداوند کریم کے انعامات کا مہبط و مورد رہے مگر آپ کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر اتقاء و پارسائی اور روحانیت ہی کا درویشانہ رنگ غالب رہا۔ نہایت مرنجان مرنج طبیعت رکھتے تھے اور مسلم و غیر مسلم سب بڑی قدر و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے نہایت خلیق غایت درجہ رحمدل، منصف مزاج، راست گو، غریبوں کے ہمدرد و غمگسار، خدا ترس اور شب بیدار۔ اکثر بڑے بڑے مقدمات کا فیصلہ لکھنے سے پہلے بہت دعائیں کرتے تھے۔ (الفضل ۲۶ وفا / جولائی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ملخصاً از مضمون سید علی شاہ صاحب ایس ڈی او پی ڈبلیو آر میرپور خاص سندھ)

ہیں:۔

پچاس سال گزرے ہیں۔ میں ۱۸۸۹ء میں سیالکوٹ ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ اسی سکول میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ مدرس تھے۔ میں عموماً ہر روز عصر کے بعد مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ آپ اکثر ایسے وقت میں شیخ نتھو صاحب (والد ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب) کی دوکان پر یا میاں مولا بخش صاحب بوٹ فروش کی دکان پر ملتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کی تقریر بہت موثر اور فصیح ہوا کرتی تھی۔ میں نے سکول میں عربی کا مضمون لے رکھا تھا اور مولوی صاحب سے عربی کی ابتدائی کتاب پڑھا کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات اور کتابوں "براہین احمدیہ" اور "سرمہ چشم آریہ" وغیرہ کا بہت چرچا تھا اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب جن کی طبیعت پہلے نیچریت کی طرف زیادہ راغب تھی حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کی صحبت کے اثر سے نیچریت سے بیزار ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی غلامی میں داخل ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب حکیم حسام الدین صاحب والی مسجد میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے اور اسی میں چوہدری نصراللہ خاں صاحب مرحوم شامل ہوا کرتے تھے۔

سیالکوٹ سکول سے فارغ ہو کر میں اسی ضلع کے بندوبست میں ٹریننگ پر تحصیل ظفر وال میں تعینات ہوا اور متواتر کئی سال تک دیہاتی زندگی بسر کی۔ ظفر وال میں حافظ فصیح الدین صاحب تحصیلدار تھے جو لحاظ ہر بہت متشرع اور دیندار اہلحدیث تھے اور شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسن ظنی رکھتے تھے مگر بعد میں سخت مخالف ہو گئے۔ ۱۸۹۶ء میں جب لاہور میں جلسۂ مذاہب تھا۔ میں حافظ صاحب کے ساتھ جلسہ میں گیا۔ تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سٹیج پر تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مضمون سنا رہے تھے عجیب کیفیت تھی سب لوگ ہمہ تن گوش تھے۔ تقریر سننے کے بعد شام کو جب ہم مکان پر پہنچے تو حافظ فصیح الدین صاحب سے حافظ محمد یوسف صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مضمون کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا۔ اسلام پر اس سے بہتر مضمون میں نے کبھی نہیں سنا۔ الغرض باوجود مخالفت کے انہوں نے اس مضمون کا نہایت اعلیٰ ہونا تسلیم کیا۔

میں ۱۸۹۷ء میں صاحب کمشنر بندوبست پنجاب کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اور لاہور میں چوہدری شہاب الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور میں ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ چوہدری صاحب

اور مولوی صاحب ان دنوں وکالت کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ مولوی صاحب اکثر قادیان جاتے رہتے تھے وکالت پاس کرنے کے بعد جب انہوں نے کلّی طور پر اپنے آپ کو دینی خدمت میں لگا دیا تو ان کی اس قربانی کا میری طبیعت پر بہت اثر ہوا۔

کچھ عرصہ بعد میرا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے بندوبست میں تعینات ہوا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب وہاں بھی اکثر مجھے تبلیغی خط لکھا کرتے تھے۔ میں حسن ظن اور اخلاص رکھتا تھا۔ اور حسبِ توفیق چندہ بھی دیا کرتا تھا۔ اخبار الحکم اور البدر کا بھی خریدار تھا اور ہمیشہ پڑھا کرتا تھا لیکن جب میں دیکھتا کہ بعض لوگ بیعت کرنے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں تو میں سوچا کرتا کہ حسن ظن رہنا زیادہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ بیعت کر کے پھر ارتداد کا خطرہ لاحق ہو۔ مجھ کو تو شروع سے حسن ظن رہا ہے لیکن جب کبھی میں سنتا کہ فلاں نے بیعت کی ہوئی تھی اور وہ مرتد ہو گیا ہے تو میں اکثر یہ تحقیقات کرنے کی کوشش کرتا کہ اس کے ارتداد کی کیا وجہ ہوئی؟ اکثر مرتدین سے گفتگو کرنے کا بھی موقع ملا۔ مثلاً ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی سے۔ جب وہ کئی رسالے مخالفت میں لکھنے کے بعد خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا اب آپ خاموش کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ اب احمدیت کا باقی کیا رہ گیا ہے جو میں کچھ لکھوں۔ گویا وہ بزعم خود احمدیت کو ختم کر چکے تھے۔ بعض لوگ جو باوجود ظاہری قربانیوں کے جماعت سے کٹ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو دنیا میں سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کے منکروں کو پیش آئی تھی یعنی وہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اب ہم پر سارا دارومدار ہے اور ان میں اپنی لیاقت اور قربانیوں وغیرہ کے خیال سے تکبر اور رعونت آجاتی ہے جس سے خدائی قانون کے ماتحت ان کا سارا کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس تکبر اور رعونت کی بیماری سے محفوظ رکھے اور ہمارے بچھڑے ہوئے دوستوں کو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیار کردہ کشتی میں سوار ہونے اور آپ کے پاس بیٹھنے کی توفیق دے۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے — اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
یہی اک فخر شان اولیا ہے — بجز تقویٰ زیادت ان میں کیا ہے
ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے — اگر سوچو یہی دارالجزا ہے

ہمارے خاندان میں سب سے پہلے میرے مرحوم بھائی چوہدری محمد حسین نے بیعت کی اس کے

بعد رفتہ رفتہ قریباً سارا خاندان احمدی ہو گیا۔ میں ۱۹۰۶ء میں دہلی بندوبست میں اسسٹنٹ سیٹلمنٹ آفیسر تھا۔ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق اسی بندوبست میں ناظر تھے۔ میر صاحب جلسہ سالانہ پر قادیان جا رہے تھے میں نے اپنے لڑکے محمد شریف (حال ایڈووکیٹ منٹگمری) کو جو اس وقت پرائمری میں پڑھتا تھا میر صاحب کے ساتھ بھیج دیا وہاں اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ دہلی کے زمانہ میں محمد شریف کا چھوٹا بھائی محمد سعید چیچک سے سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی حالت نہایت تشویشناک تھی اور ہم قریباً مایوس ہو چکے تھے۔ میر قاسم علی صاحب نے دعا کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تار دیا۔ اور شام کو ہمیں تسلی دی کہ اس وقت قادیان میں محمد سعید کی صحت کے لئے دعا ہو رہی ہے زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ چیچک اس قدر تھی کہ خطرہ تھا کہ اگر وہ بچ بھی گیا تو اس کی آنکھیں نہیں بچ سکیں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے محمد سعید کو کامل شفا عطا فرمائی۔

باوجود ان سب باتوں کے میری قسمت میں نہیں تھا کہ میں صحابی ہوتا۔ اور مجھے اخلاص رکھنے کے باوجود بیعت کی توفیق بہت دیر میں ملی۔ جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے انتقال پر جماعت میں اختلاف پیدا ہوا اور ہمارے دوست جن کی میرے دل میں بہت عزت تھی قادیان چھوڑ کر لاہور جا بیٹھے تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ انہی دنوں میں نے رؤیا دیکھا جو میں نے اپنے بھائی چوہدری غلام حسن صاحب کو سنایا۔ جس سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ خلافت ثانیہ حق ہے۔ اب وہ دور شروع ہوا جب میں نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبات اور تحریروں کو پڑھنا شروع کیا۔ اور ان سے ہمیشہ بہت فائدہ اٹھایا اختلاف کے چند سال بعد میں سیالکوٹ سے لاہور آ رہا تھا راستہ میں وزیر آباد سٹیشن پر منشی نواب خان صاحب مرحوم تحصیلدار مجھے مل گئے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت میں سرشار نظر آیا کرتے تھے اور ہر وقت سلسلہ کی باتیں کیا کرتے تھے اس روز خلاف معمول وزیر آباد سے گوجرانوالہ پہنچنے تک انہوں نے سلسلہ کے متعلق جب کوئی تذکرہ نہ کیا تو میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ منکرین خلافت میں شامل ہو چکے ہیں۔ کیونکہ وہ ذوق تبلیغ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت آپ میں نہیں رہی۔ میرا یہ قیاس صحیح نکلا۔

دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے   پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے مرے حاجت برار

لاہور پہنچ کر میں چودھری شہاب الدین صاحب کے مکان پر ٹھہرا۔ وہاں میری برادری کے میرے ایک عزیز موجود تھے۔ جو مخلص احمدی ہوا کرتے تھے۔ اور مجھے تبلیغی خط لکھتے رہتے تھے۔ ان سے میں نے وہی سوال کیا کہ آپ مصدقین خلافت میں سے ہیں یا منکرین میں سے انہوں نے کہا آپ نے بہت سخت لفظ استعمال کیا ہے۔ میں خلافت ثانیہ کو نہیں مانتا ان سے اس سلسلہ میں گفتگو ہوتی رہی۔ دوسرے دن وہ صبح جاگے تو انہوں نے کہا رات کو خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ نظم میں پڑھتا رہا ہوں جس میں درج ہے سے

زمینِ قادیاں اب محترم ہے ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

اسی نظم میں ہے سے

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اس مہ سے اندھیرا دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

ان کے والد صاحب اور سارا کنبہ احمدی ہیں میں ان کے خواب کی کیفیت ان سے سن کر بہت خوش ہوا اس خیال سے ہو کر ان کا مصدقین میں شامل ہونا ان کے والد صاحب کے لئے بڑی مسرت کا باعث ہوگا۔ ان کے والد صاحب اور ان کا خاندان ہماری باجوہ برادری میں نہایت مخلص احمدی ہیں۔

پچھلے سال میں نے "الفضل" میں پڑھا تھا کہ انہوں نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں لکھا کہ:

"میری روح کا زائد از چالیس برس حضور سے تعلق ہے" اور اس پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے تحریر فرمایا۔

"آپ جیسے مخلص کا یہی مقام ہے۔ اللہ تعالےٰ خاص فضل کرے"

لاہور سے دوسرے دن میں اپنی ملازمت پر پہنچ گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے عزیز دوست مصدقین خلافت میں شامل نہیں ہو سکے۔ اگرچہ میں امید رکھتا ہوں کہ خداوند کریم ان کے متقی اور صالح والد صاحب کی دعائیں ان کے حق میں قبول فرمائے گا۔ اور ان کو اپنے والد صاحب کی زندگی میں یہ سعادت نصیب ہوگی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ میں اخلاص تو بہت مدت سے رکھتا تھا لیکن بیعت کا شرف مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے زمانہ میں عطا ہوا۔

اس اثناء میں میرے بھائی اور میری اہلیہ اور بچے مجھ سے بہت پہلے بیعت کر چکے تھے اور مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں اس مقام پر بہت دیر سے پہنچا۔

میں نے جو اخلاص حاصل کرنے کے بعد بیعت میں اس قدر دیر لگا دی آج مجھے اس کا سخت افسوس ہو رہا ہے لیکن ؏

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اکثر ایسے احباب ہیں۔ جن پر صداقت کھل چکی ہے مگر وہ کسی دنیوی رکاوٹ کے ماتحت ابھی تامل میں ہیں۔ ایسے دوستوں سے میں کہتا ہوں ؏

من نہ کردم شما حذر بکنید

ایسا نہ ہو کہ اسی تامل اور تردد میں موت آجائے۔ اور امام وقت کی شناخت سے محروم رہ جاؤ۔ پس نہایت ضروری ہے کہ جب انشراح صدر ہو جائے تو بیعت میں توقف نہ کیا جائے[1]

حضرت نواب صاحب کے دل میں یہ حسرت و ارمان زندگی بھر قائم رہا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقدس زمانہ دیکھا۔ میرے خاندان کے آدمیوں نے بیعت کی حتیٰ کہ میرے بیٹے کو (چودھری محمد شریف صاحب) بفضلہ تعالیٰ اصحاب کے پاک گروہ میں شامل ہونے کی توفیق مل گئی مگر میں محروم رہا۔ اس محرومی کے شدید احساس نے بیعت کے بعد آپ کے دل میں خدمات سلسلہ کے لئے بہت جوش پیدا کر ڈالا جو رب جلیل کے فضل و عنایت سے دم بدم بڑھتا گیا اور آپ پیرانہ سالی میں بھی نوجوانوں سے بڑھ کر شوق و مستعدی سے مصروف عمل رہتے تھے۔

حضرت مصلح موعود نے ہجرت پاکستان کے بعد تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء میں آپ کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا پہلا ناظر دعوت و تبلیغ مقرر فرمایا۔ اور آپ نے یہ خدمت نہایت محنت و استقلال سے ادا کی بلکہ اصل کام جس کی خاطر خدائے عزوجل نے اپنی تقدیر خاص سے آپ کو خلعت وجود سے نوازا اور لمبی اور برکتوں سے معمور زندگی عطا فرمائی مرکز احمدیت ربوہ کے قیام کا عظیم الشان کارنامہ تھا جو آپ کے ہاتھوں خدا کے فضل

[1] روزنامہ الفضل صد نمبر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۳۱-۱۳۳

اور حضرت مصلح موعود کی دعاؤں اور روحانی توجہ کے طفیل معرض وجود میں آیا۔ اور جو قیامت تک آپ کی یادگار رہے گا اسی بے مثال خصوصیت کے باعث سیدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں قیام مرکز کے سلسلہ میں آپ کی سنہری خدمات کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جس طرح میرے قادیان سے نکلنے کا کام کیپٹن عطاء اللہ صاحب کے ہاتھ سے سرانجام پانا تھا اسی طرح ایک نئے مرکز کا قیام ایک دوسرے آدمی کے سپرد تھا۔ جو پیچھے آیا اور کئی لوگوں سے آگے بڑھ گیا۔ میری مراد نواب محمد دین صاحب مرحوم سے ہے۔ جن کی اسی ہفتہ میں وفات واقع ہوئی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کی خدمات کی وجہ سے ربوہ میں کوئی ایسا نشان مقرر کیا جائے جس کی وجہ سے جماعت ہمیشہ ان کی قربانیوں کو یاد رکھے۔ اور اس بات کو مت بھولے کہ کس طرح ایک اسّی سالہ بڈھے نے جو محنت اور جفاکشی کا عادی نہیں تھا جو ڈپٹی کمشنر اور ریاست کا وزیر رہ چکا تھا جو صاحب جائداد اور متمول آدمی تھا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء کے شروع تک باوجود اس کے کہ اس کی طبیعت اتنی مضمحل ہو چکی تھی کہ وہ طاقت کا کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی صحت اور اپنے آرام کو نظر انداز کرتے ہوئے رات اور دن ایک کر دیا۔ اس لئے کہ کسی طرح جماعت کا نیا مرکز قائم ہو جائے۔ سینکڑوں دفعہ وہ افسروں سے ملے۔ ان سے جھگڑے کئے۔ لڑائیاں کیں منتیں اور خوشامدیں کیں اور پھر مرکز کی تلاش کے لئے بھی پھرتے رہے۔ انہیں اس کام میں اتنا انہماک تھا کہ ایک دفعہ میں اکیلا ربوہ گیا۔ اور انہیں اطلاع نہ دی۔ میں نے سمجھا وہ ضعیف العمر آدمی ہیں۔ انہیں تکلیف نہ دی جائے۔

ان کو ریٹائر ہوئے بھی بائیس سال ہو چکے تھے۔ جب میں واپس آیا تو انہوں نے کہا

مجھے سخت افسوس ہے کہ اس دفعہ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکا مجھے بھی اطلاع دیتے تو میں ساتھ چلا جاتا۔ میں نے کہا صرف آپ کی تکلیف کے خیال سے میں نے آپ کو اطلاع نہیں بھجوائی تھی۔ انہوں نے کہا میری تو خواہش تھی کہ میں آپ کے ساتھ جاتا اور اب نہ جانے کی وجہ سے مجھے انتہائی رنج ہوا۔ غرض اس کام کے لئے انہوں نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ اور یقیناً اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی موزوں آدمی تھے۔ ہمارے مرکز کا قائم ہونا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بڑی اہم چیز ہے اگر ہمارا نیا مرکز کامیاب ہوگا۔ اور ہمیں یقین ہے کہ وہ کامیاب ہوگا تو یہ ایک ویسی ہی اہمیت رکھنے والی چیز ہوگی۔ جیسے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبی مرکزوں کی تعمیر اہمیت رکھتی تھی۔ مقامات مرکزی کا قیام ایک بہت بڑا کام ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا

یقیناً نواب محمد دین صاحب مرحوم کے سر پر ہے اور یہ عزت اور رتبہ انہی کا حق ہے جب تک یہ جماعت قائم رہے گی۔ لوگ ان کے لئے دُعا بھی کریں گے اور ان کی قربانی کو دیکھ کر نوجوانوں کے دلوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ کہ وہ اُن جیسا کام کریں۔ کجا ایک بوڑھا بیمار اور کمزور آدمی اور کجا اس کی یہ حالت کہ وہ دن کو بھی وہاں موجود ہے۔ رات کو بھی وہیں موجود ہے اور رپورٹیں پیش کر رہا ہے کہ آج میں فلاں سے ملا تھا۔ آج فلاں سے ملا تھا۔ اب بھی جب مری میں تھے وفات سے دس دن پہلے انہوں نے مجھے لکھا کہ اب ربوہ میں تعمیر کا کام شروع ہونے والا ہے اور چونکہ یہ کام نگرانی چاہتا ہے۔ اور میری صحت ٹھیک ہو گئی ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ ربوہ چلا جاؤں اور کام میں مدد دوں۔ غرض ہر کارے دہر مردے سینکڑوں کام ہوتے ہیں لیکن بہت برکت والا ہوتا ہے وہ آدمی جس سے کوئی ایسا کام ہو جائے جو اپنے اندر تاریخی عظمت رکھتا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کا ان کے ہاتھ سے ہونا ان کی کسی بہت بڑی نیکی کی وجہ سے تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پیچھے آئے مگر آگے گزر جائے۔

بیعت سے پہلے وہ احمدیت کے قائل تو تھے۔ چنانچہ جب وہ دہلی میں افسر مال لگے ہوئے تھے اور میر قاسم علی صاحب وہاں تھے تو انہوں نے اپنے لڑکے چوہدری محمد شریف صاحب وکیل کی بیعت کرادی تھی۔ لیکن خود بیعت نہیں کرتے تھے غالباً ۱۹۲۷ء میں انہوں نے بیعت کی ہے۔ مجھے یاد ہے جب انہوں نے بیعت کی تو ساتھ یہ درخواست کی کہ میری بیعت ابھی مخفی رہے انہوں نے کہا میں ریٹائر ہو چکا ہوں۔ اور اب ملازمتیں ریاستوں میں ہی مل سکتی ہیں۔ اس لئے اگر میری بیعت ظاہر نہ ہو تو ملازمت حاصل کرنے میں سہولت رہے گی۔ جب وہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں اس وقت وہ ریاست مالیر کوٹلہ یا جے پور میں ملازم تھے۔ بیعت کر کے وہاں جانے کی بجائے شملہ چلے گئے۔ میں بھی چند دنوں کے لئے شملہ گیا اور انہوں نے مجھے دعوت پر بلایا اور کہا۔ اور تو میں کوئی خدمت نہیں کر سکتا لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ دعوت پر بڑے بڑے آدمیوں کو بلا لوں اور آپ کا واقف کرا دوں اور مجھے ثواب مل جائے گا میں دعوت پر چلا گیا۔ انہوں نے بڑے بڑے آدمی بلائے ہوئے تھے میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے۔ اور میں اس کا جواب دوں کہ وہ کھڑے ہو گئے اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تقریر میں انہوں نے کہا یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں

تشریف لائے ہیں۔ جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیئے۔ وہ ہمیں دین کی باتیں سنائیں گے۔ خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں۔ ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ اس طرح تھوڑی دیر وہ تقریر کرتے رہے دو تین منٹ کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آ گئے اور کہنے لگے اس زمانہ میں ایک شخص آیا اور وہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اگر آپ لوگ اسے نہیں مانیں گے تو آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب آجائے گا۔ جب وہ تقریر کر کے بیٹھ گئے تو میں نے کہا دیکھئے نواب صاحب میں نے تو ظاہر نہیں کیا۔ کہ آپ احمدی ہیں۔ آپ نے تو خود ظاہر کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگے مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے کہا میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ سچی احمدیت چھپی نہیں رہتی۔ آپ خواہ کتنا بھی چھپائیں یہ ظاہر ہو کر رہے گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ چندے باقاعدگی کے ساتھ دیتے تھے۔ مگر جماعتی کاموں میں انہوں نے چند سال پہلے تک کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا تھا۔

لیکن یہ موقعہ انہیں ایسا ملا کہ جب تک یہ مرکز قائم رہے گا۔ ان کا نام بطور یادگار دنیا میں لیا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ قادیان کے واپس مل جانے پر اس مرکز کی اہمیت کم ہو جائے

اوّل تو ہمیں ایک ہی وقت میں کئی مرکزوں کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ مرکز ایک پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اور جو مرکز پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جائے اس میں اور دوسرے مرکزوں میں بہرحال امتیاز ہوتا ہے۔ یہ مقام چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اس کی برکتیں اس سے وابستہ رہیں گی۔ اور یقیناً اس مقام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب مرحوم کا نام بھی قیامت تک قائم رہے گا۔

مجھے چوہدری مشتاق احمد صاحب کا انگلستان سے جو خط ملا ہے اس میں انہوں نے مئی ۱۹۴۲ء کی ایک خواب لکھی ہے۔ جو یہ ہے کہ میں نے رؤیا میں ان کی بیوی کلثوم کو دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ ابا جی اتنے بیمار ہوئے لیکن ہمیں کسی نے اطلاع تک نہیں

دی۔ چوہدری صاحب لکھتے ہیں کہ بالکل ایسا ہی واقعہ اس وقت ہوا ہے ہمیں ان کی بیماری کی اطلاع تک نہیں ملی اور اب وفات کی خبر بھی صرف آپ کی طرف سے ملی ہے خاندان کے کسی اور فرد کی طرف سے نہیں ملی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے رشتہ داروں میں سے بھی کسی کو ان کی بیماری کی خبر نہیں ملی۔ چوہدری محمد شریف صاحب وکیل نے مجھے لکھا کہ وفات سے پہلے دن شام کے وقت ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ چوہدری عزیز احمد صاحب (جو سب جج ہیں) مجھے اطلاع کا خط لکھنے لگے تو والدہ صاحب نے منع کر دیا اور کہا کیا ضرورت ہے! پس خواب میں "ہم" سے مراد صرف کلثوم ہی نہیں بلکہ سارے رشتہ دار مراد تھے میں نے یہ ذکر تفصیل کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ تا اس قسم کے لوگوں کے نیک افعال آئندہ کے لئے بطور یادگار رہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذکروا موتٰکم بالخیر

عام طور پر اس کے یہ معنے کئے جاتے ہیں۔ کہ مُردوں کی بُرائی بیان نہیں کرنی چاہیئے وہ فوت ہو گئے ہیں اور ان کا معاملہ اب خدا تعالےٰ سے ہے۔ یہ معنی اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن درحقیقت اس میں ایک قومی نقطہ بھی بیان کیا گیا ہے آپ نے اذکروا الموتٰی بالخیر نہیں فرمایا بلکہ آپ نے مَوْتٰکُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی اپنے مُردوں کا ذکر نیکی کے ساتھ کرو۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ آپ نے یہ صحابہؓ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ۔ میرے سب صحابی ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے کیونکہ صحابہؓ میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی خدمت دین کا موقعہ ایسا ملا ہے جس میں وہ منفرد نظر آتا ہے اسی لئے آپ نے "موتاکم" کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ تم ان کو ہمیشہ یاد رکھا کرو تا تمہیں یہ احساس ہو کہ ہمیں بھی اس قسم کی قربانیاں کرنی چاہئیں۔ اور تا نوجوانوں میں ہمیشہ قربانی۔ ایثار اور جرأت کا مادہ پیدا ہوتا رہے اور وہ اپنے بزرگ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۳۱ وفا ۱۳۲۸ہش مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء صفحہ ۷۔

فصل چہارم

ربوہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود کی بغرض رہائش تشریف آوری

اور

مرکز احمدیت کے نئے دور کا آغاز

۱۹ ارتبوک/ستمبر ۱۳۲۸ ہش/ ۱۹۴۹ء کو مرکز احمدیت۔ ربوہ ایک نئے اور انقلاب آفریں دور میں داخل ہوا۔ کیونکہ اس روز حضرت مصلح موعود جو اب تک لاہور میں قیام فرما تھے مستقل طور پر تشریف لے آئے۔ اور حضور کے انفاس قدسیہ اور روحانی توجہات کی بدولت نہ صرف یہ پاک بستی ایک فعال مرکز کی حیثیت سے جلد جلد ترقی دارتقا کے منازل طے کرنے لگی بلکہ غلبہ اسلام کی مہم میں پہلے سے زیادہ قوت و شوکت پیدا ہو گئی۔ اور آسمانی بادشاہت کا دور قریب سے قریب تر نظر آنے لگا۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے اس اہم اور یادگار سفر ربوہ کی مفصل روداد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم مبارک سے ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

" یوں تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کئی دفعہ ربوہ تشریف لے جا چکے ہیں اور گزشتہ جلسہ سالانہ بھی ربوہ میں ہی منعقد ہوا تھا جب کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مع اہل و عیال کئی دن تک ربوہ قیام فرمایا تھا۔ لیکن یہ سب سفر عارضی رنگ رکھتے تھے اور ابھی تک حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی مستقل سکونت رتن باغ لاہور میں ہی تھی لیکن جو سفر ۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو بروز دوشنبہ اختیار کیا گیا وہ ربوہ کی مستقل رہائش کی غرض سے تھا۔ گویا دوسرے الفاظ میں یہ ہماری قادیان سے ہجرت کی تکمیل کا دن تھا جبکہ خلیفہ وقت اور امام جماعت قادیان سے باہر ہونے کے بعد اپنی عارضی رہائش گاہ سے منتقل ہو کر جماعت احمدیہ کے قائم مقام مرکز ربوہ میں رہائش رکھنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔ پس یہ دن

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک یادگاری دن تھا۔۔۔ ۔۔۔ اس لئے میں مختصر طور پر اس سفر کے چشم دید حالات تاریخ احمدیت کو ضبط میں لانے کی غرض سے درج ذیل کرتا ہوں۔

دراصل گو میرا دفتر ابھی تک لاہور میں ہے۔ مگر میں نے اس سفر کی تاریخی اہمیت کو محسوس کر کے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں انشاء اللہ اس سفر میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ جاؤں گا اور سفر اور ربوہ کی دعا میں شریک ہو کر اسی دن شام کو لاہور واپس پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق دی جس کے نتیجہ میں ذیل کی چند سطور سپرد قلم کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا فیصلہ تو یہ تھا کہ انشاء اللہ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو صبح ۸ بجے لاہور سے روانگی ہوگی مگر دفتری انتظام کے نقص کی وجہ سے یہ روانگی وقت مقررہ پر نہیں ہو سکی۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ آٹھ بجے صبح کی بجائے دس بج کر پچاس منٹ پر یعنی تقریباً گیارہ بجے رتن باغ لاہور سے بذریعہ موٹر روانہ ہوئے۔ حضور کی موٹر میں حضرت ام المومنین اطال اللہ بقاءہا اور حضرت سیدہ اُم ناصر احمد صاحبہ اور شاید ایک دو بچیاں ساتھ تھیں اور حضور کے پیچھے دوسری موٹر میں حضرت صاحب کی بعض دوسری صاحبزادیاں اور ایک بہو اور بعض بچے اور میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری سوار تھے تیسری موٹر میں سیدہ بشریٰ بیگم مہر آپا صاحبہ اور محترمہ ام وسیم احمد صاحبہ اور بعض دوسرے بچے تھے اور ان کے پیچھے چوتھی موٹر میں خاکسار مرزا بشیر احمد اور میرے اہل و عیال اور عزیزہ آمنہ بیگم سیال اور محترمی چوہدری عبدالحمید صاحب سپرنٹنڈنٹ انجنیئر اور میاں غلام محمد صاحب اختر اے پی او۔ سوار تھے۔ شاہدرہ سے کچھ آگے نکل کر حضرت صاحب نے اپنی موٹر روک کر انتظار کیا کیونکہ ابھی تک تیسری موٹر نہیں پہنچی تھی۔ اور کچھ وقت انتظار کرنے کے بعد آگے روانہ ہوئے۔ ایک لاری اور دو ٹرک کافی عرصہ بعد روانہ ہوئے۔

رتن باغ سے روانہ ہونے سے پہلے حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت فرمائی کہ سب لوگ رتن باغ سے روانہ ہوتے ہوئے اور پھر ربوہ کی سرزمین میں داخل ہوتے ہوئے یہ قرآنی دعا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی ہجرت کے وقت سکھائی گئی تھی۔ پڑھتے جائیں یعنی

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ

سُلْطَانًا نَّصِيْرًا۔

چنانچہ اس دعا کے ورد کے ساتھ قافلہ روانہ ہوا۔ اور رستہ میں بھی یہ دعا برابر جاری رہی۔ چونکہ روانگی میں دیر ہو گئی تھی اس لئے موٹریں کافی تیز رفتاری کے ساتھ گئیں اور سفر کا آخری حصہ تو غالباً ستر پچھتر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے ہوا ہوگا اور اسی غرض سے رستہ میں کسی جگہ ٹھہرا بھی نہیں گیا۔ یہی وجہ ہے کہ محترمی شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی موٹر جو لاہور سے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے روانہ ہوئی تھی اور اس میں محترمی مولوی عبدالرحیم صاحب درد بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی رستہ میں ہی ربوہ کے قریب چناب کے پل پر مل گئی تھی یہ گویا اس سفر کی پانچویں موٹر تھی۔ اس کے علاوہ ایک چھٹی موٹر بھی تھی۔ جس میں محترمی ملک عمر علی صاحب رئیس ملتان اور ہمارے بعض دوسرے عزیز بیٹھے تھے لیکن چونکہ یہ موٹر چونکہ بعد میں چلی اور زیادہ رفتار بھی نہیں رکھ سکی اس لئے وہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے ربوہ میں داخل ہونے کے کچھ عرصہ بعد پہنچی۔

چناب کا پل گزرنے کے بعد جس سے آگے ربوہ کی سرزمین کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز اپنی موٹر سے اُتر آئے اور دوسرے سب ساتھی بھی اپنی اپنی موٹروں سے اتر آئے۔ البتہ مستورات موٹروں کے اندر بیٹھی رہیں اس جگہ اتر کر بعض دوستوں نے اعلان کی غرض سے اور اہل ربوہ تک اطلاع پہنچانے کے خیال سے ریوالور اور رائفل کے کچھ کارتوس ہوا میں چلائے اس کے بعد حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے اپنے رفقاء میں اعلان فرمایا کہ میں یہاں قبلہ رُخ ہو کر مسنون دعا کرتا ہوں۔ اور ہمارے دوست بھی اس دعا کو بلند آواز سے دہراتے جائیں اور مستورات بھی اپنی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے یہ دعا دہرائیں۔ اس کے بعد حضور نے ہاتھ اونچے کر کے یہ دعا کرنی شروع کی۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ
وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا۔

"یعنی اے میرے رب مجھے اس بستی میں اپنی بہترین برکتوں کے ساتھ داخل کر اور پھر اے میرے آقا مجھے اس بستی سے نکال کر اپنی اصل قیام گاہ کی طرف اپنی بہترین برکتوں کے ساتھ لے جا۔ اور اے مومنو تم خدا کی برکتوں کو دیکھ کر اس آواز کو بلند کرو کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ اور باطل کے لئے تو بھاگنا ہی مقدر ہو چکا ہے"۔

یہ دعا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے چناب کا پل گزر کر اور قبلہ رُخ ہو کر ربوہ کی سرزمین کے کنارے پر کھڑے ہو کر کئی دفعہ نہایت سوز اور رقت کے ساتھ دہرائی اور اس کے بعد موٹروں میں بیٹھ کر آگے روانہ ہوئے۔ کیونکہ ربوہ کی موجودہ بستی چناب کے پل سے قریباً دو میل آگے ہے۔ اس عرصہ میں بھی سب دوست اوپر کی دعا کو مسلسل دہراتے چلے گئے۔ جب ربوہ کی بستی کے سامنے موٹریں پہنچیں تو اس وقت ربوہ اور اس کے گرد و نواح کے سینکڑوں دوست ایک شامیانے کے نیچے حضرت صاحب کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ اس وقت جب کہ مین ڈیڑھ بجے کا وقت تھا سب کے آگے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی موٹر تھی۔ ان کے بعد ہماری موٹر تھی۔ اس کے بعد غالباً سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ مہر آپا کی موٹر تھی۔ اس کے بعد حضرت صاحب کی صاحبزادیوں کی موٹر تھی۔ اور اس کے بعد غالباً محترمی شیخ بشیر احمد صاحب کی موٹر تھی۔

جب حضرت صاحب اپنی موٹر سے اترے تو ربوہ کے چند نمائندہ دوست جن میں محترمی مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے ناظر اعلیٰ اور محترمی سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ و امیر مقامی اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور عزیز ڈاکٹر منور احمد سلمہ اللہ اور بعض ناظر صاحبان اور تحریک جدید کے وکلاء صاحبان اور محترمی مولوی ابو العطاء صاحب وغیرہ شامل تھے آگے بڑھے اور حضور کے ساتھ مصافحہ کر کے حضور کو اس شامیانہ کی طرف لے گئے جو چند گز مغرب کی طرف نصب شدہ تھا۔ اور جس میں دوسرے سب دوست انتظار کر رہے تھے۔

حضرت صاحب اس وقت بھی رب ادخلنی مدخل صدق والی دعا دہرا رہے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت فرماتے تھے کہ میرے ساتھ ساتھ یہ دعا دہراتے جاؤ۔ شامیانے کے نیچے پہنچ کر حضرت صاحب نے وضو کیا۔ اور پھر سب دوستوں کے ساتھ قبلہ رُخ ہو کر ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ یہ گویا ورود ربوہ کا سب سے پہلا کام تھا۔ نماز اور سنتوں سے فارغ ہو کر حضور نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جس میں فرمایا کہ میں امید رکھتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی سنت کو سامنے رکھ کر آپ لوگ رستہ تک آگے آ کر استقبال کریں گے تاکہ ہم سب متحدہ دعاؤں کے ساتھ ربوہ کی سرزمین میں داخل ہوتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اس لئے اب میں اس کمی کو پورا کرنے کے لئے پھر اس دعا کو دہراتا ہوں اور سب دوست بلند آواز سے میرے پیچھے اس دعا کو دہراتے جائیں چنانچہ آپ نے شاید تین یا پانچ

دفعہ رب ادخلنی مدخل صدق اور قل جاء الحق و زھق الباطل والی دعا دہرائی۔ اور سب دوستوں نے بلند آواز سے آپ کی اتباع کی۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے مختصر طور پر اس دعا کی تشریح فرمائی۔ کہ یہ دعا وہ ہے جو مدینہ کی ہجرت کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھلائی گئی تھی اور اس میں ادخلنی (مجھے داخل کر) کے الفاظ کو اخرجنی (مجھے نکال) کے الفاظ پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے تاکہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے کہ مدینہ میں داخل ہو کر رک جانا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی غرض و غایت نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک درمیانی واسطہ ہے۔ اور اس کے بعد پھر مدینہ سے نکل کر مکہ کو واپس حاصل کرنا اصل مقصد ہے اور پھر اس کے ساتھ قل جاء الحق والی دعا کو شامل کیا گیا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے کہ مومن کی ہجرت حقیقتاً اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے ہوتی ہے نیز اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت خدا کے فضل سے مقبول ہوئی ہے کیونکہ خدا نے اس کے ساتھ ہی حق کے قائم ہونے اور باطل کے بھاگنے کے لئے دروازہ کھول دیا ہے اور پھر اسی تمثیل کے ساتھ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے قادیان کا ذکر کیا۔

کہ ہم بھی قادیان سے نکالے جا کر ہجرت پر مجبور ہوئے ہیں۔ مگر ہمارا یہ کام نہیں کہ اپنی ہجرت گاہ میں ہی دھرنا مار کر بیٹھ جائیں۔ بلکہ اپنے اصل اور دائمی مرکز کو واپس حاصل کرنا ہمارا اصل فرض ہے اس تقریر کے بعد جس میں ایک طرف موٹروں میں بیٹھے بیٹھے مستورات بھی شریک ہوئی تھیں حضرت امیرالمومنین اپنی ربوہ کی عارضی فرودگاہ میں تشریف لے گئے جو ریلوے سٹیشن کے قریب تعمیر کی گئی ہے۔ میں نے اس فرودگاہ کو عارضی فرودگاہ اس لئے کہا ہے کہ اب تک جتنی بھی عمارتیں ربوہ میں بنی ہیں وہ دراصل سب کی سب عارضی ہیں۔ اور اس کے بعد پلاٹ بندی ہونے پر مستقل تقسیم ہوگی۔ اور لوگ اپنے اپنے مکان بنوائیں گے۔ حضرت صاحب کے مکان میں ربوہ کی مستورات استقبال کی غرض سے جمع تھیں جن کی قیادت ہماری ممانی سیدہ ام داؤد صاحبہ فرما رہی تھیں۔ اس کے بعد حضرت صاحب اور دوسرے ۶۰ نزول اور اہل قافلہ نے کھانا کھایا جو صدر انجمن احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر خانہ کی طرف سے پیش کیا تھا غالباً ربوہ وارد ہونے کے معاً بعد یہ پروگرام بھی تھا۔ کہ حضرت صاحب اپنی مجوزہ مستقل رہائش گاہ کے ساتھ متصل زمین میں مسجد کی بنیاد بھی رکھیں گے۔ لیکن چونکہ اس مسجد کی داغ بیل میں کچھ غلطی نظر آئی اس لئے اسے کسی دوسرے وقت پر ملتوی کر دیا گیا۔ عصر کی نماز حضور نے اس

مسجد میں ادا فرمائی جو حضور کے عارضی مکان کے قریب ہی عارضی طور پر بنائی گئی ہے۔ اور اسی لئے اسے مسجد کی بجائے "جائے نماز" کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ بعد میں یہ مسجد مستقل جگہ کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔ یہ جائے نماز ایک کھلے چھپر کی صورت میں ہے جس کے نیچے لکڑی کے ستونوں کا سہارا دیا گیا ہے۔ اور اس کے سامنے ایک فراخ کچا صحن ہے اور اس مسجد کے علاوہ بھی ایک دو عارضی مسجدیں ربوہ میں تعمیر کی جا چکی ہیں کیونکہ اس وقت ربوہ کی آبادی ایک ہزار نفوس کے قریب بتائی جاتی ہے اور آبادی کی نوعیت بھی ایسی ہے کہ عام نمازوں میں سب دوستوں کا ایک مسجد میں جمع ہونا مشکل سمجھا گیا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد دوستوں نے حضور سے مصافحہ کا شرف بھی حاصل کیا۔[۱]

سفر ربوہ کے چند بقیہ واقعات

۱۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے اس یادگاری سفر کے پیش نظر احباب ربوہ نے پانچ بکروں کے ذبح کرنے کا بھی انتظام کیا تھا۔ کیونکہ خاص موقعوں پر یہ بھی ایک مسنون طریق ہے۔

۲۔ بکروں کے ذبح کرنے کے علاوہ ربوہ کی جماعت نے اس موقعہ پر غریبوں کو کھانا کھلانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ چنانچہ بہت سے غریبوں کو دعا اور ردِّ بلا کی غرض سے کھانا کھلایا گیا۔

۳۔ اسی طرح اہل ربوہ نے غرباء میں کچھ نقد رقم بھی تقسیم کرنے کا انتظام کیا تھا کہ یہ بھی ایسے موقعوں کو برکت کا ایک روحانی ذریعہ ہے۔

۴۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جو حضرت مسیح موعود کے لنگر کی طرف سے صدر انجمن احمدیہ نے پیش کیا۔ شام کا کھانا اہل ربوہ کی طرف سے پیش کیا گیا۔[۲]

سیدنا حضرت مصلح موعود اپنی ذات میں تجلیات الٰہیہ اور برکات ربانی کا زندہ اور چلتا پھرتا نشان تھے اور آپ کے نزول کو آسمانی نوشتوں میں بہت مبارک قرار دیا گیا تھا۔ مگر یہ مبارک سفر تو خدائی برکتوں کا ایک دریا ہی اپنے ساتھ لایا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لقاء کے آخری درجہ تک پہنچنے والے مقربان بارگاہ الٰہی کے اقتداری خوارق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

---

[۱] الفضل ۲۲ تبوک ستمبر ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء

[۲] الفضل ۲۷ تبوک ستمبر ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۲

"اور جیسا کہ وُہ مبارک ہے ایسا ہی اس کے اقوال و افعال و حرکات اور سکنات اور خوراک اور پوشاک اور مکان اور زمان اور اس کے جمیع لوازم میں برکت رکھ دیتا ہے تب ہر ایک چیز جو اس سے مس کرتی ہے بغیر اُس کے جو یہ دعا کرے برکت پاتی ہے اور اس کے مکان میں برکت ہوتی ہے۔ اس کے دروازوں کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہیں اس کے گھر کے دروازوں پہ برکت برستی ہے جو ہر دم اس کو مشاہدہ ہوتی ہے اور اس کی خوشبو اس کو آتی ہے جب یہ سفر کرے تو خدا تعالےٰ مع اپنی تمام برکتوں کے اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب یہ گھر میں آوے تو ایک دریا نور کا ساتھ لاتا ہے"[1]

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صـ ۶۹

ضمیمہ تاریخ احمدیت جلد ۱۳

گروپ فوٹو مبلغین احمدیت

(نیشنل لیگ کور کی ماہانہ ٹریننگ کی تقریب انعامات مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۶ء

بمقام دیوان خانہ سالار جیش مرزا گل محمد صاحب قادیان)

کرسیوں پر (دائیں سے بائیں) ۱۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر الحکم ۲۔ سید سید احمد صاحب

۳۔ سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۴۔ مرزا گل محمد صاحب۔

۵۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

قطار ۱ (دائیں سے بائیں) ۱۔ مولوی چراغ الدین صاحب ۲۔ مولوی محمد حسین صاحب

۳۔ مولوی محمد شریف صاحب ۴۔ مولوی عبدالمالک خان صاحب ۵۔ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب

۵۔ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی ۶۔ مولوی عبدالغفور صاحب ۷۔ مولوی نعمت اللہ صاحب کھاریاں

۸۔ مولوی احمد خان صاحب نسیم۔

قطار ۲ (دائیں سے بائیں)۔ ۱۔ عبدالواحد خاں صاحب خادم خاص حضرت مصلح موعود

۲۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری ۳۔ سید یوسف شاہ صاحب ۴۔ مولوی ظل الرحمٰن صاحب

۵۔ ملک محمد عبداللہ صاحب ۶۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی ۷۔ مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا

۸۔ عبدالرحمٰن جنید ہاشمی۔ صاحب ۹۔ خان میر صاحب خادم خاص حضرت مصلح موعود

قطار ۳۔

۱۔ چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی ۲۔ مولوی عبدالواحد صاحب کشمیر

۳۔ مولوی محمد صادق صاحب چغتائی کنجاہی۔

نوٹ:۔ یہ نایاب اور قیمتی تصویر جس کا تذکرہ الحکم ۲۱ مارچ ۱۹۳۶ء صا میں موجود ہے مولانا عبدالمالک خان صاحب ناظر اصلاح وارشاد ربوہ کی جدوجہد سے دستیاب ہوئی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

(۲)

جلسہ سالانہ قادیان منعقدہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۸ء میں شریک ہونیوالے

بھارتی احمدیوں کی فہرست

۱	مولانا بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ مشن و امیر جماعت احمدیہ دہلی		امیر
۲	مکرم سید برکات احمد صاحب انفارمیشن آفیسر دہلی		نائب امیر
۳	، شیخ محمد لطیف صاحب		دہلی
۴	، غلام نبی صاحب ناسک		، (غیر احمدی دوست)
۵	، شیخ محمد عمر صاحب سرسپوری		،
۶	، نبی حسن صاحب احمدیہ فرنیچر سٹور		،
۷	، چوہدری محمد ایوب صاحب		، ،
۸	، ظہور الدین صاحب		، ،
۹	، حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیر		بہار
۱۰	، سید وزارت حسین صاحب صحابی	اورین	،
۱۱	، پروفیسر اختر احمد صاحب اورینوی	پٹنہ	،
۱۲	، ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب	مظفرپور	،
۱۳	، شمیم احمد صاحب سٹوڈنٹ میڈیکل کالج	پٹنہ	،
۱۴	، سید غلام مصطفیٰ صاحب	مظفرپور	،
۱۵	، دوست محمد صاحب	،	، ،
۱۶	، مولوی محمد عقیل صاحب کمکی	،	،
۱۷	، مولوی سمیع اللہ صاحب	رانچی	،
۱۸	، محمد مظہر صاحب پال	،	،

۱۹	مکرم دوست محمد صاحب شمس نائب امیر جماعت احمدیہ کلکتہ		مغربی بنگال
۲۰	، بابو محمد رفیق صاحب	"	"
۲۱	، ظفر احمد صاحب بانی	"	"
۲۲	، نصیر احمد صاحب بانی	"	"
۲۳	، محمد اسحٰق صاحب	"	"
۲۴	، محمد رفیق صاحب وغیرہ	"	"
۲۵	، رشید احمد صاحب محمود	"	"
۲۶	، ظفر احمد صاحب مدراون	"	"
۲۷	، ڈاکٹر اصغر حسین صاحب	"	"
۲۸	، مقصود احمد صاحب بہاری	"	"
۲۹	، رضوان الدین صاحب نیّر	"	"
۳۰	، سیف الدین صاحب پسر منشی محمد شمس الدین صاحب		"
۳۱	، بدیع الزمان صاحب	"	"
۳۲	، سید بدر الدین صاحب سونگڑھی	"	"
۳۳	، مولوی عبد اللطیف صاحب ہوڑہ	"	"
۳۴	، محمود احمد صاحب (تپسیا رز ورکس)	"	"
۳۵	، منیر احمد صاحب (")	"	"
۳۶	، مولوی امیر علی صاحب ہوڑہ	"	(غیر مبائع دوست)
۳۷	، مولوی فضل کریم صاحب	"	"
۳۸	ڈی کے محمود احمد صاحب مالاباری	"	"
۳۹	، حکیم محمد الدین صاحب انچارج احمدیہ مشن بمبئی۔		بمبئی
۴۰	، کے عبد اللہ صاحب		"
۴۱	سی کے۔ عبد اللہ صاحب		"
۴۲	سی عنایت اللہ صاحب		"
۴۳	پی عبد الحمید صاحب		"

۴۴	مکرم	محمد اسماعیل صاحب طالب علم		مالا بار (غیر احمدی دوست)
۴۵	"	حاجی بقاء اللہ صاحب شو مرچنٹ		بھوپال
۴۶	"	محمد یونس صاحب ٹیلر ماسٹر	میرٹھ	یوپی
۴۷	"	احسان الحق صاحب ٹیلر ماسٹر	"	"
۴۸	"	حافظ رحمت الٰہی صاحب	مظفر نگر	"
۴۹	"	مستری بشیر احمد صاحب	بھگوڑہ ضلع مظفر نگر	"
۵۰	"	الطاف حسین خانصاحب	ادوے پور کٹیا ضلع شاہجہانپور	"
۵۱	"	امام علی صاحب	" " "	"
۵۲	"	حافظ سخاوت علی صاحب	شاہجہانپور	"
۵۳	"	بہادر خان صاحب سیکرٹری مال	سانڈہن ضلع آگرہ	"
۵۴	"	ہمزہ بن عبد القادر صاحب اسٹوڈنٹ علی گڑھ یونیورسٹی		"
۵۵	"	محمد شہاب صاحب بہاری	" "	"
۵۶	"	ضمیر احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ امروہہ		"
۵۷	"	مظہر الاسلام صاحب پسر مکرم منشی حمید احمد صاحب امروہہ		"
۵۸	"	عبد الحمید صاحب سیکرٹری مال جماعت احمدیہ	"	"
۵۹	"	عبد الغفور صاحب	"	"
۶۰	"	سلیم احمد صاحب	"	"
۶۱	"	ارشاد احمد صاحب ولد ننھے میاں صاحب	"	"
۶۲	"	ننھے میاں صاحب	"	"
۶۳	"	رحیم اللہ صاحب	"	"
۶۴	"	محمد اسحٰق صاحب	"	
۶۵	"	قریشی محمد یونس صاحب	بریلی	"
۶۶	"	عبد الحی صاحب	امروہہ	"

(مرتبہ: مولانا بشیر احمد صاحب فاضل مبلغ دہلی)

۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۷ء کے درویش

*......یہ نشان ان درویشوں کیلئے ہے جو قادیان سے آگئے۔

شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۔	صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب	حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود	قادیان	ناظر دعوت وتبلیغ قادیان (وفات ۲۹ اپریل ۲۰۰۷ء)
۲۔	مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل	محمد اسماعیل صاحب بقاپوری	قادیان	مدرس مدرسہ احمدیہ، ایڈیٹر بدر، وفات ۵ نومبر ۱۹۸۷
۳۔	منظور احمد صاحب	یعقوب علی صاحب	گھنوکے ضلع سیالکوٹ	وفات ۶ دسمبر ۱۹۹۸
۴	افتخار احمد صاحب اشرف	ماسٹر محمد علی صاحب اظہر	قادیان	وفات ۱۶ جولائی ۱۹۹۰ء
۵	بابا اللہ دتہ صاحب	ماہیا صاحب پلاں والا	ریاست جموں	وفات ۱۳ دسمبر ۱۹۷۸ء
۶	فتح محمد صاحب	محمد عبد اللہ صاحب	قادیان	وفات ۶ نومبر ۱۹۹۱ء
۷	بابا نور احمد صاحب باورچی	عمر دین صاحب	قادیان	وفات ۱۳/جولائی ۱۹۷۳ء
۸	مستری محمد اسماعیل صاحب	نظام دین صاحب	راج گڑھ لاہور	وفات ۸ دسمبر ۱۹۷۰
۹	چوہدری عبد القدیر صاحب	چوہدری سردار خان صاحب	موہنکی ضلع گوجرانوالہ	وفات ۱۳ اپریل ۱۹۸۷ء
۱۰	چوہدری حسن دین صاحب	فضل دین صاحب	قادیان	وفات ۵ جون ۱۹۷۵
۱۱	چوہدری فیض احمد صاحب[۱]	حافظ غلام غوث صاحب	قادیان	وفات ۲۸ اگست ۱۹۷۸ء
۱۲	مرزا محمود احمد صاحب	مرزا محمد کریم بیگ	قادیان	وفات ۲۰ جون ۱۹۸۶ء
۱۳	محمد ابراہیم صاحب غالب	دلاور علی صاحب بہار	قادیان	وفات یکم اکتوبر ۱۹۸۳ء
۱۴	نور محمد صاحب پونچھی	فضل احمد صاحب پونچھی	قادیان	وفات ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۲ء
۱۵	ڈاکٹر عطر دین صاحب صحابی	میاں بھولا صاحب	قادیان	۱۴ دسمبر ۱۹۷۴ء
۱۶	حافظ عبد العزیز صاحب	محمد بخش صاحب	ننگل باغبان	وفات ۲۰ فروری ۱۹۷۳ء
۱۷	میاں اللہ دین صاحب صحابی	میاں احمد دین صاحب	شاہدرہ لاہور	وفات ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء
۱۸	سید محمد شریف صاحب	سید حسین شاہ صاحب	گلی حسام الدین سیالکوٹ	وفات ۶/اکتوبر ۱۹۷۷ء

[۱] ۱۹۷۸ء سے ناظر بیت المال خرچ کے اہم عہدہ پر فائز تھے (بدر قادیان ۲۳ اپریل ۱۹۸۷ء صفحہ ۱)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مستقل رہائش کے لئے دارالہجرت میں ورود مسعود

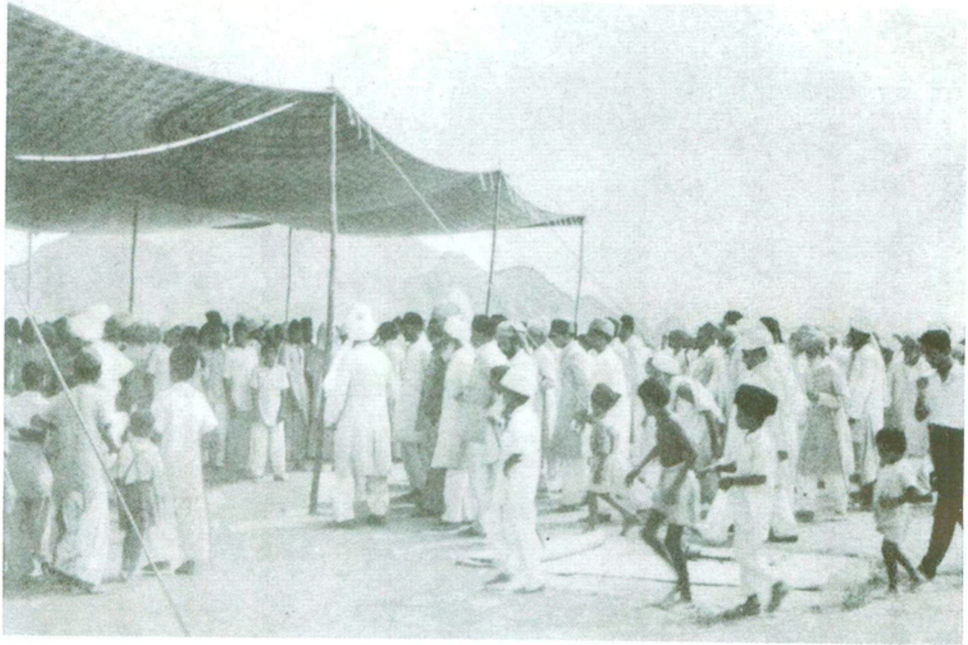

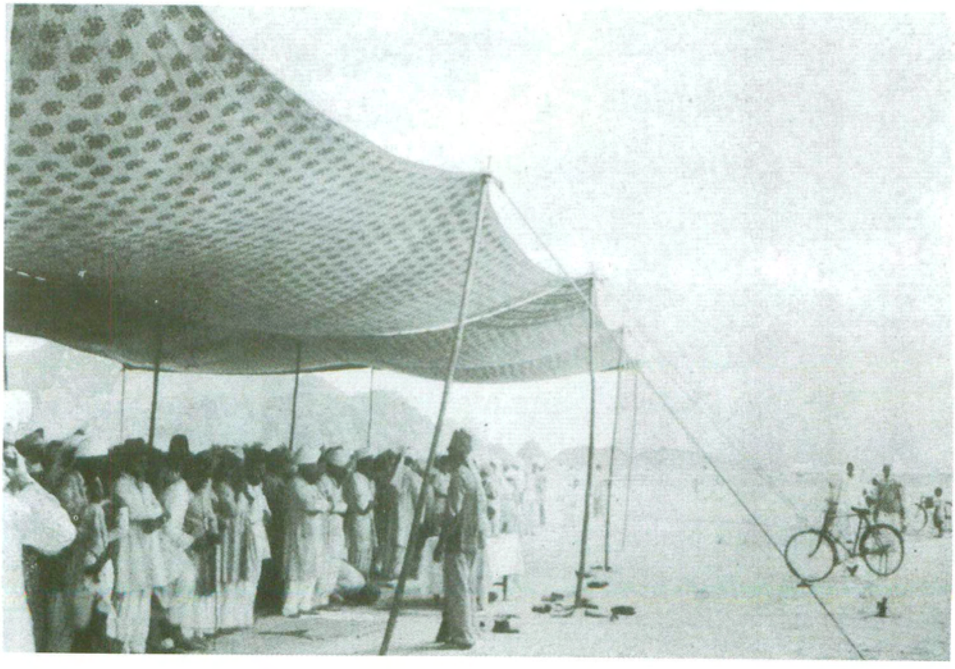

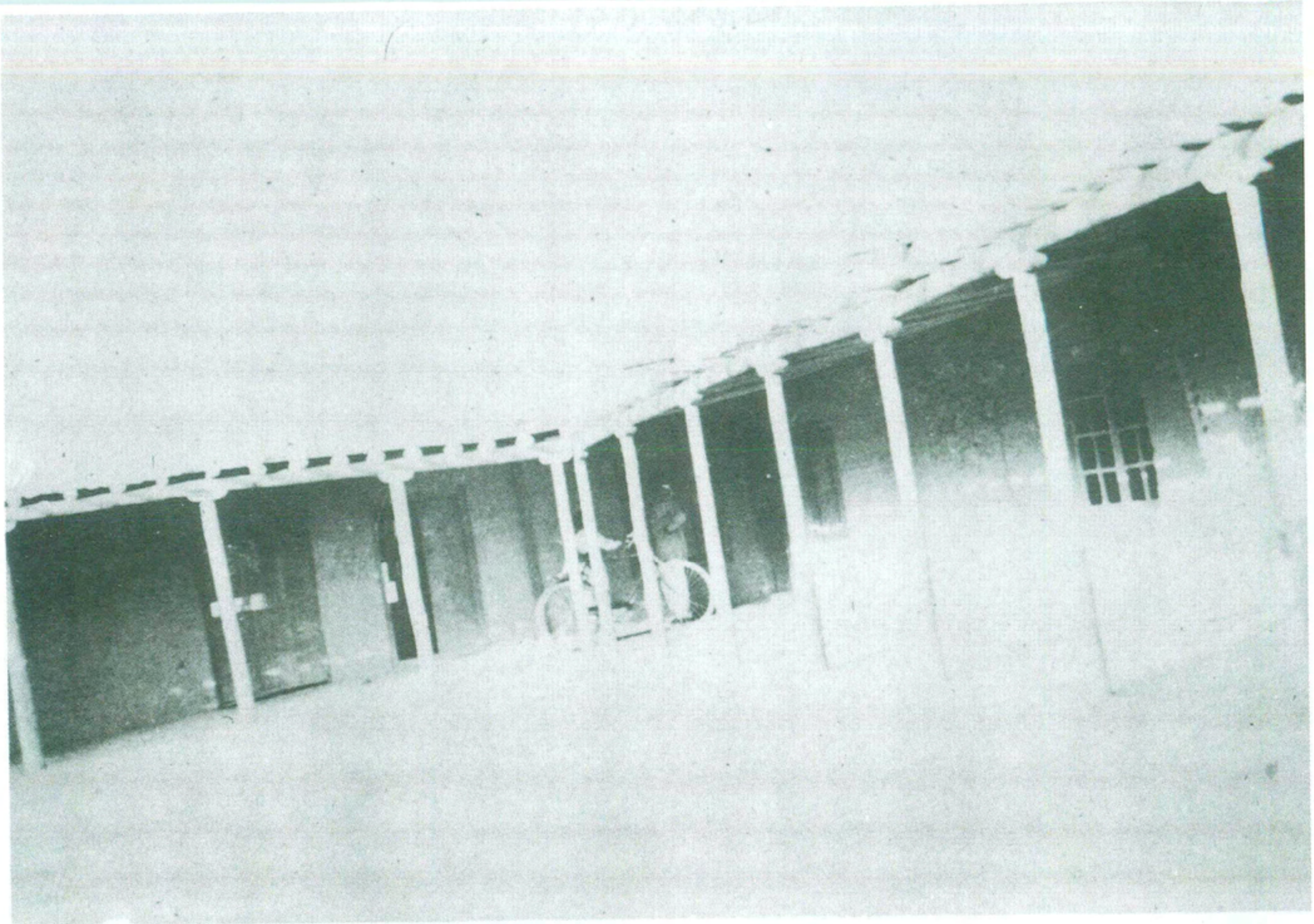

ربوہ میں دفتر پرائیویٹ سیکریٹری کی پرانی خام عمارت

سامنے کا ایک کمرہ حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کے لئے مخصوص کیا گیا تھا

نمبر	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۹	محمد احمد صاحب نسیم کمپونڈر	ای حسن کٹی صاحب مالاباری	کیننانور مالابار	۲۱ جولائی ۱۹۷۵
۲۰	حافظ نور الٰہی صاحب	حافظ محمد عارف صاحب	کوٹ مومن	وفات ۲۶ اپریل ۱۹۴۸ء
۲۱	عبد الاحد خان صاحب کابلی	مکرم فتح محمد خان	قادیان	وفات ۲/۳/ اگست ۱۹۶۸ء
۲۲	بابا محمد دین صاحب	بھولا صاحب بڈ کے، گوجرانوالہ	قادیان	وفات ۷ جولائی ۱۹۶۸ء
۲۳	حاجی ممتاز علی خان صاحب صحابی	حضرت خان صاحب ذوالفقار علی صاحب گوہر	قادیان	وفات ۲۹/ جولائی ۱۹۵۴ء
۲۴	منشی محمد دین صاحب صحابی	نور دین صاحب	کھاریاں	وفات ۱۰ نومبر ۱۹۵۱ء
۲۵	حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی صحابی	مہتا گوراں دتا مل	قادیان	وفات ۵/۶ جنوری ۱۹۶۱ء بمقام خانیوال مدفون بہشتی مقبرہ قادیان
۲۶	بابا شیر محمد صاحب	دتے خان صاحب	قادیان	وفات ۲۹ اگست ۱۹۴۹ء
۲۷	بابا سلطان احمد صاحب	نور علی صاحب	قادیان	وفات ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء
۲۸	ملک خیر دین صاحب	کرم دین صاحب	قادیان	وفات ۲۳/ جون ۱۹۶۹ء
۲۹	بابا جان محمد صاحب	شاہ محمد صاحب	گھٹیالیاں سیالکوٹ	وفات ۲۲ جنوری ۱۹۶۵ء
۳۰	بابا فضل احمد صاحب صحابی	میر داد صاحب	ضلع سیالکوٹ	وفات ۱۷ نومبر ۱۹۶۹ء
۳۱	چوہدری محمد عبد اللہ صاحب	علی گوہر صاحب	لائل پور	وفات ۲۶ اگست ۱۹۵۲
۳۲	بابا غلام محمد صاحب	فوجدار صاحب	مانگا ضلع سیالکوٹ	وفات ۲۰ اپریل ۱۹۶۷
۳۳	عطا محمد صاحب	جمعیت صاحب نوہٹ لدھیانہ	چک ۲۹۵ لائلپور	وفات ۶ نومبر ۱۹۶۲ء
۳۴	حاجی فضل محمد صاحب	موج دین صاحب	کپورتھلہ	وفات ۲۶ نومبر ۱۹۶۶ء
۳۵	شیخ غلام جیلانی صاحب	سمندر دین صاحب کپورتھلوی	لائل پور	وفات ۱۶ مئی ۱۹۶۵ء
۳۶	حافظ صدر دین صاحب صحابی	محمد دین صاحب قادر آباد	سیالکوٹ	وفات ۱۳ اپریل ۱۹۵۸ء
۳۷	بابا اللہ دتہ صاحب صحابی	باز خاں صاحب	دوالمیال جہلم	وفات ۱۰ فروری ۱۹۵۰ء
۳۸	بابا کرم الٰہی صاحب صحابی	عیدا صاحب	بھڈیار امرتسر	وفات ۲۵ ستمبر ۱۹۵۹ء
۳۹	کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ایم ایس سی	چوہدری مہر دین صاحب سیالکوٹی	دسوہہ لائل پور	*تاریخ واپسی ۷ جولائی ۱۹۵۱ء وفات ۱۱/ نومبر ۱۹۸۷ء میڈیکل آفیسر ٹاؤن کمیٹی ربوہ
۴۰	بشارت احمد صاحب	خوشی محمد صاحب دربان	قادیان	*
۴۱	محمد ابراہیم صاحب خادم	مہتاب دین صاحب	قادیان	*مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ

نمبر	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۴۲	ماسٹر محمد یٰسین صاحب	علم دین صاحب	کوئٹہ	*
۴۳	صوفی خدابخش صاحب	گوہر خان صاحب	زیرہ ضلع فیروز پور	*حال ربوہ
۴۴	میر محمد اکبر صاحب	میر محمد بخش صاحب	گوجرانوالہ	*
۴۵	عبدالکریم صاحب حجام	اللہ دتہ صاحب	تر گڑی گوجرانوالہ	*بے اجازت واپس
۴۶	مولوی عبدالوہاب صاحب عمر	حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ	قادیان	*جماعت سے وابستہ نہیں
۴۷	مستری جان محمد صاحب	حسن بخش صاحب	قادیان	*
۴۸	محمد تمیم صاحب	محمد الدین صاحب سیلونی	قادیان	*
۴۹	ملک محمد عبداللہ صاحب	ملک عبد الرحمٰن خان صاحب ککے زئی	نوشہرہ سیالکوٹ	*
۵۰	ملک محمد یوسف صاحب	ملک علی محمد صاحب	رتوچھ ضلع جہلم	*
۵۱	دوست محمد صاحب	پیرن خان	ڈیرہ غازی خان	*
۵۲	حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب قادیانی صحابی	چنداسنگھ صاحب	قادیان	*مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ
۵۳	نور محمد صاحب ماشکی	اللہ دتہ صاحب ماشکی	قادیان	*
۵۴	صدیق احمد صاحب	نور محمد صاحب ماشکی	قادیان	*
۵۵	حضرت حاجی محمد دین صاحب تہالوی	نور احمد صاحب تہالوی	تہال ضلع گجرات	*وفات ۹ جون ۱۹۶۵ء مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ
۵۶	بابا صدر الدین صاحب	فضل داد صاحب	ککرال، گجرات	*
۵۷	چوہدری شکر دین صاحب	نواب دین صاحب بن باجوہ	بن باجوہ سیالکوٹ	*
۵۸	شیخ محمد یعقوب چنیوٹی صاحب	حاجی تاج محمود صاحب	چنیوٹ ضلع جھنگ	*وفات ۱۳ جولائی ۱۹۶۰ء ڈھاکہ مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ
۵۹	خواجہ ضیاء الحق صاحب	عبدالحق صاحب	گوجر ضلع سیالکوٹ	*
۶۰	عبداللہ خان صاحب	فتح محمد صاحب	بھڑوال سیالکوٹ	*[1]

[1] یہاں ۲۳ درویش صحابہ کی فہرست حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم سے ہفت روزہ ''الرحمت'' لاہور (۱۶ جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۸) پر شائع شدہ ہے۔ فہرست میں ہر صحابی کا سال بیعت بھی درج ہے۔

حضرت نواب محمد الدین صاحبؓ کا ایک نایاب مکتوب

(درج ذیل مکتوب حضرت نواب محمد الدین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت شیخ محمد الدین صاحب مختار عام کو لکھا تھا یہ مکتوب اس غیر معمولی شغف و انہماک محنت و جانفشانی اور احساس ذمہ داری کا آئینہ دار ہے جو رب کریم کی طرف سے حضرت نواب صاحب کو قیامِ مرکزِ نو کے لئے عطا ہوا تھا۔ اس مراسلہ پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر مضمون کی اندرونی شہادت اور بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعی طور پر (۲۰ تبوک ۱۳۲۷ ہش / ستمبر ۱۹۴۸ء) سے قبل کی تحریر ہے جبکہ اس مرکز کا افتتاح عمل میں نہیں آیا تھا۔ یہ مکتوب حضرت شیخ صاحبؓ نے مولف کتاب کو مرحمت فرمایا تھا۔)

ایپ مال ۱۰۸ لاہور

مکرمی سلمہٗ تعالےٰ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! خط پہنچا۔ غلہ گندم جو خریدنے کی تجویز ہے اس کے حفاظت سے رکھنے اور چوہوں اور کھپرے سے بچانے کے لئے کسی مناسب مکان کا احمد نگر میں یا چنیوٹ میں آیا انتظام ہو سکے گا۔ اس بات کی اطلاع فرما دیں۔

امید ہے انشاء اللہ چند روز میں ٹاؤن پلاننگ آفیسر (اور ان کے ساتھ ہمارا کوئی ہمراہی ہو گا) چک ڈگیانہ سرکاری کا موقعہ دیکھنے پہنچیں گے۔ آپ پٹواری کا بھی پتہ رکھیں۔ اور خود بھی چنیوٹ میں موجود رہیں۔ اور پرانے زمانہ میں ان پہاڑوں سے سنگ تراش شاید اینٹیں بنایا کرتے تھے۔ چک ڈگیانہ کے جنوب میں ایک دو میل کے فاصلہ پر ایک موضع سنگتراشاں ہے معلوم نہیں آیا اس موضع میں یا چنیوٹ میں کوئی سنگ تراش آیا بھی ہے یا نہیں۔ آج کل چاندنی راتیں ہیں اگر ہو سکے آپ چنیوٹ سے چل کر صبح سویرے دریا کے پار چک ڈگیانہ میں دریا کے کنارے صبح کی نماز پڑھا کریں اور نماز اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد چک میں گھنٹے دو گھنٹے گشت لگایا کریں اور امور ذیل پر غور کیا کریں۔

۱۔ دریا سے پمپ کے ذریعہ پانی آراضی زیر بحث پر چڑھانے کے لئے کونسا موقعہ موزوں ہو گا؟

۲۔ اراضی زیر بحث میں ایک ٹیوب ویل آب پاشی کے لئے فوراً لگانا ہے اس کے لئے کون سا موقع موزوں ہوگا۔

۳۔ عمارتوں کے لئے پختہ اینٹیں تیار کرنے کے بھٹے لگانے ہوں گے ان کے لئے کون موقع ہونا چاہیئے۔

۴۔ آئندہ ماہ ساون میں پھلدار درخت آم وغیرہ اور نیز شیشم و یوکلپٹس ودھریک و کیکر کے درخت رقبہ زیر بحث میں کس کس موقع پہ لگانے مناسب ہوں گے۔ یہ بھی معلوم کریں۔ آیا اس نواح میں کہیں درختوں کی نرسری ہے اگر نہ ہو تو احمد نگر کوئی مناسب نرسری ذخیرہ درختاں کے لئے تجویز کیا جائے

۵۔ موضع احمد نگر کا بہت سا رقبہ سڑک پختہ مابین چنیوٹ و لالیاں کے (بائیں جانب چنیوٹ سے لالیاں جاتے ہوئے) بنجر پڑا ہے۔ اگر وہ رقبہ مناسب قیمت پہ ہم خرید لیں تو غالباً اس کو نہری بنایا جا سکتا ہے۔ وہ رقبہ دیکھیں اور معلوم کریں کہ کس کی ملکیت ہے اور آیا اس کا خرید کرنا مناسب ہوگا۔ اپنے طور پہ یہ حالات معلوم کریں یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم اس کو خریدنا چاہتے ہیں۔

۶۔ آپ یہ بھی غور کریں کہ مکانات بنانے کے لئے کونسا قطعہ موزوں ہوگا۔ یعنی آبادی دیہہ کہاں ہونی چاہیئے ہمارے کارخانے اور کالج وسکول وفضل عمر انسٹی ٹیوٹ و لائبریری وغیرہ کے لئے کونسا موقعہ موزوں ہوگا۔ ؟

۷۔ قبرستان کہاں ہونا چاہیئے۔

۸۔ احمد نگر میں کچھ رقبہ نہر سے آبپاشی ہوتا ہے۔ آپ وہ راجباہ دیکھیں جس سے اس رقبہ کو نہری پانی ملتا ہے۔

آپ نہر محکمہ میں رہ چکے ہیں۔ پٹواری نہر و ضلعدار سے بھی ملیں۔ اور اس امر پر غور کریں کہ اس موضع کے باقی رقبہ کو جو اس وقت نہری نہیں ہے نہری آبپاشی میں لانے کے لئے کیا تجویز ہو سکتی ہے!

گورنمنٹ کو ضرورت ہے غلّہ کی پیداوار بڑھانے کی، اور اس ضرورت کی طرف توجہ دلا کر اس رقبہ کی آبپاشی کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بنجر رقبہ سرکاری ہے۔ تو سردست ہم سرکار سے عارضی کاشت پہ لینے کی درخواست کر سکتے ہیں۔

۹۔ جو امور میں نے اوپر درج کئے ہیں ان میں سے بعض کے متعلق آپ مولوی ابوالعطاء صاحب اور احمد نگر میں دوسرے دوستوں سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں۔ اور اس علاقہ کے اپنے زمینداران سے بھی اپنے طور پر معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ جب کام شروع ہو گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رہائش کے لئے چنیوٹ میں کوئی موزوں مکان (کا) ضرورت ہو گی۔ چنیوٹ اسٹیشن کے نزدیک شہر سے باہر کوئی بنگلے ہیں جو شاید پناہ گزینوں کے قبضہ میں ہوں گے۔ ان کا خیال رکھیں جب ان میں سے کوئی بنگلہ خالی ہو فوراً اپنے نام الاٹ کرانے کی کوشش کریں۔ حضرت صاحب کی طبیعت سے آپ واقف ہیں۔ حضور ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی کو تکلیف پہنچے جو مکان آپ حاصل کریں ایسے طور پر عمل ہو کہ کسی کو وجہ شکایت نہ پیدا ہو۔

۱۱۔ احمد نگر اور لالیاں میں بھی حضور کے لئے مکان ہونا چاہیئے جہاں آپ کبھی کبھی استراحت فرما سکیں۔ لالیاں میں تو ڈاک بنگلہ موجود ہے لیکن احمد نگر میں ایسی صورت نہیں وہاں جس جگہ بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا اس کے مقابل ٹوٹے پھوٹے مکانات ہیں۔ گاؤں کے اندر مسجد کے نزدیک اگر کوئی مکان ہو جو تھوڑے تغیر و تبدل کے بعد حضور کی عارضی رہائش کے لئے موزوں بن سکے تو بہتر ہو گا۔

۱۲۔ یہ وادی غیر ذی زرع میں مہاجرین قادیان کی بستی کی بنیاد رکھی جانے والی ہے۔ ہمارے دوستوں کو جو چنیوٹ میں ہیں اور جو احمد نگر میں ہیں تعطیل کے دن وہاں پہنچ کر دعائیں کرنی چاہئیں اور وہ نظارہ قائم کرنا چاہیئے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کی بنیاد رکھتے وقت اپنی دعاؤں سے قائم کیا تھا۔

۱۳۔ اس نواح میں جو احمدیوں کے مواضعات اضلاع جھنگ، لائل پور، سرگودھا میں واقعہ ہیں۔ اُن کا بھی آپ پتہ لے رکھیں۔

۱۴۔ لالیاں اور چنیوٹ میں غالباً کپاس وغیرہ کے کارخانے ہیں۔ ان کی میعاد اگست تک ہے۔ جن لوگوں نے پچھلے مہینوں میں کارخانوں کو ٹھیک طور پر نہیں چلایا ان سے کارخانے لے کر غالباً دوسروں کو جو انتظام کے اہل ہوں دیئے جائیں گے ان کارخانوں کی بابت بھی آپ معلومات حاصل کریں۔

۱۵۔ کیا دریا کے کنارے چنیوٹ میں کوئی لکڑی منڈی ہے۔ انشاء اللہ ہم اپنی عمارتوں کے لئے دیار اور چیڑ وغیرہ کی لکڑی وزیر آباد سے دریا کے راستہ لایا کریں گے۔ اور ڈگیاں کے محاذ لکڑی منڈی کا موقع تجویز کرنا ہوگا۔

۱۶۔ چنیوٹ اور احمد نگر کے درمیان کسی مناسب موقع پر اٹل پمپ کی تجویز بھی کرنی ہوگی۔

۱۷۔ اگر آپ ریلوے لائن پر چنیوٹ کی طرف سے لالیاں کو چلیں تو چک ڈگیاں میں ایک موقعہ پر پل ہے اس پل سے بارشی پانی شمال مشرق سے جنوب غرب کو دریا کی طرف جاتا ہے۔ اگر اس بارشی پانی کو روکنے کے لئے اس نالی پر دو تین موقعوں پر چھوٹے چھوٹے بند لگا دیئے جائیں تو بارشی پانی کی چند ایک چھپڑیاں نشیب میں بن جائیں گی اور اغلب ہے کہ اچھی بارش کی صورت میں وہاں اتنا پانی جمع ہو جائے کہ مال مویشی کے لئے کئی ماہ تک کام آسکے۔ اس کے متعلق آپ خرچ کا اندازہ کر کے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں رپورٹ کریں

۱۸۔ چک ڈگیاں کا رقبہ عموماً کلراٹھی ہے کلراٹھی زمین میں کیکر کا درخت اگر جلد نکلے تو زمین درست ہونے میں امداد ملتی ہے۔ اس لئے بارشی لائنوں میں بارش کے موسم میں کیچڑ میں اگر کیکر کا بیج دیا جاوے تو کیکر جلد نکلیں گے۔

۱۹۔ ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں کوئی درخت نہیں ہیں کیونکہ بکریاں چرتی ہیں ان پر درخت اگنے نہیں پاتے۔ اگر ہم بکری چرائی منع کر دیں گے تو امید ہے ان پہاڑوں پر گھاس اور ایندھن کی کچھ پیداوار ہو سکے۔

پہاڑیوں کے دامن میں ایسے موقع تلاش کرنے چاہئیں جہاں تھوڑا سا بند لگانے سے پہاڑ کے بارشی پانی کے چھوٹے تالاب چھپڑیاں بن جاویں۔ جودھپور میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں رہنے والے زمیندار آبنوشی کے ایسے تالاب بنا رکھتے ہیں۔

۲۰۔ شروع میں ۶ ماہ کے لئے ہم کو عملہ کے لئے اور معماروں اور مزدوروں کے لئے چھپروں کی ضرورت ہوگی۔ اس علاقہ میں چھپر بند مل جایا کرتے ہیں اس کے متعلق بھی آپ معلوم کریں کہ کیا ایسے چھپر بند مل سکتے ہیں۔

۲۱۔ ان پہاڑیوں کے اوپر چھوٹے چھوٹے مکان بنے ہوئے ہیں اور ایک اچھی پختہ بلڈنگ دریا کے کنارے ریلوے برج کے نزدیک چنیوٹ کی جانب واقع ہے۔ وہ غالباً خالی ہے۔ ہم ایسے خالی مکانات کا قبضہ

لے لیویں۔ جب تک ہمارے مکانات نئے قصبہ میں تیار نہیں ہوتے۔ یہ مکانات استعمال میں آسکیں گے۔ امید ہے آپ بفضلہ تعالیٰ ہر طرح صحت و عافیت سے ہوں گے۔

آپ کا

محمد الدین

نقوش پریس لاہور